اَوضحُ التّسہیل

لشرحِ ابنِ عقیل

- مُقدّمۃُ النحو
- شرحِ ابنِ عقیل کا بامحاورہ ترجمہ و تشریح
- اَشعار کا بامحاورہ ترجمہ
- اَشعار کی ترکیب
- اَشعار کے مُفرداتِ مُشکلہ کی تشریح
- محلِّ استشہاد کی وضاحت
- ضرورت کے مُطابق شانِ وُرود
- غیر ضروری طوالت سے اجتناب

تالیف
مفتی علی الرحمٰن فاروقی

زمزم پبلشرز

أوضح التسهيل

لشرح ابن عقيل

حصّہ دوم

- أشعار کا بامحاورہ ترجمہ
- شرح ابن عقیل کا بامحاورہ ترجمہ و تشریح
- أشعار کے مُفرداتِ مُشکلہ کی تشریح
- محلِ استشہاد کی وضاحت
- ضرورت کے مُطابق شانِ وُرود
- غیر ضروری طوالت سے اجتناب

تألیف
مفتی علی الرحمٰن فاروقی
فاضل و متخصص
جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن

مکتبۃ العلوم بنوری ٹاؤن
0333-3227706

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب .... اَوضحُ التسہیل (حصہ دوم)

مؤلف .... مفتی علی الرحمن فاروقی

ناشر .... **مکتبۃ العلوم**

ملنے کے پتے

قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی

زم زم پبلشرز، اردو بازار، کراچی

نور محمد کتب خانہ، آرام باغ کراچی

مکتبہ قاسمیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

مکتبہ زکریا، بنوری ٹاؤن، کراچی

ادارۃ الانور، بنوری ٹاؤن، کراچی

درخواستی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور

شمع بک ایجنسی، اردو بازار، لاہور

فہرست مضامین

اوضح التسہیل لشرح ابن عقیل (جلددوم)

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	عرض مؤلف	۵	۱۱	لا نفی جنس کی خبر کو حذف کرنا	۳۰
۲	لا نفی جنس کے عمل کی شرائط	۷	۱۲	ظنّ وأخواتُها	۳۳
۳	لا کے اسم کا اعراب	۱۲	۱۳	ظنّ وأخواتُها اور اس کی قسمیں	۳۶
۴	شبہ مضاف کی تعریف	۱۲	۱۴	افعال قلوب متصرفہ کا تعلیق والغاء کے ساتھ خاص ہونا	۴۹
۵	شبہ مضاف کی مثالیں	۱۲	۱۵	تعلیق کی تعریف	۵۰
۶	لا کے بعد جمع مؤنث سالم کا اعراب	۱۴	۱۶	الغاء کی تعریف	۵۰
۷	لا نفی جنس کی خبر کے عامل میں اختلاف	۱۵	۱۷	کہاں الغاء ہوتا ہے؟	۵۳
۸	لاَ حَولَ وَلا قوّة میں پانچ وجہیں	۱۷	۱۸	وہ جگہیں جہاں تعلیق ہوتی ہے	۵۶
۹	لا پر ہمزہ استفہام کا آجانا	۲۶	۱۹	عَلِمَ، عَرَفَ اور ظَنَّ کا اتَّهَمَ کے معنی میں مستعمل ہونا	۵۸
۱۰	استفہام عن النفی کی مثال	۲۸	۲۰	رأی حلمیہ کی تعریف اور مثال	۵۹

نمبر	مضامین	صفحہ	نمبر	مضامین	صفحہ
۲۱	ظنّ کے باب میں قرینہ کے وقت دو مفعولوں کا حذف جائز ہے	۶۱	۳۲	فاعل فعل کے ساتھ متصل ہوتا ہے	۱۰۲
۲۲	تقول کا تظنّ کی طرح عمل کرنا	۶۵	۳۳	مفعول فعل سے الگ ہوتا ہے	۱۰۳
۲۳	أعلم وَأرٰی	۷۱	۳۴	فاعل کی تقدیم کہاں واجب ہے؟	۱۰۴
۲۴	وہ افعال جو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں	۷۱	۳۵	محصور فاعل اور مفعول کا حکم	۱۰۷
۲۵	فاعل کی تعریف	۸۳	۳۶	فاعل کی ضمیر پر مشتمل مفعول کی تقدیم کا حکم	۱۱۲
۲۶	فاعل ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے	۸۵	۳۷	نائب فاعل کے احکام	۱۱۹
۲۷	فاعل ظاہر کے وقت فعل کا حکم اور اس میں اختلاف	۸۷	۳۸	قیلَ ،بیعَ کی تین وجہیں	۱۲۲
۲۸	قرینہ کی وجہ سے فعل کو حذف کرنا جائز ہے	۹۲	۳۹	مفعول بہ موجود نہ ہونے کی صورت میں ظرف وغیرہ کو نائب فاعل بنایا جا سکتا ہے	۱۲۷
۲۹	فعل کا مؤنث فاعل کی طرف مسند ہونا	۹۳	۴۰	اشتغال العامل عن المعمول	۱۳۵
۳۰	تاء تانیث فعل کے ساتھ کہاں لازم ہوتی ہے؟	۹۴	۴۱	ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کی وضاحت	۱۳۶
۳۱	جب فاعل جمع واقع ہو	۱۰۰	۴۲	ما اضمر عامله کے مسائل کی پانچ قسموں کا ذکر	[illegible]

نمبر	مضامین	صفحہ	نمبر	مضامین	نمبر
۴۳	فعل لازمی اور متعدی کی تعریف اور ان کی علامتیں	۱۵۱	۵۵	جہاں مصدر کے عامل کو حذف کرنا ضروری ہے	۱۸۵
۴۴	کبھی فعل لازمی بغیر واسطہ حرف جر متعدی ہوتا ہے	۱۵۷	۵۶	مؤکد لنفسہ ومؤکد لغیرہ کی تعریف	۱۹۰
۴۵	جو معنیٰ فاعل ہوتا ہے وہ مقدم ہوتا ہے	۱۶۰	۵۷	مفعول لہ کی تعریف اور اس کے نصب کی شرطیں	۱۹۳
۴۶	فضلہ کا حذف جائز ہے	۱۶۲	۵۸	ظرف، مفعول فیہ کی تعریف	۲۰۰
۴۷	تنازع کی بحث	۱۶۵	۵۹	ظرف کا عامل	۲۰۱
۴۸	تنازع میں اختلاف کی پوری تفصیل	۱۶۵	۶۰	مفعول معہ کی تعریف	۲۱۲
۴۹	مفعول مطلق کی تعریف	۱۷۶	۶۱	مفعول معہ کے واو کا ماقبل پر عطف	۲۱۵
۵۰	مصدر اصل ہے یا فعل	۱۷۸	۶۲	مستثنیٰ باعتبار وجوہ اعراب	۲۱۸
۵۱	مفعول مطلق کی تین حالتیں	۱۷۹	۶۳	"الا" کا تاکید کیلئے مکرر آنا	۲۲۵
۵۲	مفعول مطلق سے نائب ہونے والی چیزیں	۱۸۰	۶۴	استثناء پر دلالت کرنے والے الفاظ	۲۳۱
۵۳	مصدر مؤکد صرف مفرد ہوگا	۱۸۱	۶۵	لَیْسَ، خَلا، عَدَا، لایکون، کے بعد مستثنیٰ کا حکم	۲۳۷
۵۴	مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا	۱۸۳	۶۶	خَلا، عَدَا سے پہلے ما آجائے تو اس کا حکم	۲۴۰

نمبر	مضامین	صفحہ	نمبر	مضامین	نمبر
۶۷	حاشا کا استعمال	۲۴۲	۷۵	مضاف الیہ سے حال کا واقع ہونا	۲۶۶
۶۸	حال کی تعریف	۲۴۶	۷۶	حال کو اس کے عامل پر مقدم کرنا	۲۶۸
۶۹	حال کی قسمیں	۲۴۷	۷۷	حال کی دو اور قسمیں	۲۷۳
۷۰	حال کبھی جامد بھی آتا ہے	۲۴۹	۷۸	حال میں اصل مفرد ہونا ہے	۲۷۶
۷۱	اکثر حال نکرہ ہوتا ہے	۲۵۱	۷۹	جملہ حالیہ میں واو کا آنا	۲۷۷
۷۲	ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے	۲۵۶	۸۰	تمییز کی تعریف اور اس کی قسمیں	۲۸۲
۷۳	وہ جگہیں جہاں ذوالحال نکرہ ہوتا ہے	۲۵۶	۸۱	بعض جگہ تمییز کو مجرور پڑھنا جائز ہے	۲۸۴
۷۴	حال کو ذوالحال پر مقدم کرنا	۲۶۳	۸۲	تمییز کو اس کے عامل پر مقدم کرنا	۲۸۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

الحمد للّٰہ ربّ العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّدالانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہٖ اجمعین امّابعد۔

بندہ ربّ ذوالجلال کا بڑا شکرگزار ہے کہ اس کے فضل وکرم سے ''**اوضح التسہیل لشرح ابن عقیل**'' کی پہلی جلد منظر عام پر آکر حلقہ احباب وطلبہ میں مقبول ومشہور ہوئی اور مختلف حضرات نے ناچیز کی اس ادنیٰ کوشش کو سراہا۔

جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

چونکہ پہلی جلد صرف سہ ماہی اور شش ماہی امتحان کے نصاب پر مشتمل تھی اس وجہ سے شدّت سے جلد ثانی کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی تاکہ مکمل نصاب کی پوری شرح تیار ہوسکے، اس لئے بندہ نے دوران تدریس اور خصوصًا سالانہ چھٹیوں میں اپنی بس کے مطابق اس کی تکمیل کردی۔ **فَلِلّٰہ الحمدوماتوفیقی الاباللّٰہ۔**

ربّ کریم سے دعا ہے کہ وہ اس ادنیٰ سی سعی کو مقبول ومنظور فرماکر میرے، میرے والدین، تمام اساتذہ کرام، اقرباء واحباب سب کیلئے ذریعہ مغفرت وسامانِ نجات بنادے۔ **وَمَاذٰلِکَ عَلَی اللّٰہ بعزیز۔**

کتبہ

علی الرحمٰن فاروقی۔

مدرس: مدرسہ ارشادالعلوم یوسفیہ کھتری مسجد جونامارکیٹ کراچی۔

۲۰ شوال المکرم ۱۴۲۵ھ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

لاالّتی لِنَفِی الجنس

عَمَلَ اِنَّ اجْعَلْ لِلاَفِی نَكِرَة
مُفْرَدَةً جَاءَ تْکَ اَوْمُكَرَّرَة

ترجمہ:...... اِنَّ کا عمل آپ لا کیلئے کردیں چاہے نکرہ مفردہ آجائے یا مکررہ۔

(ش) هذاهو القسم الثالث من الحروف الناسخة للابتداء، وهي((لا)) التي لنفي الجنس، والمرادبها((لا)) التي قصدبها التنصيص على استغراق النفي للجنس كله.

وإنما قلت((التنصيص)) احترازًا عن التي يقع الاسم بعدها مرفوعا، نحو: ((لارجل قائمًا))؛ فإنها ليست نصافي نفي الجنس؛ إذ يحتمل نفي الواحد ونفي الجنس، فبتقدير إرادة نفي الجنس لايجوز((لا رجل قائمًا بل رجلان)) وبتقدير إرادة نفي الواحد يجوز((لارجل قائمًا بل رجلان)) وأما((لا)) هذه فهي لنفي الجنس ليس إلا؛ فلا يجوز((لارجل قائم بل رجلان))

وهي تعمل عمل((إن))؛ فتنصب المبتدأ اسمًا لها، وترفع الخبر خبرًا لها، ولافرق في هذا العمل بين المفردة – وهي التي لم تتكرر – نحو: ((لاغلام رجل قائم)) وبين المكررة، نحو: ((لاحول ولاقوة إلا باللّٰه))

ولايكون اسمها وخبرها إلا نكرة؛ فلا تعمل في المعرفة، وماورد من ذلك مؤول بنكرة، كقولهم: ((قضية ولاأباحسن لها)) فالتقدير: ولامسمّى بهذا الاسم لها ويدلّ على انّه مُعامل مُعاملة النكرة وصفه بالنكرة كقولك ((لاأباحسن حلّا لالها))، ولايفصل بينها وبين اسمها؛ فإن فصل بينهما ألغيت، كقوله تعالىٰ: ﴿لافيها غول﴾

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے حروف ناسخہ للابتداء کی دو قسمیں تفصیل سے گزر گئیں اب یہاں ان کی تیسری قسم بتارہے ہیں جو کہ لائے نفی جنس ہے۔

والمرادبھاالخ:

لانفی جنس کے عمل کی شرائط

شارح رحمۃ اللہ علیہ یہاں لا کی تعیین فرمارہے ہیں کہ یہاں مطلق لاَ مراد نہیں ہے بلکہ وہ لاَ مراد ہے جس سے مقصود پوری جنس کی نفی ہواور جنس کی اس نفی میں وہ بالکل صریح ہو۔درحقیقت یہاں شارح لانفی جنس کی تین شرطیں بتارہے ہیں۔

(۱)......پہلی شرط یہ کہ لا نافیہ ہو۔

(۲)......دوسری شرط یہ ہے کہ منفی جنس ہو۔

(۳)......تیسری شرط یہ ہے کہ نفی بھی صراحت سے ہو۔

لہٰذا اگر لا نافیہ نہ ہوتو مذکورہ عمل نہیں کرے گا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔" لاتَحزَنْ اِنَّ اللّٰہ مَعَنَا " یہاں لا نافیہ نہیں بلکہ ناہیہ ہےاس لئے اس نے لانفی جنس والا عمل نہیں کیا۔

اسی طرح اگر نافیہ ہولیکن جنس کی نفی کیلئے نہیں تب بھی یہ مذکورہ عمل نہیں کرے گا۔(یعنی انّ والا عمل نہیں کرے گا) بلکہ وہ لَیسَ کی طرح عمل کرے گا۔اسی طرح اگر وہ جنس کی نفی کیلئے ہولیکن جنس کی نفی میں صریح نہ ہوتو پھر بھی اس میں انّ کا عمل نہیں ہوگا۔شارح رحمہ اللہ نے:

"والمراد بھا"لا"الّتی قُصِدَ بھاالتنصیص علیٰ استغراق النفی للجنس کلّہ"

کے ذریعہ ان آخری دوشرطوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وانماقلتُ التنصیص الخ:

شارح فرمارہے ہیں کہ میں نے تنصیص کا لفظ (جس کا مطلب یہ ہے کہ لانفی جنس میں صریح ہو) اس لئے استعمال کیا تاکہ احتراز ہوجائے اس لا سے جونفی جنس کیلئے بھی آتا ہواور واحد کی نفی کیلئے بھی آتا ہو۔جیسے " لاَ رَجُلٌ قائمًا " اب یہاں واحد کی نفی بھی مراد ہوسکتی ہے کہ ایک آدمی کھڑا نہیں اور دو کھڑے ہیں اور جنس آدمی کی نفی بھی مراد ہوسکتی ہے کہ کوئی آدمی کھڑا نہیں جب جنس کی نفی مراد ہوتو پھر "لارَجلٌ قائمًا بَلْ رَجُلان "نہیں کہہ سکتے اور واحد کی نفی کی

صورت میں کہہ سکتے ہیں، الغرض یہاں اس مثال میں چونکہ لانفی جنس میں صریح نہیں اس وجہ سے وہ "اِنّ" کی طرح عمل نہیں کررہا ہے۔

شارح کے قول: "واما لاھذہ فھی لنفی الجنس لیس الاّ" کا بھی یہی مطلب ہے کہ یہ جو لااِنّ کی طرح عمل کرتا ہے یہ صرف اور صرف جنس کی نفی کیلئے آتا ہے اور بس لیس الاّ سے مقصود تاکید ہے جیسا کہ شرح جامی ص ۶۹ میں ہے۔

یہ انَّ کی طرح عمل کرتا ہے مبتدا کو اسم بنا کر نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع دیتا ہے اس عمل کرنے میں مکرر اور غیر مکرر لا دونوں برابر ہیں غیر مکرّر کی مثال لاَغلامَ رَجلٍ قائمٌ اور مکرر کی مثال: لاَحَولَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلاّ بِاللّٰہ ہے۔

ولایکون اسمھاالخ :

شارح نے اس سے پہلے ضمناً لانفی جنس کے عمل کرنے کیلئے تین شرائط ذکر کی ہیں۔ یہاں چوتھی شرط بیان کررہے ہیں کہ اس کا اسم اور خبر دونوں نکرہ ہونگے اس لئے کہ لاصفت نکرہ کی نفی کیلئے وضع کیا گیا ہے لہٰذا اس کا اثر معرفہ میں ممتنع ہے اس صورت میں اس کا عمل لغو ہوگا اس پر شارح نے ایک اعتراض نقل کیا ہے کہ......

"قَضِیَّۃٌ وَلاَ اَبَا حَسَنٍ لَھَا" (یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کا ایک حصہ ہے جو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں کہا تھا کہ یہ ایک فیصلہ ہے اور اس کیلئے کوئی ابو حسن (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نہیں جو اس کو حل کرسکے، پھر اس کے بعد یہ ہر مشکل مرحلہ میں کہا جانے لگا) میں "لا" نے معرفہ میں عمل کیا ہے اس کا جواب شارح نے دینے کی کوشش کی ہے کہ یہاں ابا حسن سے خاص آدمی مراد نہیں ہے بلکہ ایک عام ابو حسن مراد ہے ای وَلامُسَمّٰی بھٰذا الاسم لَھَا (اس نام کا کوئی آدمی نہیں) اور چونکہ اس کی صفت نکرہ آتی ہے اس لئے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ معہود آدمی یہاں مراد نہیں چنانچہ کہا جاتا ہے لااَبَاحَسن حلاّلًا لھا الخ

لیکن شارح کی تاویل صحیح نہیں اس لئے کہ ابو حسن کے نام سے لوگ تو بہت موجود ہیں لہٰذا یہ نفی صحیح نہیں۔

لہٰذا اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ یہاں ابا حسن سے مراد اسم جنس ہے یعنی فیصلہ کرنے والا جو اس علم کا مشہور وصف ہے۔ای لافیصَلَ لَھَا جس طرح کہا جاتا ہے لکلّ فرعون مُوسیٰ ای لکلّ مُبطل مُحِقٌّ۔

ولایفصل بینہاوبین اسمہاالخ:......

لائفی جنس کے عمل کیلئے پانچویں شرط یہ ہے کہ اس کے اوراس کے اسم کے درمیان فاصلہ نہ ہوا گرفاصلہ ہوگا تو یہ عمل نہیں کرے گا۔اس لئے کہ لا عامل ضعیف ہے اورفاصلہ کی صورت میں قوی عامل عمل کرسکتا ہے نہ کہ ضعیف جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَافِيهَا غَوْلٌ"

فَانْصِبْ بِهَا مُضَافًا، او مُضَارِعَه
وَبَعْدَ ذَاكَ الْخَبَرَ اذْكُرْ رَافِعَه
وَرَكِّبِ الْمُفْرَدَ فَاتِحًا: كَلاَ
حَوْلَ وَلا قُوَّةَ ، والثّانى إجْعَلا
مَرفُوعًا او مَنصُوبًا او مُرَكَّبا
وَإنْ رَفَعْتَ اوّلاً لاتَنْصِبَا

ترجمہ:......پس آپ اس لاَ کے ذریعہ سے نصب دیں مضاف یاشبہ مضاف کو، اور اس کے بعد آپ خبرکوذکرکردیں اس حال میں کہ آپ اس کورفع دینے والے ہوں اورمفردکوآپ مبنی برفتحہ کریں جیسے:لاحَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ ،اوردوسرے (یعنی تکرار لا کی صورت میں دوسرے اسم) کوآپ مرفوع بنادیں یامنصوب یامبنی برفتحہ اوراگرآپ نے پہلے اسم کو(تکرارلا کی صورت میں) رفع دیاہوتو دوسرے (اسم) کونصب نہ دیں۔

(ش)لایخلواسم ((لا))[هذه]من ثلاثة أحوال؛الحال الأول:أن یکون مضافا[نحو:((لاغلام رجل حاضر))].الحال الثانی:أن یکون مضارعاللمضاف أی مشابهًا له،والمراد به:کل اسم له تعلق بمابعده:إمابعمل، نحو:((لاطالعاجبلا ظاهر،ولاخیرًامن زیدراکب))،وإمابعطف نحو:((لاثلاثة وثلاثین عندنا)) ویسمی المشبه بالمضاف:مطولا،وممطولا،أی:ممدودًاوحکم المضاف والمشبه به النصب لفظًا،کمامثل،والحال الثالث:أن یکون مفردًا،والمراد به—هنا—مالیس بمضاف،ولامشبه بالمضاف فیدخل فیه المثنیٰ والمجموع وحکمه البناء علیٰ ماکان ینصب به؛ لترکبه مع((لا))وصیرورته معها کالشیٔ الواحد؛فهومعها کخمسة عشر،ولکن محله النصب بلا؛

لأنه اسم لها؛فالمفرد الذى ليس بمثنى ولامجموع يبنى على الفتح؛لأن نصبه بالفتحة نحو:((لاحول ولاقوة إلا بالله)) والمثنى وجمع المذكر السالم يبنيان على ما كانا ينصبان به-وهو الياء-نحو:((لا مسلمين لك، ولامسلمين))فمسلمين ومسلمين مبنيان؛لتركبهمامع ((لا)) كمابنى((رجل)) [لتركبه]معها.

وذهب الكوفيون والزجاج إلى أن ((رجل)) فى قولك: ((لا رجل)) معرب، وأن فتحته فتحة إعراب،لافتحة بناء، وذهب المبرد إلى أن ((مسلمين)) و((مسلمين))معربان.

وأما جمع المؤنث السالم فقال قوم:مبنى على ما كان ينصب به-وهو الكسر-فتقول: ((لا مسلماتِ لك))بكسر التاء ، ومنه قوله:

١٠٩-إِنَّ الشَّبَابَ الَّذى مَجدٌ عَوَاقِبُه
فيه نَلَذُّ وَلاَلَذّاتِ لِلشّيبِ

وأجازبعضهم الفتح ، نحو:((لا مسلمات لك))

وقول المصنف: ((وبعد ذاك الخبراذكررافعه))معناه أنه يذكرالخبربعداسم((لا)) مرفوعا،والرافع له((لا))عندالمصنف وجماعة [وعندسيبويه الرافع له لا]إن كان اسمهامضافًا أومشبهابالمضاف،وإن كان الاسم مفردًافاختلف فى رافع الخبر؛فذهب سيبويه إلى أنه ليس مرفوعا ب((لا)) وإنماهومرفوع على أنه خبرالمبتدأ،لأن مذهبه أن((لا)) واسمهاالمفردفى موضع رفع بالابتداء،والاسم المرفوع بعدهماخبرعن ذلك المبتدأ،ولم تعمل((لا))عنده فى هذه الصوة إلافى الاسم،وذهب الأخفش إلى أن الخبرمرفوع بِ((لا))فتكون((لا))عاملة فى الجزأين كما عملت فيهمامع المضاف والمشبه به .

وأشاربقوله:((والثانى اجعلا)) إلى أنه إذا أتى بعد((لا)) والاسم الواقع بعدهابعاطف ونكرة مفردة وتكررت((لا)) نحو:((لاحول ولاقوة إلابالله)) يجوزفيهماخمسة أوجه،وذلك لأن المعطوف عليه:إماأن يبنى مع((لا))على الفتح،أوينصب،أويرفع.

فإن بني معها على الفتح جاز في الثاني ثلاثة أوجه:

الأول: البناء على الفتح ،لتركبه مع ((لا)) الثانية، وتكون [لا] الثانية عاملة عمل إنَّ، نحو: ((لاحول ولا قوّة إلا بالله))

الثاني: النصب عطفًا على محل اسم ((لا)) وتكون ((لا)) الثانية زائدة بين العاطف والمعطوف، نحو: ((لاحول ولا قوة إلا بالله)) ومنه قوله:

١١٠ – لانَسَبَ اليومَ وَلاَخُلَّةً
اتَّسَعَ الخرقُ عَلَى الرَّاقِع

الثالث: الرفع، وفيه ثلاثة أوجه: الأول: أن يكون معطوفًا على محل ((لا)) واسمها؛ لأنهما في موضع رفع بالابتداء عند سيبويه، وحينئذ تكون ((لا)) زائدة، الثاني: أن تكون ((لا)) الثانية عملت عمل ((ليس))، الثالث: أن يكون مرفوعا بالابتداء، وليس للا عمل فيه وذلك نحو: ((لاحول ولاقوة إلا بالله)) ومنه قوله:

١١١ – هذا لَعَمرُكُم الصَّغَارُ بعينه
لاأمَّ لِي. ان كانَ ذاك .وَلااَبُ

وإن نصب المعطوف عليه جاز في المعطوف الأوجه الثلاثة المذكورة –أعني البناء، والرفع، والنصب– نحو: لاغلامَ رجلٍ ولاامرأةَ، ولاامرأةً، ولاامرأةٌ.

وإن رفع المعطوف عليه جاز في الثاني وجهان: الأول: البناء على الفتح، نحو: ((لارجُلٌ ولا امرأةَ، ولا غلامُ رجل ولاامرأةَ، ومنه قوله:

١١٢ – فَلاَلَغوٌ وَلاَتَأثِيمَ فيهَا
وَمَافَاهُوا بِهِ ابدًا مُقيمُ

والثاني: الرفع، نحو: ((لارجلٌ ولاامرأةٌ، ولاغلامُ رجل ولاامرأةٌ)).

ولا يجوز النصب للثاني؛ لأنه إنما جاز فيما تقدم للعطف على [محل] اسم "لاَ" و ((لا)) هنا ليست بناصبة؛ فيسقط النصب، ولهذا قال المصنف: ((وإن رفعت أولالا تنصبا))

ترجمہ وتشریح:

لا کے اسم کا اعراب:

اس سے پہلے لانفی جنس کے عمل کی شرائط بیان ہوئیں۔اب یہ بتارہے ہیں کہ جب یہ ساری شرائط پوری ہو جائیں تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ اس لا کا اسم مضاف یا شبہ مضاف یا مفرد ہے۔(یعنی مضاف شبہ مضاف نہیں ہے) اگرلا کا اسم مضاف یا شبہ مضاف ہے تو اس صورت میں نصب لفظاً ہوگا۔(یعنی معرب ہوگا) اوراگر مضاف' شبہ مضاف نہیں ہے تو اس کا اسم مبنی برفتحہ ہوگا۔

واضح رہے کہ مفرد کبھی تثنیہ جمع کا مقابل ہوتا ہے اور کبھی مفرد وہ ہوتا ہے جو مضاف شبہ مضاف کے مقابل ہو یہاں مفرد سے یہی دوسرا مراد ہے۔لا کا اسم مضاف ہو اس کی مثال جیسے: **لاغُلامَ رَجل حاضرٌ ،لاَ صَاحبَ عِلْمٍ ممقوتٌ، لاصاحب جُود مذمُوم** یہاں غُلام' صاحب مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔

شبہ مضاف کی تعریف:

شبہ مضاف ہر اس اسم کو کہتے ہیں جس کے معنی دوسرے کلمہ کے ملائے بغیر تمام نہ ہوتے ہوں جیسے مضاف کے معنی مضاف الیہ کے بغیر تمام نہیں ہوتے۔

شبہ مضاف کی مثالیں:

مرفوع کی مثال **لاقبیحًافعلُه ممدُوحٌ، لاَحَسَنًاوجهُه مذموم**' منصوب کی مثال **لاَطالعًا جبَلاً ظاهرٌ ، لاَمُفیضًاخیرَه مکروهٌ** مجرور کی مثال **لاخیرًا من زید راکبٌ ، لاخیرًا من زید عندنا** ۔

شارح کے بیان کے مطابق شبہ مضاف ہر وہ اسم ہے جس کا مابعد کے ساتھ تعلق ہو خواہ عمل کے ساتھ ہو۔(جس طرح مذکور مثالوں میں) یا عطف کے ساتھ جیسے: **لاثلاثةً وثلاثين عندنا**، شبہ مضاف کو مطوّل،ممدود بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ ماقبل کی مثالوں سے واضح ہے کہ شبہ مضاف میں مابعد کے ساتھ کچھ نہ کچھ تعلق ضرور باقی رہتا ہے تو ایسا ہوا جیسا کہ کلام کا فی طویل ہے یا ممدود (طویل مطوّل،طوالت سے ہیں۔اور ممدود مدّ سے ہے بمعنی کھینچنا تینوں کی مراد ایک ہے)

والحال الثالث:

تیسری صورت یہ ہے کہ لا کا اسم مفرد ہو یعنی مضاف شبہ مضاف نہ ہو (تثنیہ جمع چونکہ مضاف شبہ مضاف نہیں ہیں اس وجہ سے وہ بھی اس قسم کے مفرد کے حکم میں داخل ہو نگے) اس کا حکم یہ ہے کہ معرب کی صورت میں اس پر جو حرکت جاری ہوتی تھی اسی حرکت پر یہ اب مبنی ہوگا۔

شارح رحمہ اللہ یہاں علت کی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ یہ اسم لا کے ساتھ مرکب ہونے کی وجہ سے اس طرح ہوگیا جس طرح ایک ہی شئ ہے تو جس طرح ''خمسة عشر'' باہمی ترکیب کی وجہ سے مبنی ہیں اس طرح یہ اسم بھی لا کے ساتھ مرکب ہونے کی وجہ سے مبنی ہے۔ (واضح رہے کہ بعض حضرات نے علت بناء یہاں ترکیب ہی کو بنایا ہے کیونکہ فصل کی صورت میں یہ معرب ہوتا ہے، لیکن دیگر حضرات نے اس کی علت یہ بتائی ہے کہ یہ متضمن ہے من استغراقیہ کے معنی کو جو کہ حرف ہے اور حرف کے معنی کو متضمن ہونے سے یہ حرف کے ساتھ مشابہ ہوگیا حرف کی طرح یہ بھی مبنی ہوگیا۔ چنانچہ سوال کیا جاتا ہے هَلْ مِنْ رجل فی الدار تو اس کا جواب دیا جاتا ہے لاَرَجُلَ فی الدار ای لاَمن رجل فی الدار مزید تحقیق حاشیة الخضری میں دیکھیں) اگرچہ یہ اسم محلاً منصوب ہے اس لئے کہ لانفی جنس کا اسم ہے۔

لہٰذا مفرد (مقابل تثنیہ وجمع) میں چونکہ معرب کی صورت میں اس پر نصب آتا ہے اس لئے اب وہ مبنی برفتحہ ہوگا جیسے: لاَحَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ باللّٰه اور تثنیہ اور جمع مذکر سالم میں معرب کی صورت میں حالت نصبی جری میں یاء ہوتی تھی اب وہ اسم لا بن کر مبنی بر یاء ہونگے جیسے لاَ مسلِمَيْنِ لَکَ وَلاَ مسلِمِيْنَ۔

وذهب الكوفيون الخ

کوفیین اور زجاج رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ لاَرَجلَ میں رجل مبنی برفتحہ نہیں بلکہ معرب ہے اور اس پر جو فتحہ ہے وہ بھی معرب والا ہے نہ کہ مبنی والا، اور تنوین کے بارے میں یہ حضرات کہتے ہیں کہ رجل میں تنوین کو تخفیف کے لئے حذف کیا گیا ہے لیکن یہ مسلک مرجوح ہے۔ اس لئے کہ تنوین تو غیر منصرف پر نہیں آتی اسی طرح اضافت کی صورت میں نہیں آتی یا علم کو ابن کے ساتھ موصوف کرنا ہو یا جب ساکن کے ساتھ مل جائے یا وقف مقصود ہو یا مبنی میں ہو۔ تو ان جگہوں میں صرف تنوین حذف ہوتی ہے رجل ان جگہوں میں سے نہیں۔

حضرت امام مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لا کا اسم اگر تثنیہ ہو یا جمع ہو تو اس صورت میں یہ معرب ہو کر منصوب بالیاء ہوگا اور مبنی نہیں ہوگا جس طرح جمہور نحویوں کا مسلک ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ تثنیہ اور جمع اسماء کے خواص معظمہ میں سے ہیں اور بناء کیلئے شرط یہ ہے کہ مشابہت حرف کی وجہ خصوصیات اسماء میں سے کسی کے معارض نہ ہو اب یہاں اگرچہ (مسلمین لامُسْلِمَیْنَ) میں اسم کی حرف کے ساتھ مشابہت پائی جارہی ہے (جس کی وضاحت پہلے گزر گئی) لیکن اس مشابہت میں یہاں معارض ہے کہ تثنیہ جمع خوصیات اسماء میں سے ہیں اور اصل اسماء میں معرب ہونا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ کسی کا خصوصیات اسماء میں سے ہونا اس وقت بناء پر اثر انداز ہوتا ہے جب وہ اسم پہلے سے مبنی ہو لیکن جو پہلے سے مبنی نہ ہو بعد میں کوئی سبب بناء پایا جائے تو اس صورت میں یہ معارض نہیں اور ہم یہ تو مانتے ہیں کہ اسم مذکور پہلے تثنیہ جمع تھا پھر اس پر لا داخل ہوا تو اس کی وجہ سے یہ خمسة عشر کے ساتھ ترکیب میں مشابہ ہو گیا تو مبنی ہو گیا۔ (وجہ گزر گئی)

واماجمع المؤنث السالم الخ:

لاَ کے بعد جمع مؤنث سالم کا اعراب:

جمع مؤنث سالم کے اعراب کے بارے میں ایک قوم کی رائے یہ ہے کہ یہ مبنی ہوگا اسی حرکت پر جو حالت نصبی میں اس پر آتی ہے (جو کہ کسرہ ہے) چنانچہ لامُسْلِمَاتِ کہا جائے گا۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۰۹-اِنَّ الشَّبَابَ الَّذی مَجدٌ عَوَاقِبُہ
فِیہِ نَلَذُّ وَلاَلَذَّاتِ لِلشَّیبِ

ترجمہ:...... بے شک وہ جوانی جس کے انجام اچھے ہوتے ہیں اسی میں ہم تلذذ حاصل کرتے ہیں اور بڑھاپے کی لذتیں نہیں ہوتیں۔

تشریح المفردات:

(شباب) جوانی، سن بلوغ سے تیس برس کی عمر تک کا زمانہ، ہر چیز کا اول، "شبابة النهار" دن کی ابتداء (مجد)

عزت وبلندگی، بزرگی، بلند زمین کو بھی کہا جاتا ہے (عواقب) ہر چیز کا آخر، انجام، اچھا بدلہ، اس کا مفرد عَاقِبَة آتا ہے۔
(نلذ) جمع متکلم کا صیغہ ہے لَذَلَذَاذًا باب سمع سے آتا ہے کسی چیز کا لذیذ ہونا، خوش ذائقہ ہونا، مزے دار ہونا، اس کی صفت لذیذ آتی ہے۔ (نلذُّ) (بفتح النون واللام) اصل میں نَلْذَذُ تھا یہاں ذال کی حرکت لام کی طرف منتقل کردی ذال ساکن ہوگیا ذال کو ذال میں مدغم کیا، (اللذّات) جمع ہے لذّة کی (شیب) اَشْیَب کی جمع ہے شباب سے اسم فاعل ہے لیکن غیر قیاسی طور پر یا فتح شین کے ساتھ شاب کا مصدر ہے۔ اس صورت میں مضاف حذف ہے ای لذی الشیب۔

محل استشہاد:

(لا لذاتِ) محل استشہاد ہے یہاں لذات جمع مؤنث سالم لانفی جنس کا اسم واقع ہوا ہے اور مبنی بر کسرہ ہے (ای علی ما ینصب به) اور یہی جمہور نحویوں کا مسلک ہے، بعض حضرات نے جمع مونث سالم میں لا کا اسم بنتے وقت مبنی بر فتحہ ہونا بھی جائز قرار دیا ہے اس مسلک کو ابن ہشامؒ نے ''مغنی'' میں اور محقق رضی نے شرح کافیہ میں اور ابن مالکؒ نے اپنی بعض کتابوں میں ترجیح دی ہے۔ وَلکلّ وِجهة۔

وَقولُ المصنّف "وَبَعدَذالکَ الخبر اذکُررافعه"

لا نفی جنس کی خبر کے عامل میں اختلاف:

وَبَعدَذالکَ الخبر اذکُررافعه' مصنفؒ کے قول کی تشریح شارح فرمارہے ہیں کہ لا کے اسم کے بعد خبر مرفوع ذکر کیا جائے گا۔ اب اختلاف اس میں ہے کہ اس خبر کو رفع دینے والا لا ہے یا نہیں۔

مصنفؒ اور امام اخفشؒ اور ایک جماعت کے نزدیک مطلقاً خبر کو رفع دینے والا '' لا '' ہے اور امام سیبویہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اسم ''لا'' مضاف یا شبہ مضاف ہو یعنی مبنی والی صورت نہ ہو تو اس کو رفع دینے والا ''لا'' ہے۔ اور اگر اسم مفرد ہو (مفرد سے مراد مقابل مضاف شبہ مضاف ہے اس کی تفصیل گزر گئی) تو اس کو رفع دینے والا '' لا'' نہیں بلکہ وہ اس لئے مرفوع ہے کہ وہ مبتدا کی خبر واقع ہے۔

شارح سیبویہ رحمہ اللہ کے مذہب کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب اسم مفرد ہو تو اس کو رفع دینے والا ''لا'' اس لئے نہیں کہ ان کے ہاں ''لا'' اور اس کا مفرد اسم مرفوع بالمبتدا کی جگہ پر ہیں اور ان دونوں کے بعد والا مرفوع

اسی مبتدا سے خبر ہے۔

واضح رہے کہ حاشیۃ الصبان میں سیبویہ رحمہ اللہ کے اس مسلک کی اس تفصیل کو شارحین کا تسامح قرار دیا ہے (جیسا کہ خود شارح ابن عقیل کو بھی نقل مذہب میں تسامح ہوا) اور کہا ہے کہ ان کا مسلک یہ ہے کہ حقیقت میں عامل صرف "لا" کے داخل ہونے سے پہلے والا مبتدا ہی ہے نہ کہ "مجموعہ لا واسم" یعنی جس طرح حرف ناسخ (لا) کے داخل ہونے سے پہلے خبر میں عامل مبتدا ہی تھا۔ اسی طرح حرف ناسخ کے دخول کے بعد بھی عامل وہی مبتدا رہے گا لیکن چونکہ "لا" بظاہر اس کا ایک جزء دکھائی دے رہا ہے اس وجہ سے شارحین نے "لا" اور اس کے اسم دونوں کے مجموعہ کو عامل بتایا۔

ثمرہ اختلاف:

مصنفؒ و اخفشؒ کے مسلک اور سیبویہؒ کے مسلک کا اثر "لا رجل ولا امرءۃ قائمان" والی ترکیب میں ظاہر ہوگا۔ چنانچہ اخفش و مصنف رحمہما اللہ کے نزدیک چونکہ "لا" ہی خبر میں عامل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے یہاں دو عامل (پہلا "لا" اور دوسرا لا) آئے اور دو عاملوں کا ایک معمول پر آنا صحیح نہیں اور سیبویہ رحمہ اللہ کے ہاں اس صورت میں "لا" خبر میں عامل نہیں اس وجہ سے دو عاملوں کا ایک معمول پر وارد ہونا واقع ہی نہیں ہوا۔

واشار بقوله والثاني اجعلا الخ:

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ جب "لا" اور اس کے اسم کے بعد عاطف اور نکرہ مفردہ آ جائے اور "لا" بھی مکرر ہو اس صورت میں پانچ وجہیں جائز ہیں۔

(ضمن میں یہ بات یاد رکھیں کہ ضمہ فتحہ کسرہ جب تاء کے ساتھ ہوتے ہیں تو حرکات اعرابیہ اور بنائیہ دونوں پر بولے جاتے ہیں)

اور جب بغیر تاء کے (ضم، فتح، کسر) ہوتے ہیں تو صرف حرکات بنائیہ پر بولے جاتے ہیں۔ یہاں شرح میں فتح کا لفظ بار بار آیا ہے یہاں بھی یہی مراد ہے۔ اور رفع نصب جر صرف حرکات اعرابیہ پر بولے جاتے ہیں۔ کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جو ان میں خاصا فرق نہیں کرتے۔ اس کے بعد شرح کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔

لَاحولَ ولاقوّةَ اِلاّباللّٰہ میں پانچ وجہیں

شارحؒ نے لاحول الخ کے اندر پانچ وجہوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس میں نظر ہے اس لئے کہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو لاحولَ وَلاقوۃ الاّ باللّٰہ میں شارح نے آٹھ وجہیں بتائی ہیں بایں طور کہ معطوف علیہ (حول) یامبنی برفتحہ ہوگا یا منصوب ہوگا اور یا مرفوع۔ اگر مبنی برفتحہ ہو تو معطوف (قوۃ) میں تین وجہیں جائز ہیں اور اگر منصوب ہے تو بھی معطوف میں تین وجہیں جائز ہیں اور اگر معطوف علیہ مرفوع ہے تو معطوف میں دو وجہیں جائز ہیں اسی طرح ٹوٹل آٹھ ہو جاتی ہیں۔ حاشیۃ الخضری میں پانچ ذکر کرنے والوں کے بارے میں کہا ہے کہ انہوں نے مفرد (مقابل مضاف یا شبہ مضاف) کو ایک ہی شمار کیا ہے یعنی اگر معطوف علیہ مفرد مبنی برفتحہ ہو یا مرفوع ہو تو اس میں تین وجہیں جائز ہیں اور اگر معطوف علیہ مفرد نہ ہو یعنی مضاف شبہ مضاف ہو اور منصوب ہو تو معطوف میں دو وجہیں جائز ہیں۔ اسی طرح کر کے پانچ وجہیں ہوئیں۔

وذلک لان المعطوف علیہ الخ:

اب شارح لاحول ولاقوۃ الاّ باللّٰہ میں مختلف وجوہات کی وضاحت وتفصیل بتا رہے ہیں۔

وجہ حصر یہ ہے کہ معطوف علیہ یا "لا" کے ساتھ مبنی برفتحہ ہوگا یا منصوب ہوگا یا مرفوع ہوگا۔ اگر مبنی برفتحہ ہو تو ثانی یعنی معطوف (قوۃ) کے اندر تین وجہیں جائز ہیں۔

١......بناء علی الفتح جیسے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ الاّ باللّٰہ علّت بناء یہ ہے کہ یہ اسم لا کے ساتھ مرکب ہونے کی وجہ سے اس طرح ہو گیا جس طرح ایک شئ، تو جس طرح اَحَدَعَشَر، خَمسَۃَ عَشَر باہمی ترکیب کی وجہ سے مبنی ہیں اسی طرح یہ اسم بھی "لا" کے ساتھ مرکب ہونے کی وجہ سے مبنی ہے (اس سے پہلے بھی یہ بات ذکر ہو چکی کہ بعض حضرات نے علّت بناء یہاں ترکیب کو بنایا ہے لیکن بعض دیگر حضرات نے یہاں بناء کی علت یہ بتائی ہے کہ یہ متضمن ہے مِــــنْ استغراقیہ حرفی کے معنی کو چنانچہ لاقوۃ الاّ باللّٰہ، لارجل فی الدار میں لامن قوۃ 'لامن رجل الخ مراد ہے حرف کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے یہ بھی حرف کی طرح مبنی ہو گیا) اور اس صورت میں دوسرا الا اِنّ کی طرح عمل کرے گا۔

٢......معطوف علیہ مبنی برفتحہ ہونے کی صورت میں ثانی یعنی معطوف میں نصب بھی جائز ہے اس صورت میں یہ "لا" کے اسم کے محل قریب پر عطف ہوگا۔

یا یہ لفظ (حول) پر عطف ہوگا اس لئے کہ ذات کے اعتبار سے ان کی حرکت ایک ہے اگر چہ صفت (یعنی اعراب وبناء) کے اعتبار سے مختلف ہے اور حول کی حرکت بھی ذات کے اعتبار سے نصب کے مشابہ ہے۔ لہٰذا (قوۃ) اسی (حول) کے لفظ پر عطف ہوگا نیز اس صورت میں دوسرا الا زائد برائے تاکید نفی ہوگا۔ مثال جیسے: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ۔
اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۰۔ لَا نَسَبَ الیومَ وَلَاخُلَّةً
اتَّسَعَ الخرقُ عَلَی الرَّاقِع

ترجمہ:...... آج کے دن نہ نسب ہے اور نہ دوستی، پھٹن جوڑنے والے پر وسیع ہوگئی۔

تشریح المفردات:

(خُلَّة) بضم الخاء وتشدید اللام بمعنی دوستی، (الخرق) سوراخ، شگاف (راقع) پیوند لگانے والا یقال رقَعَ الثوبَ اس نے کپڑے پر پیوند لگایا (منجد ص ۱۲۳۰) میں محاورات کے ذیل یہ بھی ذکر کیا ہے اتَّسَعَ الخرقُ عَلَی الرَّاقِع۔ پھٹن جوڑنے والے پر وسیع ہوگئی یعنی فساد اتنا بڑھ گیا کہ اصلاح کا موقع جاتا رہا۔

محل استشهاد:

(لاخلّةً) محل استشہاد ہے یہاں معطوف میں نصب آیا ہے تفصیل اس کی گزر گئی۔

۳۔ الثالث:

معطوف علیہ مبنی بر فتح ہونے کی صورت میں معطوف میں رفع بھی جائز ہے۔ جیسے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ اِلَّا بِاللّٰہ۔
اب رفع کے جائز ہونے کی تین وجہیں شارح رحمہ اللہ بتا رہے ہیں:

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ معطوف ہوگا لاَ اور اسم کے محل (بعید) پر، اس لئے کہ لا اور اس کا اسم موضع رفع میں مبتدا ہیں اس صورت میں دوسرا لا زائدہ ہوگا۔

۲...... رفع کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دوسرا لاَ لَیْسَ کی طرح عمل کرے گا اسم کو رفع خبر کو نصب تو قوۃ بایں بناء مرفوع ہوگا۔

۳...... تیسری وجہ یہ ہے کہ خود معطوف (یعنی قوۃٌ) مرفوع بنا بر مبتداء ہوگا اور لا کا اس میں کوئی عمل نہیں ہوگا۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۱ - هٰذا لَعَمرُكُم الصَّغارُ بعينه
لا اُمَّ لِي ان كانَ ذاك ولا ابُ

ترجمہ:...... تمہاری زندگی کی قسم یہ تو سراسر ذلت ہے اور اگر معاملہ اسی طرح رہا تو نہ میری ماں ہے اور نہ باپ (یعنی میں ساقط النسب ہوں)

تشریح المفردات:

(ھا) حرف تنبیہ (ذا) اسم اشارہ مبتدا (الصغار) ذلت، اہانت یہ (ذا) کی خبر ہے۔ (لعمر کم) میں لام ابتداء کا ہے (عمر) بفتح العین زندگی (عمر کم) مبتداء اس کی خبر "قَسَمِیْ" وجوباً محذوف ہے۔

شان ورود:...... اس شعر کے شاعر کا نام بعض حضرات نے ضمرة بتایا ہے اور بعض نے اس کے علاوہ کہا ہے، ہوا یوں کہ شاعر کا ایک بھائی تھا جس کا نام "جندب" تھا اس کے والدین اور دیگر گھر والے شاعر کے بنسبت جندب کو زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اور اس کے ساتھ خاص پیار کرتے تھے جبکہ شاعر کے ساتھ ان کی محبت کم ہوتی تھی لیکن جب باری جنگ کی آتی تو شاعر کو بلاتے اور کھانے پینے کی ہوتی تو پھر اسی جندب کو بلاتے شاعر یہاں اس غیر منصفانہ رویہ کی سخت مخالفت کرتا ہے، اس سے پہلے کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

عجبًا لِتلك قَضِيَّةٌ واِقَامتي
فيكم على تلك القضيَّةِ اَعْجَبُ
فاذا تكونُ كريهة أُدعىٰ لَهَا
واذا يُحاس الحَيسُ يُدعىٰ جُندبُ

محل استشہاد:

معطوف علیہ (یعنی "لا" کا اسم) مبنی برفتحہ ہونے کی صورت میں معطوف (اب) میں رفع آیا ہے اس میں مذکورہ بالا تینوں وجہیں رفع کی پائی جاسکتی ہیں۔

وان نصب المعطوف علیه الخ:

اوراگر معطوف علیہ کو منصوب پڑھا جائے تو معطوف میں مذکورہ بالا تینوں وجہیں جائز ہیں۔

ا:.....مبنی برفتحہ ہونا جیسے: لا غـلامَ رجـل وَلاامـرءـةَ اس صورت میں دوسرے لاَ کے ساتھ ترکیب کی وجہ سے یہ مبنی ہوگا۔(اس کی تفصیل گزرگئی کہ اکثر حضرات کے ہاں یہاں بھی بناء کی علت (مـن)استغراقی حرفی کے معنیٰ کو متضمن ہونا ہے)

۲.....مرفوع ہونا،اس صورت میں لاَ ملغیٰ ہوگا جیسے :لاَغلامَ رجل ولاامرءةٌ ۔

۳.....منصوب پڑھنا اس صورت میں یہ عطف ہوگا پہلے لفظ پر جیسے :لاَغُلامَ رجل ولاامرءةً

وان رفع المعطوف علیه الخ:

اگر معطوف علیہ مرفوع ہو تو معطوف میں دو وجہیں جائز ہیں۔ا:مبنی برفتحہ ہونا جیسے:لارَجُلٌ ولاامرءةَ،لاَغلامٌ رجل ولاامرءةَ۔

اوراسی سے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۱۲-وَلاَ لَـغْـوٌ وَلاَ تَـاْثِـيْـمَ فِيهَـا
وَمَـا فَـاهُـوا بِـهِ ابَـدًا مُـقِـيْـمُ

ترجمہ:.....جنت میں نہ کوئی فضول بات ہوگی اور نہ الزام تراشی ،جنت والے جس چیز کا اظہار کرینگے اس کو موجود پائینگے۔

تشریح المفردات:

(لغو) بےکار بات یا بغیر سوچے زبان سے نکلی ہوئی بات،(تاثیم) کسی پر گناہ کا الزام لگانا مجرد میں سمع سے ہے باب تفعیل کا مصدر ہے،(فاھوا) بمعنی نطقوا بولنا،(مقیم) بمعنی موجود۔

شان ورود:.....امیۃ بن ابی الصلت اس شعر میں جنت کی تعریف کررہے ہیں یہ درحقیقت شارح نے دو مختلف شعروں کو جمع کیا ہے اصل شعر اس طرح ہیں۔

وَلاَ لَغْوٌ ولا تَاثِيمَ فِيهَا
وَلاَحِينٌ فِيهَا وَلاَمُلِيمُ
وفيها لحم ساهرة وبحر
وما فاهُوا به ابدًا مقيم

(حین) ہلاکت (ملیم) ملامت کرنے والے (ساهرة) وجه الارض۔

شاعر یہاں یہ کہنا چاہتا ہے کہ جنت ایسی بے ضرر جگہ ہے جہاں نہ تو کوئی فضول گوئی ہوگی اور نہ ایک دوسرے کی طرف گناہ کی نسبت کی جائے گی اور نہ اس میں ہلاکت ہوگی نہ ملامت کرنے والا، خشکی اور سمندر کا گوشت ملے گا اور جنتی اپنی زبان پر جس چیز کا اظہار کرینگے اس کو اپنے سامنے تیار پائینگے۔ ربّ کریم نے کیا خوب فرمایا" ولكم فيها ماتشتهي انفسكم ولكم فيها ماتدعون"

محلِ استشہاد:

لا مکرر آیا ہے اور معطوف علیہ (لغوٌ) کے مرفوع ہونے کی صورت میں معطوف (تاثیم) مبنی برفتحہ ہے۔

والثانی الخ:

اگر معطوف علیہ مرفوع ہو تو معطوف میں دو وجہیں جائز تھیں ایک بناء علی الفتح جس کا ذکر گزر چکا، دوسری وجہ رفع ہے جیسے: لاَرَجلٌ وَلاَ امرءةٌ، لاَغلاَمُ رجل ولاامرءةٌ

اس صورت میں دوسرا لا لیس کی طرح عامل ہوگا یا زائد ہو کر معطوف ماقبل مرفوع پر عطف ہوگا۔

ولایجوز النصب:

شارح فرماتے ہیں کہ یہاں دوسرے اسم میں نصب جائز نہیں اس لئے کہ لاَحَولَ وَلاقوةَ میں دوسرے میں نصب جائز تھا اس لئے کہ وہاں اس کو لا کے اسم کے محل قریب پر عطف کیا تھا اور یہاں تو لا ناصبہ ہی نہیں۔ اسی لئے مصنف" نے فرمایا" وَانْ رَفعتَ اوّلاً لاتَنصِبَا"

وَمفردًا نعتًا لمبنىّ يَلِى
فافتح، اوانصبنَ اوارفَعْ تعدِلِ

ترجمہ:......اور مفرد صفت اگر مبنی کے ساتھ آجائے تو اس کو آپ فتحہ دیں یا نصب یا رفع (آپ جو بھی کرینگے) آپ عدل (انصاف) سے کام لیجئے۔

(ش) إذا كان اسم ((لا)) مبنيا، ونعت بمفرد يليه—أي لم يفصل بينه وبينه بفاصل—جاز في النعت ثلاثة أوجه:

الأول: البناء على الفتح لتركبه مع اسم ((لا)) نحو: ((لا رجل ظريف))

الثاني: النصب، مراعاةً لمحل اسم ((لا)) نحو: ((لا رجل ظريفا))

الثالث: الرفع، مراعاة لمحل ((لا)) واسمها؛ لأنهما في موضع رفع عند سيبويه كما تقدم، نحو: ((لا رجل ظريف))

ترجمہ وتشریح:

لاَ کے اسم کے ساتھ صفت کا آجانا:

اگر لا نفی جنس کا اسم مبنی ہو اور اس کے ساتھ بالکل متصل نعت (صفت) آجائے تو اس نعت میں تین وجہیں جائز ہیں۔

(۱) بناء علی الفتح جیسے: لاَ رَجُلَ ظَرِیفَ (یہاں ظریف صفت واقع ہے رَجُلَ مبنی برفتحہ کیلئے) لاَ کے اسم کے ساتھ مرکب ہونے کی وجہ سے یہ بھی مبنی برفتحہ ہوگا۔

(۲) نصب بھی جائز ہے اسم لاَ کے محل کی رعایت کرتے ہوئے جیسے: لاَ رَجُلَ ظَرِیفًا یہاں ظریفًا میں نصب آیا ہے اس لئے کہ "لا" کے اسم کیلئے صفت واقع ہے جو کہ محلًا منصوب ہے۔

(۳) رفع بھی جائز ہے جیسے لاَ رَجُلَ ظَرِیفٌ لیکن یہ وجہ صرف سیبویہ رحمہ اللہ کے مسلک پر صحیح ہوگی اس لئے کہ ان کے ہاں لا اپنے اسم سمیت موضع رفع میں ہے لہٰذا اس کی صفت بھی مرفوع ہوگی۔

وَغَيْرَ مَا يَلِي، وَغَيْرَ الْمُفْرَدِ
لاَ تَبْنِ، وَانْصِبْهُ أَوِ الرَّفْعَ اقْصِدْ

ترجمہ:......اور جو صفت (اپنے موصوف کے ساتھ) ملی نہ ہو یا مفرد نہ ہو تو اس کو آپ مبنی نہ کریں اور اس کو نصب دیں یا رفع کا قصد کریں۔

(ش) تقدم فی البیت الذی قبل هذاأنه إذاکان النعت مفردًا،والمنعوت مفردًا،وولیه النعت،جازفی النعت ثلاثة أوجه،وذکرفی هذاالبیت أنه إن لم یل النعت المفردالمنعوت المفرد،بل فصل بینهمابفاصل،لم یجزبناء النعت،فلا تقول((لارجل فیهاظریف)) ببناء ظریف،بل یتعین رفعه نحو:((لا رجل فیهاظریف)) ونصبه،نحو:((لارجل فیهاظریفًا))وانماسقط البناء علی الفتح لأنه إنماجاز–عند عدم الفصل–لترکب النعت مع الاسم، ومع الفصل لایمکن الترکیب،کمالایمکن الترکیب إذاکان المنعوت غیرمفرد، نحو:((لا طالعاجبلا ظریفا))ولا فرق–فی امتناع البناء علی الفتح فی النعت عندالفصل– بین أن یکون المنعوت مفردًا،کمامثل،أوغیرمفردٍ.

واشار بقوله:((وغیرالمفرد))إلی أنه إن کان النعت غیرمفرد– کالمضاف والمشبه بالمضاف– تعین رفعه اونصبه؛فلا یجوزبناؤه علی الفتح،ولافرق فی ذلک بین أن یکون المنعوت مفردًاأوغیر مفرد،ولابین أن یفصل بینه وبین النعت أولا یفصل؛وذلک نحو:((لارجل صاحب برفیها،ولاغلام رجل فیهاصاحب بر))

وحاصل مافی البیتین:أنه إن کان النعت مفردا،والمنعوت مفردًا،ولم یفصل بینهما؛جازفی النعت ثلاثة أوجه،نحو:((لا رجل ظریفَ،وظریفًا،وظریفٌ)) وإن لم یکن کذلک تعین الرفع أوالنصب، ولا یجوزالبناء.

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے یہ بات گزرگئی کہ جب نعت (صفت) مفرد ہواور منعوت موصوف بھی مفرد ہواور یہ ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہوں تو نعت میں تین وجہیں جائز ہیں اوراس شعر میں یہ بتارہے ہیں کہ اگر نعت منعوت (مفرد) ایک دوسرے کے ساتھ متصل نہ ہوں بلکہ ان کے درمیان فاصل آجائے تواس صورت میں نعت کومبنی بنانا جائز نہیں۔لہٰذا لاَ رَجُلَ فیہا ظریفَ پڑھنا صحیح نہیں بلکہ ظریفٌ بالرفع اور ظریفًا بالنصب پڑھاجائے گا۔

(شارح رحمہ اللہ کے نزدیک) یہاں بناء علی الفتح اس لئے صحیح نہیں کہ عدم فاصلہ کی صورت میں بناء علی الفتح کے جواز کی وجہ یہ تھی کہ یہاں نعت اوراسم میں ترکیب آرہی تھی تو ترکیب کی وجہ سے خَمسَةَ عشر کی طرح دونوں مبنی قرار دیئے گئے اورفاصلہ آنے کی صورت میں چونکہ ترکیب ختم ہوئی اس لئے بناء بھی جاتی رہی (بناء کی وجہ ترکیب کو بنانے کا

ذکر شروع میں گزر گیا)

کمالایمکن الخ:

یہاں پر یہ بتا رہے ہیں کہ جس طرح لاَرَجُلَ فیھاظریفاً میں ترکیب ممکن نہیں اسی طرح ترکیب ممکن نہیں جب منعوت غیر مفرد ہو (یعنی مضاف شبہ مضاف ہو) جیسے: لاطالعًا جبلاً ظریفًا.

ولافرق الخ:

فاصلہ کی صورت میں بناء علی الفتح ممنوع ہے چاہے منعوت مفرد ہو یا غیر مفرد۔

واشاربقوله الخ:

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اگر نعت مفرد نہ ہو بلکہ مضاف یا شبہ مضاف ہو تو اس صورت میں رفع یا نصب متعین ہیں اور بناء علی الفتح اس میں بھی جائز نہیں چاہے منعوت مفرد ہو یا نہ ہو فاصلہ ہو یا نہ ہو جیسے: لاَرَجُلَ صَاحِبَ برّ فیھا لاغُلامَ رَجلٍ فیھا صاحبَ برّ۔

والعطفُ أن لم تتكرّر "لا" احكُما

لَهُ بِمَا لِلنّعتِ ذِى الفَصْلِ انتمى

ترجمہ......اگر عطف مکرر نہ ہو تو آپ اس کو وہ حکم دیں جو اس نعت کی ظرف منسوب ہے جس کے درمیان فصل ہو۔

(ش) تقدّم أنه إذاعُطِفَ على اسم "لا" نكرة مفردة، وتكررتْ "لا" يجوز فى المعطوف ثلاثة أوجه: الرفع، والنصب، والبناء على الفتح، نحو: ((لارجل ولاامرأة، ولاامرأةً، ولاامرأةٌ)) وذكر فى هذا البيت أنه إذا لم تتكرر ((لا)) يجوز فى المعطوف ماجازفى النعت المفصول، وقد تقدم فى البيت الذى قبله أنه يجوز فيه: الرفع، والنصب، ولايجوز فيه البناء على الفتح؛ فتقول: ((لارجلَ وامرأةٌ، وامرأةً، ولايجوزالبناء على الفتح، وحكى الأخفش: ((لارجل وامرأة)) بالبناء على الفتح، على تقدير تكرر ((لا)) فكأنه قال: ((لارجل ولاامرأة)) ثم حذفت ((لا))

وكذلك إذا كان المعطوف غير مفرد لايجوز فيه إلاالرفع والنصب، سواء تكررت((لا))

نحو:((لارجل ولاغلام امرأة))أو لم تتكرر، نحو:((لارجل وغلام امرأة.

هذاكله إذاكان المعطوف نكرة؛ فإن كان معرفةلا يجوز فيه إلا الرفع، على كل حالٍ،

نحو:((لارجل ولازيد فيها))،أو((لارجل وزيدفيها))

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے یہ بات گزرگئی کہ اگر لاَ کے اسم پرنکرہ مفردہ معطوف ہواور" لا " مکرر ہوتو معطوف میں تین وجہیں جائز ہیں، رفع، نصب، بناء علی الفتح۔ اب یہاں یہ بتارہے ہیں کہ اگر لا مکرر نہ ہوتو معطوف میں بھی وہی جائز ہے جونعت مفصول میں جائز تھا۔ یعنی رفع اور نصب 'اوربناء علی الفتح جائز نہیں۔ چنانچہ لاَرَجلٌ وامرءَ ة وامرءۃٌ پڑھاجائے گا۔ امام اخفش رحمہ اللہ اس صورت میں بھی بناء علی الفتح کوجائز قرار دیتے ہیں، ان کے ہاں یہاں لا مقدر ہے تقدیر عبارت یوں ہے لاَرَجُلَ وَلاامرءَ ۃَ پھر لا کوحذف کیا گیا۔

اسی طرح حکم اس صورت میں بھی ہے جب معطوف مفرد نہ ہو یعنی مضاف اور شبہ مضاف ہو جیسے: لاَرَجُلَ وَلاغلام امرءة اور" لاَرَجُلَ وغلامَ امرءة" یعنی کہ اس میں "لا" کے مکرر ہونے نہ ہونے کی وجہ سے فرق نہیں آتا بلکہ معطوف غیرمفرد کی صورت میں بھی صرف رفع اورنصب جائز ہے۔

هذاكله الخ :

شارح فرماتے ہیں کہ یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب معطوف نکرہ ہواگر معطوف معرفہ ہوتو اس میں صرف رفع جائز ہے چاہے " لا" مکرر ہو یا نہ ہو۔

وَاعْطِ لاَ مَعَ همزةِ استفهام

مَا تَستَحِقُّ دُونَ الاستفهام

ترجمہ:...... لاَجب ہمزہ استفہام کے ساتھ ہوتو اس کوآپ وہی عمل دیں جس کا یہ بغیر استفہام کے مستحق تھا۔

(ش) إذا دخلت همزة الاستفهام على ((لا)) النافية للجنس بقيت على ما كان لها من العمل، وسائر الأحكام التي سبق ذكرها، فتقول: ((ألا رجل قائم، وألا غلام رجل قائم، وألا طالعاً جبلا ظاهر)) وحكم المعطوف والصفة- بعد دخول همزة الاستفهام - كحكمها قبل دخولها.

هكذا أطلق المصنف- رحمه الله تعالىٰ - هنا، وفي كل ذلك تفصيل وهو: أنه إذا قصد بالا ستفهام التوبيخ، أو الاستفهام عن النفي؛ فالحكم كما ذكر، من أنه يبقى عملها وجميع ما تقدم ذكره من أنه يبقى عملها وجميع ما تقدم ذكره من أحكام العطف، والصفة، وجواز الإلغاء.

فمثال التوبيخ قولك: ((ألا رجوع وقد شبت؟ ومنه قوله:

۱۱۳ - ألا ارعواءَ لِمَنْ وَلَّتْ شَبِيبَتُهُ
وَآذَنَتْ بِمَشِيبٍ بَعْدَهُ هَرَمُ

ومثال الاستفهام عن النفي قولك: ((ألا رجل قائم؟، ومنه قوله:

۱۱۴ - ألا اصْطِبَارَ لِسَلْمَىٰ أَمْ لَهَا جَلَدٌ
إذا أُلاقِي الذي لاقَاهُ أمثَالِي

وإذا قصد بألا التمني: فمذهب المازني أنها تبقى على جميع ما كان لها من الأحكام، وعليه يتمشى اطلاق المصنف، ومذهب سيبويه أنه يبقى لها عملها في الاسم، ولا يجوز إلغاؤها، ولا الوصف أو العطف بالرفع مراعاة للابتداء.

ومن استعمالها للتمني قولهم: ((ألا ماء ماء باردًا)) وقول الشاعر:

۱۱۵ - ألا عُمْرَ وَلَّىٰ مُسْتَطَاعٌ رُجُوعُهُ
فَيَرْأَبَ مَا أَثْأَتْ يَدُ الغَفَلاتِ

ترجمہ وتشریح:

لا پر ہمزہ استفہام کا آ جانا:

اس سے پہلے اس " لا " کی بات چل رہی تھی جو ہمزہ کے استفہام کے بغیر ہو اب یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اس لا پر اگر شروع میں ہمزہ استفہام آ جائے تو اس کی وجہ سے اس کے عمل میں فرق آئے گا یا نہیں اس میں دو مسلک ہیں شارح

فرماتے ہیں کہ مصنف کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمزہ استفہام کے داخل ہو جانے کی وجہ سے اس کے عمل پر کوئی فرق نہیں پڑے گا بلکہ پہلے جیسا عمل تھا ہمزہ استفہام کے داخل ہونے کے بعد بھی وہی عمل ہوگا لیکن بقول شارح اس مسئلہ میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر اس استفہام سے مقصود توبیخ ہو یا استفہام نفی سے ہو تو پھر حکم میں پہلے کی طرح ہے اور اگر مقصود اس استفہام سے تمنی ہو تو اس میں اختلاف ہے مازنی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی عمل وہی ہوگا یعنی لائے نفی جنس کا عمل اور یہی مصنفؒ کے کلام کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے جبکہ سیبویہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ لا صرف اسم میں عمل کرے گا اور لا کو ملغیٰ قرار دینا اس کی صفت یا معطوف پر رفع دینا جائز نہیں ہے۔

توبیخ کی مثال:

" الا رُجُوعَ وَقَدْ شِبْتَ" کیا ابھی تک آپ باز نہیں آئے حالانکہ آپ بوڑھے ہو گئے؟ یہاں استفہام سے مقصود توبیخ ہے اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۳- الا ارعواء لمن ولت شبيبته
وَآذَنَتْ بِمشيبٍ بَعْدَهُ هَرَمُ

ترجمہ:.....کیا گناہ سے باز آنا اب بھی نہیں ہے اس شخص کیلئے جس کی جوانی چلی گئی اور اس جوانی نے خبردار کیا ایسے بڑھاپے پر جس کے بعد قوت ختم ہو جاتی ہے۔

تشریح المفردات:

(ارعواء) اِرْعَوىٰ یَرْعَوِیْ ارعِوَاءً باب افعلال کا مصدر ہے باز رہنا، رک جانا (شبیب) جوانی (مشیب) بڑھاپا (ھرم) قوت کا ختم ہو جانا' جوانی کا چلا جانا۔

محل استشہاد:

(الارعواء) محل استشہاد ہے یہاں لائے نفی جنس پر ہمزہ استفہام داخل ہے چونکہ استفہام سے مقصود توبیخ ہے اس لئے لائے نفی جنس کا عمل اور اس کے متعلق احکام بحال ہیں۔

استفہام عن النفی کی مثال:

اَلاَ رَجُلَ قائمٌ ہے یہاں بھی لا نفی جنس کا عمل برقرار ہے۔اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۴-ألااصطبارَ لسلمیٰ اَمْ لَهَا جَلَدٌ

إذا اُلاقِي الذی لاَ قَاه امثالِي

ترجمہ:......کیا سلمیٰ صبر نہیں کرے گی یا وہ برداشت کرلے گی جب میں ملوں اس چیز کے ساتھ جس کے ساتھ مجھ جیسے لوگ ملے ہیں۔(یعنی جب میری موت آئے گی تو سلمیٰ صبر کرلے گی یا جزع وفزع سے کام لے گی اور موت ایسی حقیقت ہے کہ سب لوگوں کو اس کا ذائقہ چکنا ہے)

تشریح المفردات:

(اصطبار) باب افتعال کا مصدر ہے اصل میں اصتبار تھا قاعدہ کے مطابق باب افتعال کی تاء کو طاء سے تبدیل کیا اس لئے کہ فاء کلمہ کے مقابلہ میں ص ہے (جیسا کہ صرف کی کتابوں میں ذکر ہے)(سلمیٰ) شاعر کی بیوی کا نام ہے۔ (جلد) صبر واستقلال وبرداشت، کرُم کے باب سے ہے۔(أُلاقی) باب مفاعلہ سے واحد متکلم مضارع معروف کا صیغہ ہے۔(لاقاہ) لاقیٰ واحد مذکر غائب ماضی معروف از باب مفاعلہ۔(امثالی) مثل کی جمع ہے بمعنی نظیر ومشابہ۔

محل استشہاد:

(الااصطبار) محل استشہاد ہے یہاں بھی چونکہ لانفی جنس پر ہمزہ استفہام داخل ہے اور مقصود استفہام عن النفی ہے اس لئے لانفی جنس کا عمل برقرار ہے۔(اس کے بعد کی شرح کی وضاحت پہلے گزر گئی ہے)

ومن استعمالها للتمنّی قولهم:

لانفی جنس پر ہمزہ استفہام داخل ہو اور مقصود اس سے تمنّی ہو اس کی مثال ہے اَلاَ مَاءَ مَاءً بارِدًا (کاش کہ ٹھنڈا پانی ہوتا) اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۱۵-ألاَ عُمْرَ وَلّیٰ مُستطَاعٌ رُجُوعُه

فَيَرْأَبَ مَا أَثْأَتْ يَدُ الغَفَلاتِ

ترجمہ:..... کیا جو عمر پھر گئی ہے اس کا لوٹنا ممکن ہے تاکہ وہ اصلاح کرے اس کی جس کو غفلتوں کے ہاتھ نے خراب و برباد کیا ہے۔(یعنی کاش وہ عمر لوٹ آئے)۔

تشریح المفردات:

(عُمر) سے انسان کی عمر ہی مراد ہے (ولّی) تولیۃً باب تفعیل سے پھر جانا، (مستطاع) باب استفعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، استطاعت والا ہونا، کسی چیز کا ممکن ہونا۔ (یراب) ٹھیک کرنا، نقصان کی تلافی کرنا، اصلاح کرنا (اثأت) باب افعال سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے خراب کرنا، فاسد کرنا، (الغفلات) غفلة کی جمع ہے غفلتوں کو کہا جاتا ہے۔

محلّ استشہاد:

"الا عُمرَ" محلّ استشہاد ہے یہاں لائے نفی جنس پر ہمزہ استفہام داخل ہوا ہے اور مقصود اس استفہام سے تمنّی ہے مازنی رحمہ اللہ اور مصنفؒ کے ہاں یہاں بھی لائے نفی جنس اپنا پورا عمل کرے گا عُمر اس کا اسم ہے اور خبر اس کی مقدر ہے ای الاعُمر مَوْجُودٌ جبکہ سیبویہ رحمہ اللہ کے ہاں اس صورت میں (یعنی جب استفہام سے مراد تمنّی ہو) لا صرف اسم میں عمل کرے گا اور خبر کی ضرورت نہیں ہوگی اس لئے کہ اسم اس کے لئے بمنزلہ مفعول کے ہو جائے گا اور کلام تامّ ہو جائے گا۔ مثلاً: الاعُمر، الامَاءَ سے مراد اَتَمَنّٰی عمرًا، اَتَمَنّٰی ماءً ہے یہاں نہ اس کی لفظاً خبر ہے اور نہ تقدیرًا۔

وشَاعَ فِي ذَاالبَابِ اسْقَاطُ الخَبَرِ
إذاالمُرَادُ مَعَ سُقُوطِهِ ظَهَرِ

ترجمہ:..... اور اس (لائے نفی جنس کے) باب میں خبر کا ساقط کرنا شائع ہے جب اس کے ساقط ہونے کے ساتھ مراد ظاہر ہو۔

(ش) إذادل دليل على خبر (لا) النافية للجنس وجب حذفه عندالتميميين والطائين، وكثر حذفه عند الحجازيين، ومثاله أن يقال: هل من رجل قائم؟ فتقول: ((لا رجل)) وتحذف الخبر — وهو قائم — وجوبًا عندالتميميين والطائيين، وجوازًا عندالحجازيين، ولافرق في ذلك بين أن يكون الخبر غير ظرف ولاجار ومجرور، كمامثل، أوظرفًا أوجارًّا ومجرورًا، نحو أن يقال: هل عندك رجل؟ أوهل في الدار رجل؟ فتقول: ((لا رجل))

فإن لم يدل على الخبر دليل لم يجز حذفه عند الجميع، نحو قوله ﷺ ((لا أحد أغير من الله))

وقول الشاعر:

١١٦ — وَلاكَرِيمَ مِنَ الْوِلْدَانِ مَصْبُوحُ

وإلى هذا أشار المصنف بقوله: ((إذا المرادُ مَعْ سقوطه ظهر)) واحترز بهذا مما لا يظهر المراد مع سقوطه فإنه لا يجوز حينئذ الحذف كما تقدم.

ترجمہ وتشریح:

لائفی جنس کی خبر کو حذف کرنا:

جب لائفی جنس کی خبر پر کوئی دلیل موجود ہو تو تمیمیین کے ہاں اس کا حذف واجب ہے اور حجازیین کے ہاں اس کا حذف کثیر ہے جیسا کہ کہا جائے هَلْ مِنْ رَجُلٍ قائم چونکہ سوال میں قائم کا ذکر ہے اس لئے تمیمیین کے ہاں جواب میں اس کو حذف کیا جائے گا۔ چنانچہ لَا رَجُلَ کہا جائے گا اور حجازیین کے ہاں اس کا حذف جوازی ہے۔

ولا فرق الخ:

تفصیل مذکور میں حذف کیلئے خبر کا غیر ظرف اور غیر جار مجرور ہونا ضروری نہیں یعنی اگر خبر ظرف یا جار مجرور ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں اس کو حذف کیا جا سکتا ہے۔

فان لم يَدُلّ الخ:

لیکن اگر خبر پر کوئی دلیل دلالت نہ کرے تو اس کا حذف سب کے ہاں صحیح نہیں جیسے جناب نبی اکرم ﷺ کا قول ہے: لَا أَحَدَ أغيرُ من الله (کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا ہو) اب یہاں لَا أَحَدَ من الله کہا جائے تو صحیح نہیں کیونکہ اس کی خبر اغیر پر کوئی دلیل نہیں۔

خبر کے حذف پر دلیل نہ ہونے کی ایک اور مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

١١٦ — وَلاكَرِيمَ مِنَ الْوِلْدَانِ مَصْبُوحُ

ترجمہ:...... (جب دودھ دینے والی اونٹنیوں سے ان کی دودھ روکنے کی تھیلیاں پھینک دی جاتی ہیں) اور کوئی بچہ شرفاء میں سے نہیں ہوتا جس کو صبح کے وقت دودھ پلایا جاتا ہو (ایسے وقت میں ہم اپنے مہمانوں کیلئے اونٹنیوں کو ذبح کرتے ہیں)

تشریح المفردات: (مکمل شعر اس طرح ہے)

اذا اللقاحُ غدتْ مُلقی اصِرّتُها

وَلا کَریمَ مِنَ الوِلدان مصبُوح

اس شعر میں (لقاح) لَقُوح کی جمع ہے دودھ دینے والی اونٹنیوں کو کہا جاتا ہے۔(اصرّۃ) صرار کی جمع ہے اس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے تھن کے سر کو باندھا جاتا ہے تا کہ اس کا بچہ دودھ نہ پی سکے، اور اس دھاگے اور تھیلی کو اس وقت کھولا جاتا ہے جب دودھ نہ ہو اور یہ قحط سالی کا زمانہ ہوتا ہے شاعر نے اسی کو یہاں مراد لیا ہے۔(مصبوح) جس کو صبح کے وقت دودھ پلایا جاتا ہو۔ شاعر کا مقصد یہ ہے کہ ایسے اوقات میں بھی ہم مہمانوں کا خیال کرتے ہیں اور ان کیلئے اونٹنیاں ذبح کرتے ہیں جن میں قحط سالی ہوتی ہے اور مالدار اور بڑے لوگوں کی اولاد کو بھی اس وقت آسانی فراہم نہیں ہوتی۔

شان ورود:...... زمخشری نے مفصل میں اس شعر کی نسبت مشہور سخی حاتم طائی کی طرف کی ہے اور جرمی نے ابو ذؤیب الھذلی کی طرف کی ہے لیکن صحیح قول کے مطابق یہ قبیلہ بنو النبیت کے شاعر کا شعر ہے ہوا یوں کہ شاعر اور حاتم طائی اور نابغہ تینوں ماویہ نامی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دینے اس کے پاس جمع ہو گئے گفت وشنید کے بعد اس عورت نے حاتم کو ترجیح دی اس پر شاعر نے چند اشعار کہے جن میں ایک یہ بھی ہے جس کا ذکر ہو گیا۔

محل استشہاد:

لا نفی جنس کی خبر کو حذف کرنا منع ہے جب کوئی قرینہ نہ ہو اس لئے یہاں بھی لا کی خبر مصبوح کو ذکر کیا اگر ذکر نہ کرتے تو احتمال ہوتا کہ یہاں موجودٌ حذف ہے ای لا کریمَ من الولدان مَوْجُوْدٌ اس لئے کہ قرینہ نہ ہونے کی صورت کون عام حذف ہوتا ہے جو کہ موجودٌ ہے اور یہ حذف شاعر کے مقصود کیخلاف ہے اس لئے کہ شاعر یہ نہیں کہنا چاہتا کہ شرفاء کی اولاد موجود نہ تھی بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ شرفاء کی اولاد میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کو صبح کے وقت دودھ پلایا جاتا۔

والیٰ هذاالخ:

اوراسی کی طرف مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے اس قول "إذالمرادمَعَ سُقوطه ظَهَر" کے ساتھ اشارہ کیا ہے یہ کہکر احتراز کیا اس جگہ سے جہاں حذف کی صورت میں مراد ظاہر نہ ہوتو وہاں حذف صحیح نہیں۔

ظَنَّ وَأَخَوَاتُهَا

انصِبْ بفعلِ القلبِ جُزْأي ابتِدا
أعني :رأى ،خَالَ ، عَلِمْتُ ،وَجَدَا
ظَنّ،حَسِبْتُ، وزعمتُ،مع عَد
حَجَا،دَرَى،وَجَعَل اللَّذ كاعتَقَد
وَهَبْ،تَعَلَّم، والّتِي كَصَيّرَا
ايضًا بِهَاانصِبْ مُبتدًا وَخَبَرا

ترجمہ:......فعل قلب کے ذریعے آپ ابتداء کے دونوں جزء (مبتداء خبر) کونصب دیدیں میری مراد ہے رأی، خالَ، علِمتُ، وَجَدَ ، ظنَّ ، حَسِبْتُ ،زعمتُ، عدْ، حَجَا، دَرٰی، اوروہ جَعَل جو اعْتَقَدَ کی طرح ہے اور هَبْ، تَعَلَّم ،اوروہ افعال جو صَیَّرَ کی طرح ہیں ان کے ذریعہ بھی آپ نصب دیدیں مبتدا اور خبر کو۔(متن میں عَد دال کی تخفیف کے ساتھ بغیر تشدید کے آیا ہے جو کہ ضرورۃً ہے ورنہ تو مشدد ہونا چاہئے تھا، نیز اللذ بسکون الذال ہے اور یہ الّذی کے اندر ایک لغت ہے اور هَبْ ظن کے معنی میں امر ہے هبة سے ماخوذ نہیں ہے)

(ش)هذاهوالقسم الثالث من الأفعال الناسخةللابتداء،وهوظنّ وأخواتهاوتنقسم إلى قسمين: أحدهما:أفعال القلوب،والثاني:أفعال التحويل فأماأفعال القلوب فتنقسم إلى قسمين: أحدهما:مايدل على اليقين وذكرالمصنف منهاخمسة:رأى،وعلم، ووجد، ودرى، وتعلّم،والثاني منهما:مايدل على الرجحان،وذكرالمصنف منهاثمانية:خَالَ،وظنّ، وحسب، وزعم، وعد، وحجا، وجعل،وهب.فمثال رأى قول الشاعر:

١١٧-رَأَيْتُ اللهَ أَكْبَرَ كُلِّ شَيْءٍ
مُحَاوَلَةً، وَأَكْثَرَهُمْ جُنُودَا

فاستعمل ((رأى)) فيه لليقين، وقد تستعمل ((رأى)) بمعنى ((ظنّ))، كقوله تعالىٰ : ﴿إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا﴾ أى: يظنّونه.

ومثال ((علم)): عَلِمْتُ زَيْدًا أَخَاكَ)) وقول الشاعر:

١١٨-عَلِمْتُكَ البَاذِلَ المَعْرُوفِ فَانْبَعَثَتْ
إِلَيْكَ بِي وَاجِفَاتُ الشَّوْقِ وَالأَمَلِ

ومثال ((وَجَدَ)) قوله تعالىٰ: ﴿وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ﴾

ومثال ((دَرى)) قوله:

١١٩-دُرِيتَ الوَفِيَّ العَهْدَ يَا عُرْوَ فَاغْتَبِطْ
فَإِنَّ اغْتِبَاطًا بِالوَفَاءِ حَمِيدُ

ومثال((تعلم)) وهى التى بمعنى اعلم -قوله:

١٢٠-تَعَلَّمْ شِفَاءَ النَّفْسِ قَهْرَ عَدُوِّهَا
فَبَالِغْ بِلُطْفٍ فِي التَّحَيُّلِ وَالمَكْرِ

وهذه مثل الأفعال الدالة على اليقين.

ومثال الدالة على الرجحان قولك: ((خلت زيدًا أخاك)) وقد تستعمل ((خال)) لليقين، كقوله:

١٢١-دَعَانِي الغَوَانِي عَمَّهُنَّ، وخِلْتُنِي
لِيَ اسْمٌ فَلاَ أُدْعَى بِهِ وَهُوَ أَوَّلُ

و((ظننت زيدا صاحبك))، وقد تستعمل لليقين كقوله تعالىٰ: ﴿وظنوا أن لا ملجا من الله إلا إليه﴾ و((حسبت زيدا صاحبك)) وقد تستعمل لليقين، كقوله:

١٢٢-حَسِبْتُ التُّقٰى وَالْجُودَ خَيْرَ تِجارَة
رَبَاحًا، إذَامَا الْمَرْءُ أصْبَحَ ثَاقِلاَ

ومثال ((زعم)) قوله:

١٢٣-فَإنْ تَزْعُمِيْنِي كُنْتُ أجْهَلُ فِيكُمْ
فَإنّي شَرَيْتُ الْحِلْمَ بَعْدَكِ بِالْجَهْلِ

ومثال ((عَدَّ)) قوله:

١٢٤-فَلاَ تَعْدُدِ الْمَولَى شَرِيكَكَ فِي الْغِنَى
وَلٰكِنَّمَا الْمَوْلَى شَرِيكُكَ فِي الْعُدْمِ

ومثال ((حجا)) قوله:

١٢٥-قَدْ كُنْتُ أحْجُو أبَا عَمْرٍو أخَا ثِقَةٍ
حَتّٰى ألَمَّتْ بِنَا يَوْمًا مُلِمَّاتُ

ومثال ((جعل)) قوله تعالىٰ: ﴿وجعلوا الملائكة الذين هم عباد الرحمن إناثًا﴾

وقيد المصنف ((جعل)) بكونها بمعنى اعتقد احترازًا من ((جعل)) التي بمعنى ((صيّر)) فإنها من أفعال التحويل، لا من أفعال القلوب .

ومثال ((هب)) قوله:

١٢٦-فقلت : أجِرْنِي أبا مالك،
وإلا فَهَبْنِي امرأ هَالِكًا

ونبه المصنف بقوله: ((أعني رأى)) على أن أفعال القلوب منها ماينصب مفعولين وهو ((رأى)) ومابعده مماذكره المصنف في هذا الباب، ومنها ماليس كذلك، وهو قسمان: لازم، نحو: ((جَبُن زيد)) ومتعدإلى واحد، نحو: ((كرهت زيدا))

هذا مايتعلق بالقسم الأول من أفعال هذا الباب، وهو أفعال القلوب وأما أفعال التحويل -وهي المرادة بقوله: ((والتي كصيرا-إلى آخره)) فتتعدى أيضًا إلى مفعولين أصلهما

المبتدأ والخبر، وعدها بعضهم سبعة: ((صيّر)) نحو: ((صيّرت الطين خزفا)) و((جعل)) نحو قوله تعالىٰ: ﴿وقدمنا إلى ما عملوا من عمل فجعلناه هباء منثورًا﴾ و((وهب)) كقولهم: ((وهبني الله فداك)) أي صيّرني، و((تَخِذ)) كقوله تعالىٰ: ﴿لَتَخِذْتَ عليه أجرًا﴾ و((اتّخذ)) كقوله تعالىٰ: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾، و((تَرَكَ)) كقوله تعالىٰ: ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ﴾ وقول الشاعر:

١٢٧ – وَرَبَّيْتُهُ حَتّٰى إِذَامَا تَرَكْتُهُ
أَخَا الْقَوْمِ وَاسْتَغْنَى عَنِ الْمَسْحِ شَارِبُه

و((رَدَّ)) كقوله:

١٢٨ – رَمَى الحِدْثَانُ نِسْوَةَ آلِ حَرْبٍ
بِمِقْدَارٍ سَمَدْنَ لَهُ سُمُودا
فَرَدَّ شُعُورَهُنَّ السُّودَ بِيضًا
وَرَدَّ وُجُوهَهُنَّ البِيضَ سُودا.

ترجمہ وتشریح:

ظَنَّ واخواتُها اور اس کی قسمیں:

ظَنَّ واخواتُها کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) افعالِ قلوب (۲) افعالِ تحویل۔
پھر افعالِ قلوب کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو یقین پر دلالت کرتے ہیں اور دوسری وہ جو رجحان پر دلالت کرتے ہیں پہلی قسم میں سے مصنفؒ نے پانچ کو ذکر کیا ہے اور دوسری میں سے آٹھ کو۔ اب ہر ایک کی مثال پیش کی جاتی ہے۔
رأی کی مثال شاعر کا یہ قول ہے:

رأيتُ اللّٰهَ اكبرَ كلّ شيءٍ
مُحَاوَلَةً وَأَكْثَرَهُم جُنُودًا

ترجمہ:...... میں نے یقین کیا اللہ تعالیٰ پر کہ وہ ہر چیز سے بڑے ہیں قوت وقدرت کے اعتبار سے اور تمام لوگوں سے لشکر کے اعتبار سے زیادہ ہیں۔

تشریح المفردات:

(مُحَاولة) باب مفاعلہ کا مصدر ہے قوت وقدرت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔(جنود) لشکر (جُند) کی جمع ہے قرآن کریم میں ہے:وَمَا یَعْلَمُ جنود رَبّکَ الاّ هُو اس کی جمع اجناد بھی آتی ہے۔

محلِ استشہاد:

(رایتُ) محلِ استشہاد ہے یہاں رای فعل قلب استعمال ہوا ہے یقین کے معنیٰ میں ہے دو مفعولوں کو اس نے نصب دیا ہے ایک لفظ اللہ ہے اور ایک اکبر۔

وقدتستعمل الخ:

شارح فرماتے ہیں کہ کبھی رای ظنّ کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا قول ہے۔انّهم یَرَوْنه بعیدًا ای یُظنّونه بعیدًا (یہ لوگ قیامت کے دن کو قریب سمجھتے ہیں)

ومثال علم الخ:

فعل قلب کی ایک مثال عَلِمَ بھی ہے جیسے:عَلِمْتُ زیدًا أخاک اور شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۱۸—علمتُکَ الباذِلَ المعروف فانبَعَثَتْ
الیکَ وَاجِفَاتُ الشوقِ وَالأمَلِ

ترجمہ:...... میں نے یقین کیا آپ پر کہ آپ مال خرچ کرنے والے ہیں پس شوق اور امید کے اسباب مجھے آپ کی طرف اٹھا کر لائے۔

تشریح المفردات:

(الباذل) نصر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے خرچ کرنے والا (المعروف) ترکیب کے اعتبار سے یہ منصوب بھی پڑھا جا سکتا ہے اور مجرور بھی، منصوب کی صورت میں یہ (باذل) اسم فاعل شبہ فعل کیلئے مفعول ہے اور مجرور کی صورت

میں یہ (باذل) کیلئے مضاف الیہ ہوگا۔(انبعثٹ) باب انفعال سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اٹھانے کے معنی میں ہے۔(واجفات) واجفۃ کی جمع ہے ضرب سے تیز چلنے اور دوڑنے کے معنیٰ میں ہے یہاں مراد اسباب اور دواعی ہیں،(واجفات الشوق والامل) میں مشبہ بہ کی اضافت مشبہ کی طرف ہے شوق اور امل کو تیز گھوڑوں سے تشبیہ دی ہے کہ یہ دونوں تیز گھوڑوں کی طرح انسان کو دور تک لے جاتے ہیں۔

محلِ استشہاد:

"عَلِمتُ کالباذل المعروف" محل استشہاد ہے یہاں علمتُ فعل قلب یقین کے معنیٰ میں ہے اور دلیل یقین پر یہ ہے کہ یہاں شاعر کا مقصد مخاطب کی تعریف اور اس کی سخاوت کو بیان کرنا ہے اور یہ یقین ہی کی صورت میں ہوسکتا ہے، یہاں عَلِمتُ نے دو مفعولوں کو نصب دیا ہے ایک کاف ضمیر دوسرا الباذل۔

ومثال وجَدَالخ

وَجَدَ کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "وَاِنْ وَجَدْنَا اکثَرَهُم لَفَاسقین" یہاں وَجَدَ بمعنیٰ یقین ہے اس نے بھی دو مفعولوں کو نصب دیا ہے۔

دَرٰی کی مثال شاعر کا یہ قول ہے:

دُرِيتَ الوَفِيَّ العَهْدَ يَاعُرْوَ فَاغْتَبِطْ

فَإنَّ اغتباطًا بالوفاءِ حَمِيدُ

ترجمہ:......اے عروہ یقین کیا گیا آپ پر کہ آپ وعدے کو پورا کرنے والے ہیں۔پس لوگوں کو آپ پر رشک کرنا چاہیئے اس لئے کہ وعدہ پورا کرنے پر رشک کرنا اچھی چیز ہے۔

تشریح المفردات:

(دُرِيتَ) آپ پر یقین کیا گیا(الوَفِيّ) صفت مشبہ کا صیغہ ہے بمعنیٰ وفادار۔وعدہ کو پورا کرنے والا۔اس کی جمع اوفیاء آتی ہے از ضرب 'العَهْدَ' کو مرفوع بنابر فاعلیت اور مجرور بنابر اضافت اور منصوب بنابر تشبیہ بالمفعول بھی پڑھ سکتے ہیں۔(عُرْوَ) یہ منادیٰ مرخم ہے بحذف التاء اصل میں یاعُرْوَۃُ تھا۔(اغْتَبِطْ) امر کا صیغہ ہے۔ یہاں اگرچہ بظاہر یہ معنیٰ ہے کہ تم رشک کرو لیکن مراد لِيَغْتَبِطْ عليكَ غيرُكَ ہے کہ غیر کو چاہیئے کہ آپ پر غبطہ

کرے۔

واضح رہے کہ غبطہ میں غیر کی نعمت کے حصول کی تمنا ہوتی ہے اس غیر سے زوال کی تمنا نہیں اور حسد میں غیر سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنا ہوتی ہے۔ چاہے خود اس تمنا کرنے والے کو حاصل ہو یا نہ ہو اس لئے حسد شریعت میں جائز ہے اور غبطہ نا جائز نہیں ایک حدیث شریف میں **لا حَسَدَ الاّ فی اثنین الخ** آیا ہے لیکن وہاں غبطہ مراد ہے۔

محل استشہاد:

(دریت الوفی العهد) محل استشہاد ہے **(دریت)** فعل قلب یقین کے معنی مستعمل ہے پہلا مفعول تا ضمیر ارز نائب فاعل ہے **(الوفی العهد)** مفعول ثانی۔

ومثال تعلّم:

یقین پر دلالت کرنے والے افعال قلوب میں سے ایک **تَعَلَّم** بھی ہے واضح رہے کہ اس سے مراد وہ **تعلّم** ہے جو اِعْلَمْ کے معنیٰ میں ہے اور وہ مراد نہیں جو **تعلّم النحو، تَعَلَّمَ الفقه** میں ذکر ہے اور ان دونوں کے درمیان تین فرق ہیں۔

(۱) پہلا یہ کہ **تعلّم النحو** کی مراد مستقبل میں علم حاصل کرنے کا حکم ہے اور وہ اسباب علم کے حصول کے ساتھ ہے اور مثلاً **تعلّم انّکَ ناجح** میں زیر بحث **تَعَلّم** میں فی الحال مابعد کی بات کو جاننا ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ ظنّ کے اخوات میں جو **تَعَلَّمْ** آیا ہے یہ دو مفعولوں کی طرف متعدّی ہوتا ہے اور دوسرا والا **تَعَلّمَ** ایک مفعول کی طرف۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ جو **تَعَلَّمَ** اخوات ظنَّ میں سے ہے وہ جامد اور غیر متصرف ہے یعنی اس میں گردانیں نہیں ہوتی اور دوسرا **تَعَلَّم** متصرف ہے تصرف تامّ کے ساتھ یعنی ماضی سے آخر تک اس میں گردانیں ہوتی ہیں۔

الغرض **تَعَلّم** کی مثال (جو اعلَمْ کے معنی میں ہے) شاعر کا یہ قول ہے:

۱۲۰ - تَعَلَّم شِفَاءَ النفسِ قَهْرَ عَدُوهَا
فَبَالِغ بلطفٍ فی التَّحیُّلِ والمکرِ

ترجمہ:.....آپ یقین کریں کہ نفس کی شفاء (علاج) اس کے دشمن پر غالب آنے
میں ہے پس آپ نرمی سے بھرپور کوشش کریں حیلہ اور خفیہ تدبیر کرنے میں۔

تشریح المفردات:

(قھر) فتح سے مصدر ہے غالب آنا۔ (لطف) نصر کا مصدر ہے نرمی کرنا اور کرُم سے بمعنی باریک ہونا۔ (التحیل) حیلہ کر کے کسی چیز کو حاصل کرنا (مکر) دھوکا، چال، جب مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے معروف مکر مراد نہیں ہوتا بلکہ خفیہ تدبیر مراد ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰہ۔

محل استشہاد:

"تعلّم شفاء النفس قھر عدوھا" محلِ استشہاد ہے۔ یہاں تَعَلَّم اعلَم کے معنی میں ہے یقین کا معنی دیتا ہے دو مفعولوں کو اس نے نصب دیا ہے ایک شفاء النفس ہے دوسرا قھر عدوّھا ہے۔

یہ وہ افعال تھے جو یقین پر دلالت کرتے ہیں اور جو رجحان (کسی ایک طرف ترجیح دینے) پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے ایک خَالَ ہے جیسے: خِلْتُ زیدًا اَخاکَ کبھی "خَالَ" یقین کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے: شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۱ — دَعَانِی الغَوَانِی عَمَّهُنَّ، وَخِلتُنِی
لِی اسمٌ فَلا اُدعیٰ بِهِ وَهُوَ اوّلٌ

ترجمہ:.....زیب و زینت سے بے نیاز خوبصورت لڑکیوں نے مجھے چچا کہکر پکارا حالانکہ
مجھے یقین ہے کہ میرا اپنا ایک اصلی نام ہے پس مجھے اس نام سے نہیں پکارا جاتا ہے
حالانکہ وہ میرا پہلا نام ہے۔

تشریح المفردات:

(الغوانی) غانیة کی جمع ہے اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے جمال و خوب صورتی کی وجہ سے زینت کرنے سے مستغنی (بے نیاز) ہو۔ (عمَّ) چچا (لی اسمٌ) میں (لی) خبر مقدم اور (اسم) مبتدا مؤخر ہے۔ فلا اُدعیٰ بہ اصل میں علی تقدیر الانکار ہے ای افلا اُدعیٰ بہ' کیوں مجھے اس نام سے نہیں پکارا جاتا ہے۔

محل استشہاد:

(خِلتُنی لی اسمٌ) محل استشہاد ہے یہاں (خلتُ) یقین کے معنی میں استعمال ہوا ظن یا تردّد مراد نہیں اس لئے کہ ہرایک آدمی کو اپنے نام کے بارے میں یقینی معلوم ہوتا ہے "ی" ضمیر متکلم اس کیلئے مفعول اوّل اور (لی اسمٌ) جملہ اسمیہ ہو کر مفعول ثانی۔

(ظَنَنتُ) رجحان پر دلالت کرنے والے افعال میں سے ایک (ظننتُ) بھی ہے جیسے: ظننتُ زیدًا صاحبَک، کبھی یقین کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول: وظَنُّوا أن لا ملجأ مِنَ اللّٰہ إلاّ إلیہ (انہوں نے یقین کیا کہ اللہ کے عذاب سے کوئی پناہ گاہ نہیں مگر اسی کی طرف)) یہاں یقین کا معنی مراد ہے۔

رجحان پر دلالت کرنے والے افعال میں سے حَسِبتُ بھی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "حَسِبتُ زیدًا صاحِبَک" اور کبھی حَسِبتُ بھی یقین کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۲- حَسِبتُ التُّقٰی وَالجُودَ خیرَ تجارۃٍ
رَبَاحًا، إذا مَا المرءُ اصبَحَ ثَاقِلاً

ترجمہ:...... میں نے یقین کیا تقویٰ اور سخاوت پر کہ وہ نفع کے اعتبار سے بہترین تجارت ہے۔ اس وقت جب آدمی ثقیل ہو جاتا ہے (یعنی جب آدمی کی موت آجاتی ہے تو اس کا بدن بھاری ہو جاتا ہے اور جب تک اس میں روح ہوتی ہے اس کا بدن ہلکا پھلکا رہتا ہے)

تشریح المفردات:

(التقیٰ) تُقاۃ کی جمع ہے پرہیزگاری اور خوف خدا، تقویٰ سے ماخوذ ہے والتقویٰ حفظ النفس من العذاب بامتثال الاوامر واجتناب النواھی. (جود) سخاوت از نصر (رباح) بروزن سلام سمع کا مصدر ہے نفع والا ہونا، (ثاقلا) بھاری از نصر' مراد یہاں میت ہے کہ وہ بھاری ہوتا ہے۔ یہ شعر مشہور شاعر حضرت لبید رضی اللہ عنہ کا ہے جو آپ ﷺ کی خدمت میں آکر مشرف باسلام ہوئے آپ کے اشعار السبع المعلقات کا حصہ بنے ہیں۔

محلّ استشہاد:

"حَسِبْتُ التقیٰ والجودَ خیر تجارۃ" محلّ استشہاد ہے یہاں شاعر نے حسبْتُ کو علمتُ کے معنی میں استعمال کیا ہے اور اس نے دومفعولوں کو نصب دیا ہے۔ ایک (التقی والجود) ہے اور دوسرا (خیر تجارۃ) ہے۔

اور زَعَمَ کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۳- فَاِنْ تَزْعُمِینی کنتُ اَجْهَلُ فیکُمْ
فَانّی شَرَیتُ الحِلمَ بَعْدَکِ بالجَهلِ

ترجمہ:...... اگر آپ میرے اوپر گمان کرتی ہو کہ میں تمہارے اندر رہ کر جہالت کرتا تھا تو اب (وہ حالت میں نے تبدیل کی اور جہالت کو چھوڑا) میں نے جھل کے بدلے بردباری کو خریدا ہے آپ سے جدا ہونے کے بعد۔

تشریح المفردات:

(تزعمی) واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے آخر سے نون اعرابی گرادیا اس لئے کہ شروع میں إن شرطیہ آیا ہے۔ نصر سے ہے بمعنی گمان کرنا۔ (اجهل) یہ مضارع معروف واحد متکلم کا صیغہ ہے از سمع ، اسم تفضیل کا صیغہ نہیں۔ (جهل) ناسمجھی بے وقوفی ، یہاں بر باری کے مقابل مراد ہے یعنی ہلکا پن (حلم) بردباری۔

محلّ استشہاد:

(تزعمینی کنتُ اجْهَلُ فیکُم) محلّ استشہاد ہے۔ یہاں (زعم) رجحان کے معنی میں مستعمل ہے اور دومفعولوں کو اس نے نصب دیا ہے ایک یاءِ متکلم اور دوسرا (کان) اپنے معمولین سمیت۔

ومثالُ عَدَّ:

عَدَّ کی مثال شاعر کا یہ قول ہے:

۱۲۴-فَلا تَعْدُدِ المولیٰ شریکک فی الغِنٰی
وَلٰکِنَّمَا المولیٰ شریکک فِی العُدم

ترجمہ:......آپ گمان کریں کہ جو آپ کے ساتھ مالداری میں ساتھ ہے وہ آپ کا ساتھی ہے لیکن حقیقت میں آپ کا دوست وہ ہے جو حالت فقر میں آپ کے ساتھ ہو۔

تشریح المفردات:

(المولی) اس کے مختلف معانی آتے ہیں (لک العزّ ان مولاک عزّ) والے شعر میں اس کی تفصیل گزری ہے۔ یہاں اس سے مراد مدد کرنے والا۔ یا خالص دوست ہے (الغنی) مالداری، (العدم) سمع کا مصدر ہے فقر وغربت۔ یہ شعر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا ہے آپ کے والد بھی صحابی رسول تھے۔

محلِ استشہاد:

(لا تعدُدِ المولیٰ شریکک) محلِ استشہاد ہے۔ یہاں (لاتعدد) فعل قلب بمعنی ظن ورجحان استعمال ہوا ہے دو مفعولوں کو اس نے نصب دیا ہے ایک (مولیٰ) اور دوسرا (شریک) ہے۔

ومثال حجا الخ:

حَجَا کی مثال شاعر کا یہ قول ہے:

۱۲۵-قَدْ کُنْتُ احجُوابَا عمرٍ اَخَا ثِقَةٍ
حَتّٰی اَلَمَّتْ بِنَا یَوْمًا مُلِمَّاتٌ

ترجمہ:......میں گمان کرتا تھا ابو عمر پر کہ وہ با اعتماد بھائی ہے یہاں تک کہ ایک دن ہمارے اوپر نازل ہونے والی مصیبتیں آئیں۔ (اور اس نے میرا ساتھ نہ دیا تب پتہ چلا کہ وہ میرے گمان کے مطابق نہیں)

تشریح المفردات:

(احجو) متکلم واحد کا صیغہ ہے گمان کرنے کے معنی میں ہے أخ بھائی، دوست' ثقة 'عدةٌ کے وزن پر باب

حَسِبَ سے ہے اعتماد کو کہا جاتا ہے۔(المّتْ) باب انعال سے واحد مؤنث غائب بمعنیٰ نازل ہونا۔(ملمّات) نازل ہونے والی آفت، مصیبت، مُلِمّةٌ کی جمع ہے۔

محلّ استشہاد:

(اَحجُوابَاعمراخا ثقةً) محلّ استشہاد ہے۔یہاں (اَحجُو) فعل قلب بمعنی ظن ورجحان کے ہے (اباعمر) مفعول اوّل (اخا ثِقة) موصوف صفت مفعول ثانی:

ومثال جعَلَ الخ:

"جَعلَ" کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

"وجعلوا الملائكة الّذين هم عبادُ الرحمن اِنَاثًا"

وَقيَّدَالخ:

مصنفؒ نے "جَعَل اللہ کا عتقد" کہکر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ افعال قلوب سے تعلّق رکھنے والا "جَعَلَ" وہ ہے جو اعتقاد کے معنی میں ہو۔اس سے احتراز کیا اس "جَعَلَ" سے جو صَیَّرَ کے معنی میں ہو اس لئے کہ وہ افعال تحویل میں سے ہے نہ کہ افعال قلوب میں سے۔

ومثالُ هَبْ الخ:

هَبْ کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۶ - فَقُلْتُ أَجِرْنِيْ أَبَامَالِكٍ
وَاِلَّا فَهَبْنِيْ امرأً هَالِكًا

ترجمہ:......پس میں نے کہا کہ آپ مجھے پناہ دیں اے ابو مالک ورنہ آپ مجھے ہلاک ہونے والا آدمی سمجھیں۔

تشریح المفردات:

(أَجِرْ) باب انعال سے امر واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔حروف اصلیہ ج،و،ر ہیں "اَجَارَیُجِيرُاجارَةً"

پناہ دینے کے معنیٰ میں ہے۔(ھب) فعل قلب ہے امر کا صیغہ ہے اس سے ماضی اور مضارع کا صیغہ نہیں آتا جبکہ وَھَبَ
ھَبْ سے امر کا صیغہ بھی۔(ھب) آتا ہے لیکن اس صورت میں یہ فعل قلب نہیں۔

محل استشہاد:

(هَبْنِی امرءً هَالِگا) محل استشہاد ہے۔(هَبْ) فعل قلب بمعنی ظنّ ہے (ی) مفعول اوّل (امرءً
ھالگا) موصوف صفت مفعول ثانی۔

ونبّه المصنف بقوله "اعنی رأی" الخ:

مصنف علیہ الرحمۃ نے انصب بفعل القلب جُزأیْ ابتدا اعنی رأی الخ: کہکر اس بات پر تنبیہ کی کہ
افعال قلوب میں سے بعض ایسے ہیں جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں۔ جیسے "رأی" وغیرہ۔
اور بعض ایسے ہیں جو دو کی طرف متعدی نہیں ہوتے۔ بعض ایک کی طرف متعدّی ہوتے ہیں جیسے کَرِهْتُ
زیدًا اور بعض لازم ہوتے ہیں جیسے: جَبُنَ زَیدٌ۔

هذا مایتعلق:

شارح فرماتے ہیں کہ جن افعال کا ذکر یہاں تک ہوا وہ افعال قلوب کی قسم تھی اب افعال تحویل کا ذکر ہو رہا
ہے، ان افعال تحویل کی طرف مصنفؒ نے اپنے اس قول "والتی کصَیّرَا" الخ کے ساتھ اشارہ کیا ہے یہ ایسے
دو مفعولوں کی طرف متعدّی ہوتے ہیں جو اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر ہوتے ہیں یعنی مفعول بننے سے پہلے وہ مبتدا خبر
کہلاتے ہیں۔ بعض حضرات نے ان کو سات تک گنا ہے۔

(۱) صیَّرَ جیسے صَیّرتُ الطینَ خزَفًا

(۲) جَعَلَ "جیسے" وَقَدِمْنَا اِلیٰ مَاعَمِلُوا مِن عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُورًا"

(۳) وَهَبَ جیسے وَهَبَنِی اللہ فِدَاکَ بمعنی صَیَّرَنی

(۴) تَخِذَ جیسے لَتَخِذتَ علیه اجرًا (یہ مشہور روایت نہیں قرآن کریم کی مشہور روایت لا تَّخَذْتَ، کے ساتھ
ہے)

(۵) اتَّخَذَ جیسے اتَّخَذَ اللہ ابراهیمَ خَلِیْلاً

(۲) تَرَکَ جیسے ''وَتَرَکْنابعضَھُم یومئذ یموجُ فی بعضٍ'' اورشاعرکا یہ قول بھی ہے۔

۱۲۷-وَرَبَّیْتُــــه حَتّــی إذَامـــاتَــرَکْتُـــه
اَخَــاالــقــوم واستَــغْنــیٰ عِنِ الـمسحِ شَـارِبُــه

ترجمہ:......میں نے اپنے بیٹے کی پرورش کی یہاں تک کہ جب اس کو میں نے قوم کا ایک فرد بنایااوراس کی مونچھیں صاف کرنے سے بے نیاز ہوئیں ۔(بچہ جب چھوٹا ہوتا ہےتو وہ اپنا منہ ہاتھ خود صاف نہیں کرسکتا بلکہ والدین اس کی صفائی کرتے ہیں ''شاعر یہاں کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنے بیٹے کی پرورش کی یہاں تک کہ اس کو میں نے قوم کا ایک مستقل فرد بنایااوروہ اس قابل ہوا کہ وہ خود اپنی صفائی وغیرہ کا اہتمام کرسکے۔آگے ''اِذَامَاتر کتُه'' کا جواب دوسرے شعرمیں ہےاوروہ یہ ہے

تَـــغـــمَّـــدَ حـــقّـــی ظـــالـــمًـــا وَلَـــوٰی یَـــدی
لَـــوٰی یَـــدَهُ الـــلّٰـــهُ الـــذِی هُـــوَغـــالِبُـــه

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس نے میراحق دبایااورمیراہاتھ مروڑااللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ مروڑدے وہ اللہ جواس پر غالب ہے)

تشریح المفردات:

(رَبَّیْــتُ رَبّٰـــی یُـــرَبّـــی تَـــرْبِیَةً) باب تفعیل سے واحدمتکلم کا صیغہ ہےتربیت کرنا،پرورش کرنا، (اخـوالقوم) قوم کا بھائی،قوم کافرد(تـرکْتُه) یہاں تـرک صیّر کے معنی میں ہے۔(شارب)مونچھ جمع اس کی شوارِب آتی ہےحدیث شریف میں آتا ہے(اعفُوااللحی واقصواالشوارب)۔

محل استشہاد:

(تَرَکْتُه اخَاالقوم) محل استشہاد ہے۔

شان ورود:......فـرعان بن الاعرف یافـرعان بن الاصبع کاشعر ہےاپنے بیٹے منازل کے متعلق یہ اشعار اس نے کہے ہیں اس کا بیٹا اس کا نافرمان تھا۔یہاں یہ اپنے بیٹے سے گلہ شکوہ کررہا ہے۔

وَرَدَّ الخ:

"رَدَّ" کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۲۸- رَمی الحِدثَانُ نِسْوَةَ آلِ حَربٍ
بمقدارٍ سَمَدْنَ لَهُ سُمُودًا
فَرَدَّ شُعُورَهُنَّ السُّودَ بيضًا
وَرَدَّ وُجُوهَهُنَّ البِيضَ سُودًا

ترجمہ:......زمانہ کے حوادث نے آل حرب کی عورتوں کو اس مقدار پر پھینکا کہ اس کی وجہ سے وہ غمگین ہوگئیں۔ پس حوادثات نے ان کے کالے بالوں کو سفید اور ان کے سفید چہروں کو کالا کر دیا۔

تشریح المفردات:

(الحدثان) دال اور تاء کے فتحہ کے ساتھ مصائب کے نئے ہونے کو کہا جاتا ہے اس صورت میں یہ حالت رفعی میں ہوگا تثنیہ کا صیغہ ہے علامہ عینیؒ نے اس کی تفسیر دن، رات کے ساتھ کی ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ آل حرب کی عورتوں پر دن رات ناموافق آئے، اس صورت میں علیہ کی ضمیر مقدار کی طرف راجع ہے لیکن شرح ابن عقیل کے محشی کی رائی یہ ہیکہ یہ تثنیہ کا صیغہ نہیں ہے بلکہ یہ حاء کے کسرے اور دال کے سکون کے ساتھ زمانہ کے مصائب وحوادث کو کہا جاتا ہے۔ (سمدن) نصر سے غمگین ہونا، خوش ہونا' یہ اضداد میں سے ہے۔ یہاں غمگین ہونے کا معنی مراد ہے۔ (رَدَّ) صیَّرَ کے معنی میں ہے کسی چیز کی اصلی حالت کو تبدیل کرنا۔ (رَدَّ وجوهَهُنَّ الخ) سے شاعر کی مراد یہ ہے کہ زمانہ کے حوادثات نے ان عورتوں کے کالے بالوں کو سفید اور سفید اور خوب صورت چہروں کو کالا کیا یعنی جس چیز کا کالا ہونا چاہیے وہ سفید کر دی اور جس کا سفید ہونا چاہیے وہ کالی کر دی۔ شرح ابن عقیل کے حاشیہ میں ہے کہ عریان بن هیثم عبدالملک بن مروان کے ہاں چلا گیا تو عبدالملک نے سوال کیا۔ کیا حال ہے؟ تو عریان نے جواب میں کہا کہ جس چیز کو میں کالا ہونا پسند کرتا تھا (یعنی بال) وہ چیز سفید ہوگئی اور جس کو میں سفید ہونا پسند کرتا تھا (یعنی چہرہ) وہ کالی ہوگئی۔

وَخُصَّ بِالتعليقِ والالغاءِ مَا
مِنْ قبلِ هَبْ والامرِهَبْ قَدْ أُلزِمَا
كَذَاتَعَلَّمْ ولِغيرِ الماضِ مِنْ
سِوَاهُمَا اجعَلْ كلَّ مَالَهُ زُكِنْ

ترجمہ:...... تعلیق اور الغاء کے ساتھ آپ خاص کریں ان افعال کو جو هَبْ سے پہلے ہیں اور امر کے ساتھ هَبْ کو لازم کیا گیا اسی طرح تعلّم بھی ہے (یعنی وہ بھی صرف امر کے ساتھ خاص ہے) اور ان دونوں (هَبْ، تعلّم) کی ماضی کے علاوہ کیلئے وہی حکم ثابت کریں جو ماضی کیلئے معلوم ہے۔

(ش) تقدم أن هذه الأفعال قسمان أحدهما: أفعال القلوب، والثاني: أفعال التحويل، فأما أفعال القلوب فتنقسم إلى: متصرفة، وغير متصرفة.

فالمتصرفة: ماعدا ((هَبْ)) وتعلّم)) فيستعمل منها الماضي، نحو ((ظننتُ زيدًا قائمًا)) وغير الماضي — وهو المضارع، نحو: ((ظُنَّ زيدًاقائمًا)) والأمر، نحو: ظُنَّ زَيْدًا قائمًا)) واسمُ الفاعل، نحو: ((اناظَانٌّ زيدًاقائمًا، واسم المفعول، نحو: ((زَيْدٌ مَظْنُوْنٌ ابُوْهُ قائمًا)) فأبُوْهُ: هو المفعول الاول، وارتفع لقيامه مقام الفاعل، و((قائمًا)) المفعول الثاني، والمصدر، نحو: ((عَجِبْتُ مِنْ ظَنِّكَ زَيْدًا قائمًا)) — ويثبت لهاكلهامن العمل وغيره ماثبت للماضي .

وغير المتصرّف اثنان — وهما: هَبْ، وتَعَلَّم، بمعنى اعلم — فلايستعمل منهماالاصيغة الأمر، كقوله:

تَعَلَّم شِفَاءَ النَّفْسِ قَهْرَ عدُوِّهَا
فَبَالِغْ بِلُطْفٍ فِى التَّحيُّلِ وَالمكْرِ

وقوله:

فَقُلْتُ: اجِرْنِى أبَامَالِكٍ
وإلافهبْنِى امْرأً هَالِكًا

واختصت القلبية المتصرفة بالتعليق والإلغاء فالتعليق هو: ترك العمل لفظًا دون معنىً لمانع، نحو: ((ظَنَنْتُ لَزَيْدٌ قَائِمٌ)) فقولك ((لَزَيْدٌ قَائِمٌ)) لم تعمل فيه ((ظننت)) لفظًا لأجل المانع لها من ذلك، وهو اللام، ولكنه في موضع نصب، بدليل أنك لو عطفت عليه لنصبت، نحو: ((ظننت لزيدقائم وعمرًا منطلقًا)) فهي عاملة في ((لزيد قائم)) في المعنى دون اللفظ والالغاء هو ترك العمل لفظًا ومعنىً لالمانع نحو "زيدٌ ظننتُ قائمٌ" فليس لِ "ظننتُ عملٌ في "زيدٌ قائمٌ: لافي المعنى، ولافي اللفظ.

ويثبت للمضارع ومابعده من التعليق وغيره ماثبت للماضي، نحو: ((أَظُنُّ لَزَيْدٌ قَائِمٌ)) و ((زَيْدٌ أَظُنُّ قَائِمٌ)) وأخواتها. وغير المتصرفة لايكون فيها تعليق ولا إلغاء، وكذلك إفعال التحويل نحو: ((صيّر)) وأخواتها.

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ ان افعال کی دو قسمیں ہیں۔(۱) افعال قلوب (۲) افعال تحویل۔

پھر افعال قلوب کی دو قسمیں تھیں۔(۱) متصرفہ (۲) غیر متصرفہ۔

متصرفہ وہ افعال قلوب کہلاتے ہیں جو هَبْ اور تَعَلَّمْ کے علاوہ ہیں اور ان سے ماضی مضارع اسم فاعل اسم مفعول مصدر سب استعمال ہوتے ہیں اور ان سب کیلئے وہی احکام ثابت ہونگے جو ان کے ماضی کیلئے ہیں۔(شرح میں مثالیں موجود ہیں) اور غیر متصرفہ افعال (یعنی هَبْ اور تَعَلَّم) سے صرف امر کا صیغہ استعمال ہوتا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے (جس کی پوری تفصیل پہلے گزر چکی) یہاں شعر لانے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ تَعَلَّمْ صیغہ امر کے ساتھ ہی استعمال ہوا ہے اسی طرح هَبْ کی مثال وَالاَّ فَهَبْنِی امرًاهالكًا میں هَبْ امر ہی استعمال ہوا ہے۔(اس شعر کی تشریح بھی چند صفحات پہلے گزری ہے)

افعال قلوب متصرفہ کا تعلیق اور الغاء کے ساتھ خاص ہونا:

اس تمہید کے بعد شارح متن کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ افعال قلوب متصرفہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تعلیق بھی ہوتی ہے اور الغاء بھی، یعنی تعلیق اور الغاء دونوں کا ہونا افعال قلوب کے ساتھ خاص ہیں اگر چہ ان

دونوں میں ایک یعنی تعلیق ان افعال کے علاوہ میں بھی پائی جاتی ہے لیکن ان میں الغاء نہیں ہوتا اور بعض ایسے افعال ہوتے ہیں کہ جن میں صرف الغاء ہوتا ہے تعلیق نہیں ہوتی۔

تعلیق کی تعریف:

تعلیق کا لغوی معنیٰ معلق ہو جانا، اور اصطلاح میں ''عامل کے عمل کا لفظوں میں متروک ہو جانا کسی مانع کی وجہ سے یعنی عامل عمل تو کرے لیکن لفظوں میں نہ کرے بلکہ معنی میں کرے اس کو محلاً اعراب کہتے ہیں جیسے ظننتُ لَزیدٌ قائمٌ'' یہاں لَزیدٌ قائمٌ میں ظننتُ نے عمل نہیں کیا ہے اس لئے کہ یہاں مانع موجود ہے جو کہ لام ہے اس لئے کہ لام صدارت کلام چاہتا ہے اب اگر یہاں ظننتُ کو عمل دیا جائے تو لام کی صدارت فوت ہو جائے گی، لیکن عمل یہاں محلاً ہوا ہے اس لئے کہ اگر اس پر عطف ہوتا ہے تو وہ معطوف منصوب ہو جاتا ہے مثلاً ظننتُ لَزَیْدٌ قائمٌ وعمرًا منطلقًا یہاں عمرًا منطلقًا' لَزیدٌ قائمٌ پر عطف ہے اور قاعدہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ دونوں کا اعراب ایک ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ لَزَیْدٌ قائمٌ اگرچہ مانع کی وجہ سے لفظاً منصوب نہیں (بنا بر مفعولیت) لیکن معنًی اور مَحَلًّا منصوب ہے۔

الغاء کی تعریف:

اس کا لغوی معنیٰ ہے لغو قرار دینا اور اصطلاح میں ''عامل کے عمل کا لفظاً و معنًی متروک ہو جانا بغیر کسی مانع لفظی کے جیسے زیدٌ ظننتُ قائمٌ یہاں ظننتُ نے زیدٌ قائمٌ میں عمل نہیں کیا ہے نہ لفظاً نہ معنًی' یہاں اگرچہ لفظی مانع نہیں لیکن معنوی مانع موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جب عامل درمیان میں آتا ہے یا بعد میں آتا ہے تو وہ ضعیف ہوتا ہے اور ضعیف عامل عمل نہیں کرتا۔

ویثبت للمضارع ومابعدہ الخ:

تعلیق اور الغاء جس طرح ماضی میں ہوتے ہیں اسی طرح مضارع' اسم فاعل وغیرہ میں بھی ہوتے ہیں، جبکہ غیر متصرفہ (هَبْ، تَعَلَّم) میں نہ تعلیق ہوتی ہے نہ الغاء اس لئے کہ وہ صرف ایک ہی لفظ یعنی امر کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو اس کے مناسب یہ ہے کہ وہ ہر وقت عمل کریں۔ اور افعال تحویل (صیّر اور اس کے اخوات) میں بھی تعلیق والغاء دونوں نہیں ہوتے اس لئے کہ یہ قوی عامل ہیں یہ خود ذات میں اثر انداز ہوئے ہیں اور ان کو ایک حالت سے دوسری

حالت میں تبدیل کرتے ہیں مثلاً اتَّخَذَ فعل تحویل ہے اتخذ اللّٰہ ابراھیمَ خلیلًا میں اتّخذ نے لفظ ابراھیم میں اثر کیا جو کہ ذات ہے اور خُلّة (دوستی) کی طرف ان کو منتقل کردیا لہٰذا یہ قوی عامل ہو گئے اور قوی عامل ہرصورت میں عمل کرتے ہیں چاہے مؤخر ہوں یا مقدم اس وجہ سے اس میں تعلیق والغاء نہیں ہوتے۔ بخلاف افعال قلبیہ کے کہ وہ ذات میں اثر نہیں کرتے بلکہ ان اَحداث میں کرتے ہیں جو ان کے مفاعیل سے ماخوذ ہوتے ہیں مثلاً ظننتُ زیدًا قائمًا میں ظننتُ نے زید میں اثر نہیں کیا اور نہ اس کو کسی حالت سے تبدیل کیا بلکہ اس کے مفعول سے اخذ شدہ حدث (قیام میں) اثر کیا لہٰذا یہ کمزور عامل ہوئے اس وجہ سے اس میں تعلیق بھی ہوگی اور الغاء بھی۔

وَجَوِّزِ الالغاءَ لاَ فی الابتداء
وَانْوِ ضمیرَ الشان، أو لاَمَ ابتدا
فِی مُوهِمٍ إلغاءَ مَا تَقَدَّمَا
والْتَزِمَ التعلیقَ قَبلَ نَفیِ مَا
وَ"إنْ" وَ"لا" لاَمُ ابتداء، أوْقسم
کَذَا، وَالأستفهامُ ذَا لَهُ انْحَتَم

ترجمہ:...... الغاء کو آپ جائز قرار دیں شروع کے علاوہ میں، اور ضمیر شان کو یا لام ابتداء کو مقدر مانیں اس کلام میں جو اس وہم میں ڈالے کہ مقدم ہونے کی صورت میں الغاء ہوا ہے۔ اور تعلیق کو ''مـا'' إنْ ''لا'' کی نفی سے پہلے لازم کیا گیا ہے۔ لام ابتداء اور قسم بھی اسی طرح ہے اور استفہام کیلئے بھی یہ حکم حتمی (یقینی اور ضروری) ہے۔

(ش) یجوز إلغاء هذه الأفعال المتصرفة إذا وقعت في غير الابتداء، کما إذا وقعت وسطا، نحو: ((زیدٌ ظننتُ قائمٌ) أو آخرًا نحو "زیدٌ قائمٌ ظننتُ" وإذا توسّطتْ فقیل الاعمال والالغاءُ سیّانِ، وقیل: الإعمالُ أحسن من الإلغاء، وإن تأخرت فالإلغاء أحسن، وإن تقدمت امتنع الإلغاء عند البصریین، فلا تقول: : ((ظَنَنْتُ زَیْدٌ قَائِمٌ)) بل یجب الإعمال؛ فتقول: ((ظَنَنْتُ زَیْدًا قَائِمًا)) فإن جاء من لسان العرب مایوهم إلغاء هامتقدمة أوّلَ علی إضمار ضمیر الشان، کقوله :

١٢٩ - أرجُو وآمُلُ أنْ تَدنُو مَوَدَّتُهَا
ومَا إخَالُ لَدَيْنَا مِنكِ تَنوِيلُ

فالتقدير:((وماإخاله لدينامنك تنويل))فالهاء ضمير الشان؛وهي المفعول الأول،و((لدينا منك تنويل))جملة في موضع المفعول الثاني،وحينئذٍفلاإلغاءَ؛أوعلى تقدير لام الابتداء؛كقوله:

١٣٠ - كَذاكَ أدِّبتُ حتّى صَارَ مِنْ خُلُقِي
انّي وَجدتُ مِلاكُ الشيمةِ الادَبُ

التقدير:((اني وجدت لملاك الشيمة الأدب))فهومن باب التعليق، وليس من باب الإلغاء في شيء.

وذهب الكوفيون -وتبعهم ابوبكرالزبيدى وغيره- إلى جوازإلغاء المتقدم؛فلايحتاجون إلى تأويل البيتين.

وإنماقال المصنف:((وجوزالإلغاء))لينبّه على أن الإلغاء ليس بلازم، بل هوجائز،فحيث جاز الإلغاء جازالإعمال كما تقدم، وهذابخلاف التعليق (فإنه لازم،ولهذاقال:((والتزم التعليق))

فيجب التعليق إذاوقع بعدالفعل((ما))النافية، نحو:((ظننت مازيد قائم))،أو((إن))النافية، نحو: ((علمت إن زيد قائمٌ)) ومثّلوا له بقوله تعالىٰ:﴿وتظنون إن لبثتم إلاّ قليلاً﴾،وقال بعضهم: ليس هذا من باب التعليق في شيء؛لأن شرط التعليق أنه إذاحذف المعلّق تسلط العامل على مابعده فينصب مفعولين، نحو:((ظَنَنتُ مازيدقائمٌ))؛فلوحذفت((ما))لقلتَ:((ظننت زيداقائمًا))والآية الكريمة لايتأتّى فيهاذلك إ لأنك لوحذفت المعلق وهو((إن))-لم يتسلط((تظنون))على ((لبثتم))؛؛اذلايقال:وتظنون لبثتم، هكذازعم هذاالقائل،ولعلّه مخالف لماهوكالمجمع عليه-من أنه لايشترط في التعليق هذاالشرطُ الذى ذكره -وتمثيل النحويين للتعليق بالآيةالكريمة وشبهها يشهد لذلك.

وكذلك يعلّق الفعل إذاوقع بعده((لا))النافية،نحو:((ظننت لازيد قائمٌ ولاعمرو))أولام الابتداء، نحو:((ظننت لزيد قائم))أولام القسم،نحو:((علمت ليقومن زيد))ولم يَعُدَّهَاأحدٌمن

النحويين من المعلّقات أو الاستفهام وَلَه صُوَرٌ ثلٰثٌ. أن يكون أحد المفعولين اسم استفهام، نحو: ((علمت أيهم أبوك))، الثانية: أن يكون مضافًا إلى اسم استفهام، نحو: ((علمتُ غلامُ أيهم أبوك)) الثالثة: أن تدخل عليه أداة الاستفهام، نحو: ((علمت أزيدٌ عندَكَ أمُ عمرو))؟ و((علمت هل زيد قائم أم عمرو))؟

ترجمہ وتشریح:

کہاں الغاء ہوتا ہے؟

الغاء اور تعلیق کی تعریف کے بعد اب وہ جگہیں بتائی جا رہی ہیں جہاں یہ دونوں ہوتے ہیں۔

چنانچہ متن کی شرح کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ یہ افعال متصرفہ جب شروع کے علاوہ درمیان میں یا آخر میں واقع ہو جائیں تو ان کا الغاء جائز ہے جیسے: زیدٌ ظننتُ قائمٌ، زیدٌ قائمٌ ظننتُ، اب جب درمیان میں واقع ہوں تو بہتر کیا ہے بعض کے نزدیک عمل دینا، یا ملغٰی بنانا دونوں برابر ہیں اس لئے کہ جب درمیان میں واقع ہونے کی وجہ سے یہ عامل ضعیف ہو گئے تو اس کے ساتھ عامل معنوی مقاوم ہوا اور وہ ابتداء ہے اور بعض کے نزدیک عمل دینا بہتر ہے اس لئے کہ عامل اگرچہ درمیان میں ہے لیکن لفظی ہونے کی وجہ سے اس میں قوت ہے اس وجہ سے عمل دینا چاہئے، اور اگر مؤخر ہو جائے جیسے: زیدٌ قائمٌ ظننتُ تو پھر الغاء بہتر ہے۔

اب تقدیم کی صورت میں (جیسے: ظننتُ زیدٌ قائمٌ) بصریین کے ہاں عمل دینا واجب ہے اور الغاء ممتنع ہے لہٰذا: ظَنَنْتُ زیدٌ قائمٌ۔ پڑھنا جائز نہیں بلکہ ظننتُ زیدًا قائمًا پڑھنا ضروری ہے بصریین کے مطابق اگر لسان عرب میں ایسا کلام آ جائے جس میں بظاہر تقدیم کی صورت میں الغاء ہوتا ہوا نظر آتا ہو تو اس صورت میں ضمیر شان کو مقدر مانا جائے اور وہ ضمیر شان اس کیلئے اسم ہوگی اور مابعد کا جملہ خبر۔ جیسے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۲۹- أرجو وآمُلُ أنْ تَدنُو مَوَدَّتُها
وَمَا إخَالُ لَدَيْنَا مِنكَ تَنوِيلُ

ترجمہ:...... مجھے امید ہے کہ سُعَاد کی محبت قریب ہو جائے گی اور میں خیال نہیں کرتا کہ ہمارے پاس آپ کا کوئی عطیہ ہو۔

تشریح المفردات:

(أرجو) متکلم کا صیغہ ہے از نصر امید کرنا (آمل) کا بھی یہی معنیٰ ہے۔ (تَدْنُو) دَنَا یَدْنُو نصر سے بمعنی قریب ہونا (مودّة) دوستی، محبت، از سمع (إخال) بکسر الهمزة سَمِع سے واحد متکلم کا صیغہ ہے خیال کرنا، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ (أخال) بفتح الهمزة ہو جس طرح بنو اسد کی رائے ہے لیکن زیادہ تر استعمال اس کا ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

منک: یہاں محبوبہ کو خطاب ہے شروع شعر میں اس کو غائب تصور کر لیا پھر اس کو خطاب کیا، علم معانی کی اصطلاح میں اس کو التفات من الغیوبة الی التکلم کہا جاتا ہے (التفات کی باقی قسمیں مختصر المعانی میں موجود ہیں)

شان ورود:...... کعب بن زہیر مشہور شاعر ہیں ان کے والد بھی بلند پایہ شاعر تھے والد نے حضرت نبی آخر الزمان محمد ﷺ کے آنے کی خبر اپنے بیٹے کعب کو دی تھی خود انتقال کر گئے۔ بعثت کے بعد کعب کے بھائی پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے کعب اپنے بھائی کے اسلام لانے پر سخت ناراض ہوا۔ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے کعب کے قتل کا حکم دیا اسلئے کہ انہوں نے بھائی کے اسلام لانے کی مذمت میں شعر کہا تھا۔ بالآخر کعب خود دربار نبوی میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف میں ایک لمبا قصیدہ پڑھا جو جس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِی الیومَ مَتْبُول
مُتَیَّمٌ اِثْرَهَا لَمْ یُفْدَ مَکْبُول
وَمَا سُعَادُ غَدَاةَ البَیْنِ اِذْ رَحَلَتْ
اِلَّا اَغَنُّ غَضِیضَ الطَّرف مَکْحُولُ

الیٰ هذا الشعر المذکور فی الکتاب. (السبع المعلقات میں پورا قصیدہ موجود ہے)

محل استشہاد:

(مَا اَخَالُ لَدَیْنَا مِنکِ تَنوِیلٌ) محل استشہاد ہے یہاں بظاہر الغاء ہوا ہے اور إخالُ مقدم بھی ہے۔

بصریین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں احتمالِ کیلئے ضمیر شان مقدر ہے اور وہ اس کا اسم ہے اور لـدینـا منک سو یلٌ جملہ ہو کر مفعول ثانی ہے۔

اور یا یہاں پر لام ابتداء مقدر ہے ای لَـلَـدینـا الخ اس صورت میں تعلیق ہے لیکن الغاء نہیں جس طرح اس دوسرے شعر میں ہے۔

كَـذاكَ أُدِّبـتُ حتّـى صَـارَ مِـنْ خُـلُـقِـي

انّـــي وَجـــدتُ مِلاكُ الشيـــمةِ الادَبُ

ترجمہ:...... اسی طرح مجھے ادب دیا گیا یہاں تک کہ میرے اخلاق میں سے یہ بات ہوگئی کہ میں نے پایا کہ اخلاق کا دارومدار ادب ہے۔

تشریح المفردات:

(کذاک) میں پہلے شعر کے مضمون کی طرف اشارہ ہے' پہلا شعر یہ ہے۔

اكنيـه حِينَ أُنـاديـه لأكـرمَـه

وَلاَ أُلقِّبُـه، وَالسّـوءةُ اللقبُ

جس میں شاعر کہہ رہا ہے کہ میں اپنے ممدوح کو کنیت سے پکارتا ہوں نہ کہ لقب سے اس لئے کہ لقب سے پکارنا ہمارے ہاں برا ہے۔ آگے شاعر کہتا ہے کہ مجھے اسی طرح ادب دیا گیا ہے۔

مـــلاک: میم کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بمعنی مدار، موقوف علیہ، (الشّیـــم) جمع کا صیغہ ہے شیمۃ اس کا مفرد ہے بمعنی خصلت۔

محل استشہاد:

(انـی وجـدت مـلاکُ الشیمةِ الادبُ) محل استشہاد ہے۔ یہاں کوفیین کے مسلک کے مطابق بظاہر الغاء ہوا ہے ورنہ اگر الغاء نہ ہوتا تو جدت ملاک الشیمة الادبا' ہوتا ملاک اور ادب دونوں منصوب ہوتے اگر چہ وجـــدتُ فعل قلب مقدم بھی ہے (ان کے مسلک کی تفصیل گزر گئی کہ جس طرح افعال قلبیہ درمیان میں ہوں یا مؤخر ہوں تو الغاء (عمل نہ دینا) جائز ہے اس طرح اگر شروع میں آجائے پھر بھی جائز ہے بطور استشہاد کے مندرجہ بالا

شعران کی دلیل ہے۔بصریین اس شعر میں تاویل کرتے ہیں کہ یہاں الغاءنہیں ہوا ہے بلکہ تعلیق ہوئی ہے اور ملاک سے پہلے لام ابتداء مقدر ہے اور تقدیر عبارت ہے: إنی وجدت لملاک الشیمة الخ اور یااس میں عمل ہوا ہے تعلیق اور الغاء کے قبیل سے نہیں اس صورت میں سابق شعر کی طرح اس میں بھی ضمیر شان مقدر ہے اور وہ اس کیلئے اسم ہے اور مابعد کا جملہ مفعول ثانی ہے۔واضح رہے کہ بصریین کی تکلفانہ تاویلات پر سبھی کو اعتراض ہے۔

وذهب الكوفيون الخ

چونکہ کوفیین اور ان کے ہمنوا ابوبکر زبیدیؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ تقدیم کی صورت میں بھی الغاء جائز ہے اس لئے دونوں مندرجہ بالا شعروں کی وہ تاویل نہیں کرتے۔

وانّماقال المصنف:

مصنفؒ نے وَجَوّز الالغاء کہکر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ الغاء لازم نہیں بلکہ جائز ہے جہاں الغاء جائز ہے وہاں اعمال بھی جائز ہے بخلاف التعلیق۔

فيجب التعليق الخ:

وہ جگہیں جہاں تعلیق ہوتی ہے:

ا......فعل قلب کے بعد جب مَا نافیہ آجائے تو اس صورت میں تعلیق واجب ہے جیسے:((ظَنَنْتُ مازيدٌ قائمٌ)) یا إن نافیہ آجائے جیسے: عَلِمْتُ إنْ زيدٌ قائمٌ۔ یہاں ظننتُ اور علمتُ نے عمل نہیں کیا ہے ورنہ تو زید اور قائم بنا برمفعولیت منصوب ہوتے۔

ومثلو اله بقوله تعالىٰ الخ:

شارحؒ فرماتے ہیں کہ تعلیق کیلئے حضرات علماء نحو نے اللہ رب العزت کے اس قول کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔

"وَتَظُنُّوْنَ إنْ لَبِثْتُم إلاَّ قَلِيلاً"

اب بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ مثال تعلیق کے باب سے نہیں ہے اس لئے کہ تعلیق کیلئے شرط یہ ہے کہ جب مُعَلِّق (بکسر اللام، جس کی وجہ سے تعلیق ہوئی ہے) کو حذف کیا جائے تو تو عامل مابعد کی طرف متوجہ ہو کر دو مفعولوں کو نصب دیتا ہو جیسے: "ظَنَنْتُ مَا زیدٌ قائمٌ" اب یہاں تعلیق ہے اور تعلیق کی شرط اس میں پائی جاتی ہے اس لئے کہ اگر ما کو حذف کیا جائے تو زید اور قائم پر ظننت مسلّط ہو جائے گا اور یہ دونوں منصوب پر بنا بر مفعولیت ہو جائینگے اور یہاں آیت کریمہ میں اگر معلق (إنْ) کو حذف کیا جائے تو تظنون کا لبثتم پر مسلّط ہونا صحیح نہیں اس لئے کہ وتظنون لبثتم نہیں کہا جاتا، شارح ایسے حضرات پر ردّ فرما رہے ہیں کہ یہ جمہور کے قول کے خلاف ہے اس لئے کہ جمہور نے تعلیق کیلئے اس آیت کریمہ کو پیش کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیق کیلئے ذکر کردہ شرط ضروری نہیں۔

وکذلک یُعَلّق الفعل الخ :

اسی طرح فعل میں تعلیق ہوگی جب اس کے بعد لا نافیہ آ جائے جیسے: ظننتُ لاَزیدٌ قائم ولاعمرٌو" یا لام ابتداء آ جائے جیسے: ظننتُ لَزیدٌ قائمٌ یا لام قسم ہو جیسے: عَلِمْتُ لیقُومَنَّ زیدٌ (شارح فرماتے ہیں کہ لام قسم کو نحویوں میں سے کسی نے بھی معلقات میں شمار نہیں کیا ہے) یا اس کے بعد استفہام آ جائے پھر استفہام کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) دونوں مفعولوں میں سے کوئی ایک اسم استفہام ہو جیسے: عَلِمتُ أيُّهم أبوک.

(۲) اسم استفہام کی طرف مضاف ہو جیسے: علمتُ غلامُ أيهم أبوکَ.

(۳) اس پر حرف استفہام داخل ہو جیسے: علمتُ أزيدٌ عندک أم عمرٌو، علمتُ هَل زيدٌ قائمٌ أمْ عمرٌو،

لِـعـلـمِ عِـرفـانٍ وَظَـنِّ تُهـمَـه
تَـعـدِيَةٌ لِـوَاحِـدٍ مُـلْتَـزَمَـه

ترجمہ:...... جو علم عرف کے معنی میں ہو اور جو ظنَّ اتَّهَمَ کے معنی میں ہو اس کیلئے ایک مفعول کی طرف متعدی ہونا لازم ہے۔

(ش) إذا كانت ((علم)) بمعنى عرف تعدّت إلى مفعول واحد، كقولك: ((علمت زيداً)) أي: عرفته، ومنه قوله تعالىٰ: ﴿وَاللّٰهُ أخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُوْنِ أُمَّهَاتِكُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا﴾

وکذلک إذا کانت((ظن))بمعنی اتّہم تعدت إلی مفعول واحد، کقولک: ((ظننت زیدا)) أی اتہمته، ومنه قوله تعالیٰ: ﴿وَمَاهُوَعَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ﴾أی: بمتہم.

ترجمہ وتشریح:

عَلِمَ، عَرَفَ اور ظَنَّ کا اِتَّهَمَ کے معنی میں مستعمل ہونا:

یہاں یہ بتارہے ہیں کہ اگر عَـلِـمَ فعل قلب اپنے معنی کے بغیر عـرَفَ کے معنی میں آجائے تو اس صورت میں بجائے دومفعولوں کے ایک مفعول کی طرف متعدی ہوگا جیسے: عـلـمتُ زیدًا ای عَرَفته اوراللہ تعالیٰ کا یہ قول: وَاللّٰهُ أخرَجکُمْ مِنْ بُطُوْنِ أمَّهَاتِکُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ شیْئًا ای لاتعرفون شیئًا.

اسی طرح ظَـنَّ جب اِتَّهَمَ کے معنی میں ہوتو ایک مفعول کی طرف متعدی ہوگا جیسے: ظـنـنـتُ زیدًا ای الهمته اوراسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وَمَـاهُـوَعَـلَـی الـغیبِ بِظَنِین ای بِمُتّهَم (یہ ایک قراءت ہے ورنہ تو قرآن کریم میں "ض" کے ساتھ آیا ہے)

وَلِـرَای الـرُّؤیـا انـمِ مَـالِـعَـلِـمَـا
طَـالِـبَ مَـفـعـولَـیـنِ مِـنْ قبلُ انتـمَـی

ترجمہ:...... جورای رؤیـت (خواب میں دیکھنا) کے معنی میں ہواس کیلئے آپ وہ حکم منسوب کریں جواس سے پہلے عَـلِـمَ کیلئے ہے اس حال میں کہ وہ دومفعولوں کوطلب کرنے والا ہو۔

(ش)إذاکانت رأی حلمیة–أی: للرؤیافی المنام–تعدّتْ إلی المفعولین کماتتعدی إلیهما((علم)) المذکورة من قبل، وإلی هذاأشاربقوله: ((ولرأی الرؤیاانم))أی انسب لرأی التی مصدرهاالرؤیا ما نسب لعلم المتعدیة إلی اثنین؛فعبّرعن الحلمیة بماذکر؛لأن((الرؤیا))وإن کانت تقع مصدرً الغیر((رأی))الحلمیة،فالمشهور کونهامصدرالها.

ومثال استعمال((رأی)) الحلمیة متعدیةإلی اثنین قوله تعالی:﴿إنی أرانی أعصر خمرًا﴾؛ فالیاء مفعول أول،و((أعصرخمرًا))جملة فی موضع المفعول الثانی،وکذلک قوله:

١٣١ -أبو حَنَشٍ يُؤرِّقُني، وَطَلْقٌ
وَعَمَّارٌ، وآونَةً أثالاَ
أرَاهُمْ رُفْقَتِي، حَتَّى إذَامَا
تَجَافَى اللَّيْلُ وَانْخَزَلَ انْخِزَالاَ
إذَاأنَا كَالَّذِي يَجْرِي لِوِرْدِهِ
إلَى آلٍ؛فَلَمْ يُدْرِكْ بِلاَ لاَ

فالهاء والميم في ((أراهمْ)): المفعول الأول، ((رفْقَتِي)) هوالمفعول الثاني:

ترجمہ وتشریح:

رأی حلمیّہ کی تعریف اورمثال:

رای آنکھوں سے دیکھنے کے معنی میں آتا ہے یعنی حالت بیداری میں دیکھنا اور بعض مرتبہ خواب میں دیکھنے کے معنی میں آتا ہے جیسے رایت رؤیًا صالحۃً اس کو رأی حلمیّہ کہا جاتا ہے اسی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب رأی رؤیت فی المنام کے معنی میں ہو تو اس صورت میں عَلِمَ کی طرح یہ بھی دو مفعولوں کی طرف متعدّی ہوتا ہے۔
(حلمیّۃ) کہا اس لئے کہ اگرچہ رای حلمیّہ کے علاوہ کیلئے بھی مصدر ہوا کرتا ہے لیکن مشہور قول کے مطابق یہ ''رای''حلمیّہ ہی کے لئے مصدر ہوتا ہے۔

ومثال الخ:

رای حُلمیّہ کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے (نقلًا عن صاحب السجن) انّی ارانی أعصرُ خمرًا'' یاءِ متکلم اس کیلئے مفعول اوّل ہے اور اعصر خمرًا جملہ مفعول ثانی ہے اور اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے۔

١٣١ -أبو حَنَشٍ يُؤرِّقُني، وَطَلْقٌ
وَعَمَّارٌ، وآونَةً أثالاَ
أرَاهُمْ رفْقَتِي، حَتَّى إذَامَا
تَجَافَى اللَّيْلُ وَانْخَزَلَ انْخِزَالاَ

إِذَاأَنَـــا كَـــالَّــذِي يَـــجْـــرِي لِـــوِرْدِهِ
إِلَــــى آلٍ، فَـــلَــــمْ يُـــدْرِكْ بِلاَلاَ

ترجمہ:......ابوحنش میری نیند کواڑاتا ہے اورطلق وعمار اور بعض اوقات میں اُثالہ بھی، میں ان کوخواب میں اپنے ساتھ دیکھتا ہوں، جب رات ختم اور چلی جاتی ہے تو اچانک میں ہوجاتا ہوں اس آدمی کی طرح جوسراب کے پاس میٹھے پانی کیلئے چلتا ہے پس وہ نہیں پاتا اتنا پانی جس سے وہ اپنا گلاتر کرسکے۔

تشریح المفردات:

(ابوحنش، طلق عمّار، أثالة) یہ شاعر کے دوست ہیں جو شاعر کو چھوڑ کر ملک شام گئے تھے شاعر ان کی جدائی کے صدمہ کو ذکر کررہا ہے۔(یُؤرّقُنی) باب تفعیل سے بمعنی جگانا، نینداڑادینا، (اثالا) یہ اثالة کا مرخم ہے ترخیم اگرچہ منادیٰ میں ہی ہوتی ہے لیکن غیر منادیٰ میں یہاں ضرورۃً ترخیم ہے، الف اشباعی ہے (آونة) أوان کی جمع ہے جس طرح أزمنة، زمان اورأمکنة مکان کی جمع ہے۔

(تجافی اللیل وانخزل انخزالا) رات کا چلا جانا، منقطع ہوجانا، (ورد) میٹھاپانی، پانی کا گھاٹ، جمع اس کی اوراد آتی ہے، (آل) سراب، جودن کو نصف النہار کے وقت پانی دکھائی دیتا ہے، (بلالا) الف اشباعی ہے بلال ہر وہ چیز جس سے گلاتر ہوجائے پانی ہو یا کچھ اور، یہاں پانی مراد ہے۔

محلّ استشہاد:

(أراهم رفقتی) محلّ استشہاد ہے۔ یہاں (أریٰ) نے دومفعولوں میں عمل کیا ہے ایک (هم) ضمیر بارزمتصل، اور دوسرا (رفقتی) اور رأی یہاں حُلمیه ہے یعنی خواب میں دیکھنے کے معنی میں ہے۔

وَلاَتُـــجِـــزْ هُـــنَـــا بِلاَ دَلِـــيـــلِ
سُـــقُـــوْطَ مَـــفْـــعُـــوْلَيْـــنِ أَوْ مَـــفْـــعُـــوْلِ

ترجمہ:......(ظـنّ کے باب میں) آپ بلادلیل جائزنہ کریں دومفعولوں یاایک مفعول کے ساقط ہونے کو۔

(ش)لایجوزفی هذاالباب سقوط مفعولین ولاسقوط احدهماالاّ اذادلّ دلیلٌ علیٰ ذالک فمثالُ حذف المفعولین للدلالة أن یقال "هل ظننت زیدًاقائمًا"فتقولٌ ظننتُ"التقدیر"ظننتُ زیدًا قائمًا"فحذفت المفعولین لدلالة ماقبلهماعلیهماومنه قوله-

١٣٢-بِأَیِّ کِتَابٍ أَمْ بِأَیَّةِ سُنَّةٍ
تَرَی حُبَّهُمْ عَارًا عَلَیَّ وتحسبُ؟

أی:((وتحسب حبّهُمْ عارًاعلیَّ، فحذف المفعولین- وهما:((حُبَّهُمْ))،و((عارًا علَیَّ))-لدلالة ماقبلهماعلیهما.

ومثال حذف أحدهما للدلالة أن یقال:((هَلْ ظَنَنْتَ اَحَدًا قَائِمًا))؟فتقول:((ظَنَنْتُ زَیْدًا))أی:ظننت زیدًا قائمًا،فتحذف الثانی للدلالة علیه ، ومنه قوله:

١٣٣-وَلَقَدْ نَزَلْتِ - فَلاَتَظُنِّی غَیْرَهُ
مِنِّی بِمَنْزِلَةِ الْمُحَبِّ الْمُکْرَمِ

أی:((فَلاَتَظُنِّی غیرَه واقعًا))ف ((غیره))هو المفعول الأول، و((واقعًا))هو المفعول الثانی.

وهذاالذی ذکره المصنف هوالصحیح من مذاهب النحویین.

فإن لم یدل دلیل علی الحذف لم یجز: لافیهما، ولا فی أحدهما؛فلا تقول: ((ظننت))، ولا ((ظننت زیدًا،ولا((ظننت قائمًا)) ترید((ظننت زیدًاقائمًا)).

ترجمہ وتشریح:

ظنّ کے باب میں قرینہ کے وقت دومفعولوں کا حذف جائز ہے:

پہلے یہ بات گزرگئی کہ ظنّ واخواتھا کے دومفعول ہوا کرتے ہیں اب یہ بتارہے ہیں کہ اس باب میں دونوں مفعولوں کو یا ایک کو بھی ساقط کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ حذف کی صورت میں فائدہ نہیں ہوگا بلکہ محض ظنّ یا علم کی خبردینا مقصود ہوگی جوکہ پہلے سے معلوم ہے۔

ہاں اگر اس پر کوئی دلیل دلالت کرے تو پھر جائز ہے۔ دلالت کی صورت میں دومفعولوں کے حذف کی مثال یہ ہے کہ کہا جائے هَلْ ظَنَنْتَ زیدًا قائمًا تو چونکہ یہاں سوال میں زیدا اور قائم پر دلالت ہے اس لئے جواب میں ظننتُ کہکر دونوں مفعولوں کو حذف کر سکتے ہیں چنانچہ آپ کہینگے ((ظننتُ))

اور اسی سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۳۲ – بِأَيِّ كِتَابٍ أَمْ بِأَيَّةِ سُنَّةٍ

تَرَى حُبَّهُمْ عَارًا عَلَيَّ وتحسبُ؟

ترجمہ:...... کس کتاب یا کس حدیث کی دلیل کی وجہ سے تو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اہل بیت کے ساتھ میرے لئے محبت کرنا عار ہے۔

تشریح المفردات:

(ترٰی) رأیٌ مصدر سے بمعنی اعتقاد کے ہیں۔ (عار) باعث شرم بات، عیب، طعنہ (وتحسَبُ) اس میں واو کو أو کے معنی میں لینا زیادہ اچھا ہے، (حبّهم) میں هم ضمیر آل بیت کی طرف راجع ہے۔

محل استشہاد:

(تحْسَبُ) کے دونوں مفعولوں (حبّهم، عارًا عَلَيَّ) کو حذف کیا گیا ہے اس لئے کہ ماقبل کا کلام ان پر دال ہے۔

ومثال حذف احدهما الخ:

ایک مفعول کے حذف کی مثال یہ ہے کہ کہا جائے ((هَلْ ظننتَ احدًا قائمًا)) اور آپ جواب میں کہیں ظننتُ زیدًا ای ظننتُ زیدًا قائمًا) یہاں ثانی مفعول قائمًا کو حذف کیا ہے اسلئے کہ سوال میں اس پر دلالت موجود ہے۔ اور اسی سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۳۳ – وَلَقَدْ نَزَلْتِ – فَلَا تَظُنِّي غَيْرَهُ

مِنِّي بِمَنْزِلَةِ الْمُحَبِّ الْمُكْرَمِ

ترجمہ:...... اللہ کی قسم تحقیق تو میرے نزدیک بمنزلہ محبوب اور باعزت کی ہوگئی ہے لہٰذا میرے اوپر اس کے علاوہ (واقع ہونے) کا گمان نہ کر۔

شرح المفردات:

(نزلت) محذوف قسم کا جواب ہے ای واللّٰہ نزلت (المحب) اسم مفعول کا صیغہ ہے اَحَبَّ یُحِبُّ حباً باب افعال سے استعمال اس کا کم ہے اس سے اسم مفعول زیادہ تر محبوبٌ کے وزن پر آتا ہے اور اسم فاعل محبٌّ باب افعال سے زیادہ تر آتا ہے۔ (المکرَم) اسم مفعول کا صیغہ ہے عزت کیا ہوا، معزز۔

محل استشہاد:

(فلا تظنّی غیره) محل استشہاد ہے۔ اسی طرح کہ فلا تظنی غیره کا مفعول ثانی، واقعا یاحاصلاً اختصار کی وجہ سے حذف ہو چکا ہے، جمہور نحویوں کے ہاں یہ جائز ہے۔

ان لم یدلّ الخ:

مذکورہ حذف ان صورتوں میں جائز تھا جہاں حذف پر قرینہ موجود تھا اگر حذف پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس صورت میں نہ دونوں مفعولوں کا حذف جائز ہے اور نہ ایک کا۔ لہٰذا صرف (ظننتُ) یا ظننتُ زیدًا نہیں کہا جاتا اس طور کہ اس سے مراد (ظننتُ زیدًا قائمًا) ہو۔

وَكَتَظُنُّ اجْعَلْ تَقُوْلُ إِنْ وَلِيَ
مُسْتَفْهِمًا بِهِ، وَلَمْ يَنْفَصِلُ
بِغَيْرِ ظَرْفٍ أَوْ كَظَرْفٍ، أَوْ عَمَلْ
وَإِنْ بِبَعْضِ ذِي فَصَلْتَ يُحْتَمَلْ

ترجمہ:...... آپ تقول کو تظنّ کی طرح عمل میں کریں اگر تقولُ مل جائے اس کے ساتھ جس سے استفہام کیا جاتا ہے اس حال میں کہ تقول اور استفہام میں فاصلہ نہ ہو سوائے ظرف، شبہ ظرف معمول فعل کے، اور ان تینوں میں اگر کسی ایک کا فاصلہ بھی آپ لائینگے تو اس کا احتمال ہے (یعنی یہ فاصلہ مضر نہیں اس کے ہوتے

ہوئے بھی ظن کی طرح جاری ہوسکتا ہے)

(ش) القول شأنه إذا وقعت بعده جملة أن تحكى، نحو: ((قال زيدٌ عمرو منطلق))، و((تَقُوْل زيدٌ منطَلِقٌ)) لكن الجملة بعده في موضع نصبٍ على المفعولية.

ويجوز إجراؤه مجرى الظن؛ فينصب المبتدأ والخبر مفعولين، كما تنصبهما ((ظنّ)).

والمشهور أن للعرب في ذلك مذهبين؛ أحدهما — وهو مذهب عامة العرب — أنه لا يجري القول مجرى الظن إلا بشروط — ذكرها المصنف — أربعة، وهي التي ذكرها عامة النحويين؛ الأول: أن يكون الفعل مضارعًا؛ الثاني: أن يكون للمخاطب، وإليهما أشار بقوله: ((اجعل تقول)) فإنَّ ((تقول)) مضارع، وهو للمخاطب؛ الشرط الثالث: أن يكون مسبوقًا باستفهام، وإليه أشار بقوله: ((إن ولي مستفهمًا به))؛ الشرط الرابع: أن لا يفصل بينهما — أي بين الاستفهام والفعل — بغير ظرف، ولا مجرور، ولا معمول الفعل، فإن فصل بأحدها لم يضر، وهذا هو المراد بقوله: ((ولم ينفصل بغير ظرف — إلى آخره))

فمثال ما اجتمعت فيه الشروط قولك: ((أتقول عمرًا منطلقًا))، فعمرًا: مفعول أول، ومنطلقًا: مفعول ثانٍ، ومنه قوله:

١٣٣ — مَتَى تَقُولُ الْقُلُصَ الرَّوَاسِمَا
يَحْمِلْنَ أُمَّ قَاسِمٍ وَقَاسِمَا

فلو كان الفعل غير مضارع، نحو: ((قال زيدٌ عَمْرٌو مُنْطَلِقٌ)) لم ينصب القول مفعولين عند هؤلاء، وكذا إن كان مضارعًا بغير تاء، نحو: ((يقول زيدٌ عمرٌو منطلق)) أو لم يكن مسبوقًا باستفهام، نحو: ((أنت تقول عمرو منطلق)) أو سبق باستفهام ولكن فصل بغير ظرف، ولا جارّ ومجرور، ولا معمول له، نحو: ((أأنت تقول زيدٌ منطلقٌ)) فإن فصل بأحدها لم يضر، نحو: ((أعندك تقول زيدًا منطلقًا)) و((أفي الدار تقول زيدًا منطلقًا)) و((أعمرًا تقول منطلقا))، ومنه قوله:

۱۳۵-اجُهّالاتَقُولُ بَنِي لُؤَيٍّ
لَعَمْرُأبِيْکَ أمْ مُتَجَاهِلِينَا

فبنی (لؤیٍّ): مفعول اول، وجهالا: مفعول ثان.

وإذا اجتمعت الشروط المذكورة جاز نصب المبتدأ والخبر مفعولين لتقول، نحو: ((أتقول زيدًا منطلقًا))، وجاز رفعهما على الحكاية، نحو: ((أتقول زيدمنطلق)).

ترجمہ وتشریح:

تَقُوْلُ کا تَظُنُّ کی طرح عمل کرنا:

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ "قــول" کے بعد اگر جملہ واقع ہو جائے تو بعینہ اس جملہ کی حکایت کی جائے گی جیسے: قَالَ زیدٌ عمرٌو منطلقٌ، تقُولُ زیدٌ منطلقٌ، یہاں عمرو منطلق کی حکایت مقصود ہے۔ لہٰذا بغیر کسی تغیر کے اس کو بعینہ ذکر کر دیا گیا لیکن یہ جملہ (عمرٌو منطلق) محلاً منصوب بنا بر مفعول بہ ہے لیکن یہ بھی جائز ہے کہ اس کو ظنّ کی طرح عمل دیا جائے چنانچہ یہ مبتدا خبر دونوں کو نصب دے اور وہ دونوں اس کیلئے مفعول ہونگے۔

شارح فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں عرب کے دو مسلک ہیں۔

(۱) پہلا مسلک عام عرب کا ہے۔

(۲) دوسرا مسلک سُلیم کا ہے۔

پہلا مسلک یہ ہے کہ قول کو ظنّ کی طرح عمل دیا جا سکتا ہے اس طور پر کہ چار شرطوں کا لحاظ رکھا جائے اور یہ چار شرطیں وہی ہیں جن کو عام نحویوں نے بھی ذکر کیا ہے۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ فعل مضارع ہو۔

(۲) دوسری یہ کہ مخاطب کا صیغہ ہو ان دونوں شرطوں کی طرف مصنفؒ نے مختصر لفظ "اجعل تقول" میں اشارہ کیا ہے اس لئے کہ یہاں تقول مضارع بھی ہے اور مخاطب کا صیغہ بھی ہے۔

(۳) تیسری یہ کہ اس سے پہلے استفہام ہو "إن ولی مستفهمًا به" کے ساتھ مصنفؒ نے اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۴) چوتھی یہ کہ استفہام اور فعل کے درمیان ظرف، مجرور معمول فعل کے علاوہ کسی اور کا فاصلہ نہ ہو البتہ ان تینوں کا فاصلہ صحیح ہے۔ ''ولم ینفصل بغیر ظرف'' کے ساتھ مصنفؒ نے اس شرط کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اب یہ چاروں شرطیں جس مثال میں جمع ہیں وہ ''اَتَقُوْلُ عمرًا منطلقًا'' والی مثال ہے لہٰذا یہاں تقولُ نے تظنُّ کی طرح عمل کیا ہے عمرًا اس کیلئے مفعول اوّل اور منطلقًا مفعول ثانی ہے اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۴ - مَتَی تَقُوْلُ الْقُلُصَ الرَّوَاسِمَا
يَحْمِلْنَ أمَّ قَاسِمٍ وَقَاسِمَا

ترجمہ:...... آپ کب گمان کریں گے جوان اور تیز رو اونٹنیوں پر کہ وہ میرے پاس اٹھا لائینگی اُمّ قاسم اور قاسم کو۔

تشریح المفردات:

(تَقُوْلُ بمعنی تَظُنّ) اس لئے کہ اس میں مذکورہ چار شرطیں پائی جاتی ہیں۔ (القلص) قاف اور صاد کے ضمہ کے ساتھ قَلُوص کی جمع ہے جوان اونٹنی کو کہا جاتا ہے۔ (الرواسم) یہ القلص کی صفت ہے راسمۃ کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے سخت روندنے کی وجہ زمین پر نشانات کا پڑ جانا، یا رسیم سے ماخوذ ہے اونٹوں کی ایک تیز رفتار قسم کا نام ہے۔ (یَحْمِلن) ضرب سے ہے بمعنی اٹھانا، یہ اس کیلئے مفعول ثانی ہے ایک روایت میں (یدنین) آیا ہے بمعنی قریب ہونا (امّ قاسم) زیادہ کی بہن کی۔

محل استشہاد:

(متی تقول القلصَ الرّواسمَا) محل استشہاد ہے یہاں چونکہ ذکر کردہ چار شرطیں پائی جارہی ہیں اس لئے تقولُ بمعنی تظنّ کے ہوا اور (القلص الرواسما) اس کیلئے مفعول اور (یحملن الخ) جملہ اس کیلئے مفعول ثانی۔

شان ورود:...... ہدبۃ بن خشرم (جو کہ حجاز کا مشہور شاعر ہے) کے چچازاد بھائی نے ہدبۃ کی بہن فاطمہ کے ساتھ اظہار عشق کرتے ہوئے یہ شعر کہا:

غُــوجــی عَــلیــنَــا یَــا فَــاطِــمة

امَــا تَــرِیــنَ الــدمــع مــنّــی سَــاجِــمًــا

ترجمہ:......اے فاطمہ ہماری طرف توجہ کر کیا تو بہتا ہوا آنسو نہیں دیکھتی ۔ پھر اسی کے جواب میں هُدبة نے زیادہ کی بہن امّ قاسم سے اظہار عشق کرتے ہوئے مندرجہ بالا شعر پڑھا ای متی تقول الخ اس شعر کے سننے پر زیادہ نے ہدبہ کو مارا اور اس کے والد کو زخمی کیا ہدبہ نے زیادہ کو قتل کر کے انتقام لیا بالآخر ہدبہ کو بھی قصاصًا قتل کیا گیا۔

فلو کان الفعل الخ:

اب چار شرطوں کے احترازی ہونے کو بتا رہے ہیں۔ تقُول بمعنی تظنّ ہونے کیلئے چار شرطیں تھیں۔ فعل مضارع ہو، مخاطب ہو۔ اس سے پہلے استفہام ہو۔ استفہام اور فعل میں اجنبی کا فاصلہ نہ ہو۔ لہٰذا اگر فعل غیر مضارع ہو جیسے "قال زیدٌ عمرٌو منطلقٌ" یا مخاطب کا صیغہ نہ ہو جیسے: "یقُولُ زیدٌ عمرٌو منطلقٌ" یا اس سے پہلے استفہام نہ ہو جیسے "أنت تقُولُ عمرٌو منطلقٌ" یا استفہام ہو لیکن اجنبی کا فاصلہ ہو جیسے: "أأنتَ تقُولُ زیدٌ منطلقٌ" تو ان تمام صورتوں میں "قول" ظنّ" کے معنی میں نہیں ہوگا اور دو مفعولوں کو نصب نہیں دے گا۔

اگر ظرف کا فاصلہ ہو جیسے "أعندک تقُولُ زیدًا منطلقًا" یا جار مجرور کا ہو جیسے "أفِی الدّارِ تقُولُ زیدًا منطلقًا" یا معمول کا ہو جیسے "أعمرًا تقُولُ منطلقًا" تو ان صورتوں میں فاصلہ مضر نہیں یعنی قول ظنّ کے معنی میں ہو کر دو مفعولوں کو نصب دے گا اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۵-اَجُهّــالًا تَــقُــولُ بَــنِــی لُــؤَیٍّ

لَــعَــمْــرُ اَبِیْکَ اَمْ مُتَــجَــاهِــلِــیْــنَــا

ترجمہ:......تیرے والد کی زندگی کی قسم کیا تو بنو لؤی (یعنی قریش) کو قبیلہ مضر کی فضیلتوں سے ناواقف سمجھتا ہے (کہ قریش نے باوجود اس کے کہ مضر قبیلہ یمن والوں سے بدرجہا بہتر ہے یمن والوں کو مختلف ولایتیں دی ہیں) یا تو سمجھتا ہے کہ قریش بتکلف جاہل بنے بیٹھے ہیں۔ (یہاں شاعر کمیت بن زید قبیلہ مضر سے تعلق رکھتا ہے

قریش نے بجائے مضر والوں کے اہل یمن کو ترجیح دی تھی اس پر شاعر گلہ شکوہ کر رہا ہے)

تشریح المفردات:

(جُھَّالا) جاہل کی جمع ہے نا سمجھ ایک روایت نُوَّامًا آیا ہے . نائم کی جمع ہے بمعنی سوئے ہوئے۔ (بنو لؤی) اس سے مراد سارے قریش ہیں کیونکہ ان میں اکثر کا نسب لؤی بن غالب بن فهر بن مالک بن نضر تک پہنچتا ہے اس طرح وہ ابو القریش کہلاتے ہیں۔ (مُتَجَاهِلِينَا) باب تفاعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے باب تفاعل میں ایک خاصیت تکلف کی بھی ہوتی ہے یہاں وہی مراد ہے یعنی وہ آدمی جو جاہل نہیں لیکن اپنے آپ کو بتکلف جاہل بنائے۔ جو حضرات شعر کے شروع میں نُوَّامًا نقل کرتے ہیں ان کے ہاں متجاهلینا کی جگہ متناومینا ہے یعنی وہ آدمی جو خود بتکلف اپنے کو سلا دیں۔

محلّ استشہاد:

(اَجُهَّالا تَقُولُ بَنِی لُوَیٍّ) محلّ استشہاد ہے یہاں تَقُولُ نے تَظُنّ کی طرح عمل کیا ہے اس کا مفعول اوّل (جُهَّالاً) اور ثانی "بنی لؤی" ہے یہاں اگرچہ استفہام اور فعل کے درمیان "جُهَّالاً" کا فاصلہ آیا ہے لیکن یہ فاصلہ مضر نہیں یعنی اس کے ہوتے ہوئے بھی تَقُولُ تظُنّ کی طرح عمل کرے گا اس لئے کہ یہ فاصل خود تقُول فعل کا معمول ہے بایں طور کہ یہ اس کیلئے مفعول ثانی ہے۔

واذا اجتمعت الخ:

شارح فرماتے ہیں کہ اس تفصیل کے بعد واضح ہوا کہ جب مذکورہ بالا چاروں شرطیں پائی جائیں تو مبتدا خبر کو منصوب بنا بر مفعولیت کرنا بھی جائز ہے جیسے "اَتَقُولُ زیدًا منطلقًا" اور بنا بر حکایت ان کو مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے جیسے: اتقُولُ زیدٌ منطلقٌ

وَاجرِیَ القَولُ کَظَنّ مُطلَقَا
عِندَ سُلَیمٍ نَحوُ قُل ذَا مُشفِقَا

ترجمہ: ...... اور قول کو ظنّ کی طرح مطلقاً جاری کر دیا گیا ہے سُلَیم کے ہاں جیسے قُل ذا

مُشْفِقًا۔ (آپ اس پرشفقت کرنے والا خیال کریں)

(ش) أشار إلى المذهب الثاني للعرب في القول، وهو مذهب سليم؛ فيجرون القول مجرى الظن في نصب المفعولين، مطلقًا، أي: سواء كان مضارعًا أم غير مضارع، وجدت فيه الشروط المذكورة أم لم توجد، وذلك نحو: ((قُلْ ذَامُشْفِقًا)) ف((ذا)) مفعول أول، و((مشفقًا)) مفعول ثان، ومن ذلك قوله.

١٣٦ - قَالَتْ وَكُنْتُ رَجُلاً فَطِينَا
هٰذَا لَعَمْرُ اللهِ إِسْرَائِينَا

ف((هذا)): مفعول أول لقالت: و((إسرائينا)): مفعول ثان.

ترجمہ وتشریح:

قول کے متعلق ایک مسلک گزر گیا کہ یہ ظن کے ساتھ معنی اور عمل میں تب شریک ہوگا جب اس میں ذکر کردہ چار شرطیں پائی جائیں ورنہ نہیں اب یہاں سے قول کے اندر دوسرا مسلک بتار ہے ہیں جو سلیم کا ہے ان کے ہاں قول ظن کی طرح ہے دومفعولوں کو نصب دینے میں مطلقًا چاہے مضارع ہو یا غیر مضارع، اس میں مذکورہ شرطیں پائی جاتی ہوں یا نہیں جیسے: ''قُلْ ذامشفقا'' یہاں قول مضارع بھی نہیں مخاطب کا صیغہ بھی نہیں اس سے پہلے استفہام بھی نہیں پھر بھی عمل ہوا ہے ذا اس کیلئے مفعول اوّل اور مشفقا مفعول ثانی ہے اور اسی شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

١٣٦ - قَالَتْ وَكُنْتُ رَجُلاً فَطِينَا
هٰذَا لَعَمْرُ اللهِ إِسْرَائِينَا

ترجمہ:...... میری بیوی نے کہا (حالانکہ میں ایک سمجھدار آدمی تھا) اللہ کی قسم یہ (گوہ)
تو بنی اسرائیل کی مسخ شدہ صورتوں میں سے ہے۔

تشریح المفردات:

(فطينا) سمِعَ کے باب سے صیغہ صفت ہے اور نصر سے بھی استعمال ہوتا ہے اس مادہ کا مشہور وصف فَطِنٌ ہے، سمجھدار کو کہتے ہیں ۔(اسرائین) یہ اسرائیل میں ایک لغت ہے جس طرح جبرین کہکر جبرئیل اور اسماعین

کہکر اسماعیل مراد لیا جاتا ہے۔اسرائیل کا معنی ہے ''عبداللہ'' یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔

شانِ ورود:......شاعر ایک اعرابی تھا جو گوہ شکار کر کے گھر لایا تو اس کو بیوی نے ملامت کرتے ہوئے کہا کہ یہ بنی اسرائیل کی مسخ شدہ صورتوں میں سے ہے جس پر شاعر نے یہ شعر کہا کہ میں ایک سمجھدار آدمی تھا اس کے باوجود میری بیوی نے میرے اوپر یہ بے جا اعتراض کیا۔واضح رہے کہ یہ اس کی بیوی کا زعم باطل ہے اور عرب بھی یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ گوہ جانور بنی ا۔۔ن کی مسخ شدہ صورتوں میں سے ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی مسخ شدہ صورتیں تین دن کے بعد ختم ہوئیں تھیں اور ان کی کوئی نسل باقی نہیں رہی۔

محلِ استشہاد:

(قالت -هذا- اسرائينا) محل استشہاد ہے یہاں قال نے ظن کی طرح عمل کیا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ اس نے دو مفعولوں کو نصب دیا ہے۔ ذا مفعول اوّل (جو هذا میں ہے) اور اسرائينا مفعول ثانی۔ان کے ہاں چونکہ اسرائينا منصوب ہے اس لئے یہ مفعول ثانی ہوا قالت کیلئے۔

البتہ بعض حضرات نے اس شعر میں ایسی تاویل کی ہے کہ جس سے مذکورہ شعر مصنفؒ یا شارحؒ کے موافق نہیں ہوتا اور وہ یہ کہ هذا مبتدا ہے اور اسرائينا منصوب نہیں بلکہ محلًا مجرور ہے اور اس میں دو مضاف حذف ہیں أی هذا ممسوخ بني اسرآئينا مضاف کو حذف کر کے اسرائينا مضاف الیہ کو برقرار رکھا اور مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو جر پر باقی رکھنا جائز ہے اگر چہ اس طرح قلیل ہے۔اور مضاف الیہ اسرائينا پر غیر منصرف ہونے کی وجہ سے کسرہ نہیں آتا اس لئے کہ اس میں دو سبب علمیت اور عجمہ پائے جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اس تاویل پر اسرائينا (اى هذا ممسوخ بني اسرائينا) هذا سے خبر ہے قول کیلئے مفعول نہیں لہٰذا اس سے مصنفؒ یا شارحؒ کا استدلال صحیح نہیں۔لیکن صاحب منحة الجليل نے یہاں انصاف کی بات کہی ہے کہ یہ بات تو پکی ہے کہ قول کے ذریعہ سے دو مفعولوں کو مطلقاً نصب دینا بعض عرب کی ایک لغت ہے لہٰذا کوئی بعید نہیں کہ شاعر بھی ان ہی عرب میں سے ہو جن کی یہ لغت ہے۔

واللہ اعلم

وَصلتُ الیٰ هذا المقام تحریرًا فی ۱۳ شعبان ۱۴۲۵ھ فالحمدللہ

أَعْلَمَ وَأَرَى

إِلَى ثَلَاثَةٍ رَأَى وَعَلِمَا
عَدَّوْا إِذَا صَارَا أَرَى وَأَعْلَمَا

ترجمہ:.....رای اور عَلِمَ جب أرى اور أعلمَا ہو جائیں تو پھر نحوی حضرات تین مفعولوں کی طرف ان کو متعدی کرتے ہیں (یعنی ہمزہ سے پہلے دو اور ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں) (عَدَّوا) جمع کا صیغہ ہے مراد اس سے علماء نحو ہیں کہ وہ ان کو تین کی طرف متعدی کرتے ہیں۔

(ش) أشار بهذا الفصل إلى ما يتعدّى من الأفعال إلى ثلاثة مفاعيل؛ فذكر سبعة أفعال: منها ((أعلم، وأرى)) فذكر أن أصلهما ((علم، ورأى))، وأنهما بالهمزة يتعديان إلى ثلاثة مفاعيل؛ لأنهما قبل دخول الهمزة عليهما كانا يتعدّيان إلى مفعولين نحو "علم زيدٌ عمروا منطلقًا" و"رأى بكر خالدًا أخاك" فلما دخلت عليهما همزة النقل زادتهما مفعولا ثالثًا، وهو الذي كان فاعلا قبل دخول الهمزة، وذلك نحو: ((أعلمت زيدًا عمرًا منطلقًا)) و((أريت خالدًا بكرًا أخاك))؛ فزيدًا، وخالدًا: مفعول أول، وهو الذي كان فاعلًا حين قلت: ((علم زيد، ورأى خالد))،

وهذا هو شأن الهمزة، وهو: أنها تصير ما كان فاعلا مفعولا، فإن كان الفعل قبل دخولها لازمًا صار بعد دخولها متعديًا إلى واحد، نحو: ((خرج زيد، وأخرجت زيدًا)) وإن كان متعديًا إلى واحد صار بعد دخولها متعديًا إلى اثنين، نحو: ((لبس زيد جبّةً)) فتقول: ((ألبستُ زيدًا جبة)) وسيأتي الكلام عليه، وإن كان متعديًا إلى اثنين صار متعديا إلى ثلاثة، كما تقدم في ((أعلم، وأرى)).

ترجمہ وتشریح:

وہ افعال جو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں

اس فصل میں ان افعال کا ذکر کیا جا رہا ہے جو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں، ان میں سے یہاں سات افعال کو ذکر کیا گیا ہے۔ اعلَمَ، أرى کو پہلے ذکر کیا ان دونوں کی اصل عَلِمَ، رأى تھی ہمزہ کے داخل ہونے سے

پہلے یہ دومفعولوں کی طرف متعدی ہوا کرتے تھے۔ جیسے: عَلِمَ زیدٌ عمراً منطلقاً' رای خالدٌ بکرًا اخاک' لیکن جب ان پر همزة النقل (چونکہ یہ ایک باب سے دوسرے باب کی طرف نقل کرتا ہے اس وجہ سے اس کو همزة النقل کہتے ہیں) داخل ہوگیا تو اس نے ایک تیسرے مفعول کا بھی اضافہ کیا اور یہ تیسرا مفعول وہی ہے جو اس ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے فاعل تھا جیسے: اَعْلَمْتُ زیداً عمرًا منطلِقاً، اَرَیْتُ خالداً بکرًا اخاک۔ یہاں ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد زیداً اور خالداً مفعول ہوئے جبکہ ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے عَلِمَ زیدٌ، رای خالدٌ میں یہ دونوں فاعل تھے۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہمزہ کی شان ہے کہ اس کے داخل ہونے سے پہلے جو فاعل ہوتا ہے وہ اس کے داخل ہونے کے بعد مفعول بن جاتا ہے پس اگر اس کے داخل ہونے سے پہلے وہ فعل لازمی ہو جیسے: خَرَجَ زیدٌ تو اس کے داخل ہونے کے بعد وہ متعدی بیک مفعول ہوگا جیسے اخرجتُ زیداً اور اگر پہلے ایک مفعول کی طرف متعدی ہو تو اس کے داخل ہونے کے بعد دومفعولوں کی طرف متعدی ہوگا جیسے لَبِسَ زیدٌ جُبَّةً، اَلْبَسْتُ زیداً جُبَّةً اور دو کی طرف متعدی ہو تو اس کے داخل ہونے کے بعد تین کی طرف متعدی ہوگا جیسا کہ ''اَعْلَمَ'' ''اَرٰی'' میں گزر گیا۔

وَمَا لِمَفْعُولَيْ عَلِمْتُ مُطْلَقَا
لِلثَّانِ وَالثَّالِثِ اَيْضًا حُقِّقَا

ترجمہ:...... جو احکام عَلِمْتُ کے دومفعولوں کیلئے ہیں مطلقاً تو وہی احکام اَعْلَمَ، اَرٰی کے دوسرے اور تیسرے مفعول کیلئے بھی ثابت ہیں۔

(ش) أی: يثبت للمفعول الثانی والمفعول الثالث من مفاعيل ((أعلم، وأری)) ماثبت لمفعولی ((علم، ورأی)): من كونهما مبتدأ وخبرًا فی الأصل، ومن جواز الإلغاء والتعليق بالنسبة إليهما، ومن جواز حذفهما أو حذف أحدهما إذا دلّ علی ذلک دليل.

ومثال ذلک: ((أعلمت زيدًا عمرًا قائمًا)) فالثانی والثالث من هذه المفاعيل أصلهما المبتدأ والخبر —وهما ((عمرو قائم))— ويجوز إلغاء العامل بالنسبة إليهما، نحو: ((عمرو أعلمت زيدًا قائمٌ)) ومنه قولهم: ((البَرَكَةُ أعْلَمَنَا اللهُ مَعَ الأكابر)) ف ((نا)): مفعول أول، و((البركة

مبتدأ، و((مع الأكابر)) ظرف في موضع الخبر، وهما اللذان كانا مفعولين، والأصل: ((أعلمنا الله البركة مع الأكابر))، ويجوز التعليق عنهما؛ فتقول: ((أعلمت زيدًا لعمرو قائم))

ومثال حذفهما للدلالة أن يقال: هل أعلمت أحدًا عمرا قائمًا؟ فتقول: أعلمت زيدًا ومثال حذف أحدهما للدلالة أن تقول في هذه الصورة: ((أعلمت زيدًا عمرا)) أي: قائمًا، أو ((أعلمت زيدًا قائمًا)) أي: عمرا قائمًا.

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے عَلِمَ، رأی کے دونوں مفعولوں کیلئے کچھ احکام ذکر ہوئے مثلاً یہ کہ ان کے دونوں مفعول اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر ہوتے ہیں جیسے: عَلِمَ زیدٌ عمرا قائمًا میں عمرو اور قائم مفعول بننے سے پہلے اصل میں مبتدا خبر تھے چنانچہ عمرو قائم کہا جاتا تھا اور یہ کہ ان میں الغاء وتعلیق دونوں ہوا کرتے ہیں اور یہ کہ ان دونوں کا یا ایک کا دلالت کی وجہ سے حذف جائز ہے یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ یہ سارے احکام أعْلَمَ، أرٰی کے دوسرے اور تیسرے مفعول کیلئے بھی ثابت ہونگے۔

چنانچہ اعلمت زیدًا عمرًا قائمًا میں دوسرا اور تیسرا مفعول اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر ہیں، اسی طرح اس میں بھی الغاء جائز ہے جیسے عمرٌو اعلمتُ زیدًا قائمٌ اور اسی سے ان کا یہ قول بھی ہے۔ "البَرَكَةُ أعْلَمَنا اللّٰهُ مَعَ الاكابر" یہاں (نا) ضمیر متکلم مفعول اوّل ہے (البركة) مبتدا ہے (مع الاكابر) ظرف ہے خبر کی جگہ پر واقع ہے اور یہ دونوں پہلے مفعول تھے اصل عبارت یوں تھی "أعلَمَنا اللّٰهُ البركةَ مَعَ الاكابر" تعلیق کی مثال جیسے "أعلمتُ زيدًا العمرٌو قائمٌ" دونوں کے حذف کی مثال بوجہ دلالت کے یہ ہے کہ کہا جائے "هَلْ اعلمتَ احدًا قائمًا" اور جواب میں صرف اعلمتُ زیدًا کہہ کر دو مفعولوں کو حذف کیا جائے، ایک کے حذف کی مثال یہ ہے کہ آپ اسی صورت میں کہہ دیں "اعلمتُ زيدًا عمرًا" یا "اعلمتُ زيدًا قائمًا"

وَإنْ تَعَدَّيَا لِوَاحِدٍ بِلاَ
هَمْزٍ فَلاِثْنَيْنِ بِهِ تَوَصَّلاَ

وَالثَّانِ مِنْهُمَا كَثَانِي اثْنَيْ كَسَا
فَهُوَ بِهِ فِي كُلِّ حُكْمٍ ذُو ائْتِسَا

ترجمہ:.....اگر رأی اور علم ہمزہ کے بغیر ایک مفعول کی طرف متعدی ہوں تو ہمزہ کے ساتھ دو کی طرف متعدی ہونگے اور ان کا دوسرا مفعول "کَسَا" کے دوسرے مفعول کی طرح ہے۔ پس یہ ہر حکم میں اس کا تابع ہے۔

(ش) تقدم أن ((أى، وعلم)) إذا دخلت عليهما همزة النقل تعديا إلى ثلاثة مفاعيل، وأشار في هذين البيتين إلى أنه إنما يثبت لهما هذا الحكم إذا كانا قبل الهمزة يتعدّيان إلى مفعولين، وأما إذا كانا قبل الهمزة يتعدّيان إلى واحد -كما إذا كانت ((رأى)) بمعنى أبصر، نحو: ((رأى زيد عمرًا)) و((علم)) بمعنى عرف نحو: ((علم زيدٌ الحق)) - فإنهما يتعديان بعد الهمزة إلى مفعولين، نحو: ((أريت زيدًا عمرًا)) و((أَعْلَمْتُ زيدًا الحقَّ)) والثاني من هذين المفعولين كالمفعول الثاني من مفعولي ((كسا)) و((أعطى)) نحو: كَسَوْتُ زيدًا جُبَّةً)) و((أعطيتُ زيدًا درهما)): في كونه لا يصح الإخبار به عن الأول؛ فلا تقول: [زيد الحق، كما لا تقول] ((زيد درهم))، وفي كونه يجوز حذفه مع الأول، وحذف الثاني وإبقاء الأول، وحذف الأول وإبقاء الثاني، وإن لم يدل على ذلك دليل؛ فمثال حذفهما: ((أعلمتُ وأعطيتُ))، ومنه قوله تعالى: ﴿فأمّا من أعطى واتقى﴾، ومثال حذف الثاني وإبقاء الأول: ((أعلمت زيدًا، وأعطيت زيدًا)) ومنه قوله تعالى: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾، ومثال حذف الأول وإبقاء الثاني نحو: ((أَعْلَمْتُ الحقَّ، وأعطيتُ دِرْهَمًا)) ومنه قوله تعالى: ﴿حَتَّى يُعْطُوا الجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ وهذا معنى قوله: ﴿والثاني منهما- إلى آخر البيت)).

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ رای، عَلِم پر جب ہمزہ داخل ہو جائے تو یہ تین مفعول کی طرف متعدی ہونگے اب ان دو اشعار میں اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ مذکورہ حکم اس وقت ہے جب یہ دونوں ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہوں۔ ورنہ اگر ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے ایک مفعول کی طرف

متعدی ہوں مثلاً جب "رای" "اَبصَرَ" کے معنی میں ہو جیسے "راٰی زیدٌ عمرًا" اور عَلِمَ "عَرَفَ" کے معنی میں ہو جیسے "عَلِمَ زیدٌ الحقَّ" تو ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد صرف دو کی طرف متعدی ہونگے جیسے "اَرَیتُ زیدًا عمرًا" "اعلمتُ زیدًا الحقَّ"

والثانی الخ:

دوسرے شعر کی تشریح کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ ان دو مفعولوں میں دوسرے مفعول کا حکم وہی ہے جو "کسا" اور "اعطی" کے دوسرے مفعول کا ہے کہ اس کے ذریعہ پہلے مفعول سے خبر دینا جائز نہیں لہٰذا "اعطیتُ زیدًا درھمًا" میں جیسے زیدٌ درھمٌ "نہیں کہہ سکتے اسی طرح "اعلمتُ زیدًا الحقَّ" میں زیدٌ حقٌّ "نہیں کہہ سکتے۔ اس حکم میں بھی شریک ہے کہ دوسرے مفعول کو حذف کر کے پہلے کو ذکر کریں یا برعکس، اگر چہ اس پر دلیل دلالت بھی نہ ہوے۔

دونوں مفعولوں کے حذف کی مثال "اَعلمتُ" "اعطیتُ" ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "فامّا مَنْ اعطی واتّقٰی" دوسرے مفعول کے حذف اور پہلے کے ذکر کی مثال "اَعلمتُ زیدًا" اعطیتُ زیدًا ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ "وَلَسَوْفَ یُعْطِیکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی" یہاں (ک) مفعول اوّل ذکر ہے اور مفعول محذوف ہے۔ پہلے کے حذف اور دوسرے کے ذکر کی مثال "اعلمتُ الحقَّ" "اعطیتُ درھمًا" ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "حتّٰی یُعطوا الجزیۃ" یہاں (المسلمین) مفعول اوّل حذف ہے۔ (والثان منھما الخ) والے شعر کا یہی مطلب ہے۔

وَکَــــارَی السَّــــابِــقِ نَبَّـــا، اَخبَـــرَا
حَــــدَّثَ اَنْبَـــــا، کَــــذَاکَ خَبَّــــرَا

ترجمہ:...... پہلے اری کی طرح نبا، اخبرَ، حدّث، انبا بھی ہے اسی طرح خبّرَ بھی ہے۔

تقدّم أن المصنف عدّ الأفعال المتعدية إلى ثلاثة مفاعيل سبعة، وسبق ذكر: ((أعلم، وأرى)) وذكر في هذا البيت الخمسة الباقية، وهي: ((نَبَّأَ)) كقولك: ((نَبَّأتُ زيدًا عمرًا قائمًا)) ومنه قوله:

۱۳۷- نُبِّئْتُ زُرْعَةَ والسَّفَاهَةُ كَاسْمِهَا
يُهْدِي إِلَيَّ غَرَائِبَ الأَشْعَارِ

وَ((أَخْبَرَ)) كقولك: ((أخبرت زيدًا أخاك منطلقًا)) ومنه قوله:

۱۳۸- وَمَا عَلَيْكِ -إِذَا أُخْبِرْتِنِي دَنِفًا
وَغَابَ بَعْلُكِ يَوْمًا- أَنْ تَعُودِينِي؟

وَ((حدَّث)) كقولك: ((حدّثتُ زيدًا بكرًا مقيمًا)) ومنه قوله:

۱۳۹- أَوْ مَنَعْتُمْ مَا تُسْأَلُونَ، فَمَنْ حُدِّ
ثْتُمُوهُ لَهُ عَلَيْنَا الْوَلَاءُ

وَ((أنبأ)) كقولك: ((أنبأت عبدالله زيدًا مسافرًا))ومنه قوله:

۱۴۰- وَأُنْبِئْتُ قَيْسًا وَلَمْ أَبْلُهُ
كَمَا زَعَمُوا خَيْرَ أَهْلِ الْيَمَنْ

وَ((خبَّر)) كقولك: ((خبّرت زيدًا عمرًا غائبًا))ومنه قوله:

۱۴۱- وَخُبِّرْتُ سَوْدَاءَ الْغَمِيمِ مَرِيضَةً
فَأَقْبَلْتُ مِنْ أَهْلِي بِمِصْرَ أَعُودُهَا

وإنما قال المصنف: ((وكأرى السابق)) لأنه تقدم في هذا الباب أن ((أرى)) تارة تتعدّى إلى ثلاثة مفاعيل، وتارة تتعدّى إلى اثنين، وكان قدذكر أولا [أرى] المتعدية إلى ثلاثة؛ فنبّه على أن هذه الأفعال الخمسة مثل ((أرى)) السابقة، وهي المتعدية إلى ثلاثة، لا مثل ((أرى)) المتاخرة، وهي المتعدية الى اثنين.

ترجمہ وتشریح:

وہ افعال جو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوا کرتے تھے ان میں ''أعلَمَ'' اور ''أرىٰ'' کا ذکر پہلے ہو چکا
اب باقی پانچ کو ذکر کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک ''نَبّأ'' بھی ہے جیسے ''نبّأت زیدًا عمرًا

انما" اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

١٣٧ ـ نُبِّئتُ زُرْعَةَ والسَّفَاهَةُ كَاسْمِهَا
يُهْدِیْ إلَیَّ غَرَائِبَ الاشْعَار

ترجمہ:...... مجھے زرعۃ کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ مجھے عجیب اور غیر مانوس اشعار بھیجتا ہے (اور بے وقوفی اپنے معنی میں اسی طرح قبیح ہے جس طرح بے وقوفی کا لفظ، شاعر کا مطلب یہ ہے کہ زرعۃ بے وقوف اور کمزور عقل والا آدمی ہے)

تشریح المفردات:

(نُبِّئتُ) باب تفعیل سے ماضی مجہول واحد متکلم کا صیغہ ہے خبردار کرنا، نبا اور خبر میں بعض حضرات فرق نہیں کرتے اور بعض کے نزدیک (نبا) (خبر) سے خاص ہے اس لئے کہ (نبا) کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو زیادہ اہمیت والا اور بڑی شان ہو جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "عمّ یتساء لون عن النبا العظیم" (السفاهة) بے وقوفی و عقل کا کمزور ہونا از سمع (والسفاهة كاسمها أراد انّ السفاهة في معناها قبيحة كما انّ اسمها قبيح) يُهدِی باب افعال سے ہدیہ، تحفہ دینا (غرائب) غريبة کی جمع ہے عجیب اور انوکھی بات۔ یہاں (غرائب الاشعار) سے وہ اشعار مراد ہیں جن کا قائل باقاعدہ تجربہ کار شاعر نہ ہو، اس طرح آدمی کے اشعار بھی عجیب و غریب لگتے ہیں۔

شانِ ورود:

...... یہ نابغہ ذبیانی کا شعر ہے اس میں زرعة بن عمرو بن خويلد کی مذمت بیان کر رہا ہے یہ دونوں عکاظ بازار میں ایک دوسرے سے ملے زرعہ نے نابغہ ذبیانی کو بنو اسد کی دشمنی اور ان کی قطع تعلقی پر ابھارا آپس میں حلیف ہونے کی وجہ سے اس طرح کرنا چونکہ دھوکے میں آ رہا تھا اس وجہ سے نابغہ نے انکار کر دیا زرعہ اپنی جانب چل پڑا اور نابغہ کو دھمکیاں دینے لگا اور اس کے خلاف اشعار کہنے لگا نابغہ کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے یہ شعر کہا "نبئتُ زرعة الخ"

محل استشہاد:

(نبئتُ زرعة...... یهدی) محل استشہاد ہے۔ یہاں نبا تین مفعولوں کی طرف متعدی ہے مفعول اوّل (تُ)

ضمیر نائب فاعل ہے اور مفعول ثانی زرعة ہے اور يُهْدِىْ إِلَىَّ غرائب الاشعار" جملہ مفعول ثالث ہے۔

تین مفعولوں کی طرف متعدی ہونے والا ایک فعل "أَخْبَرَ" بھی ہے جیسے "أَخْبَرْتُ زيدًا أخاك منطلقًا" اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۸—وَمَا عَلَيْكِ —إِذَا أُخْبِرْتِنِىْ دَنِفًا

وَغَابَ بَعْلُكِ يَوْمًا—أَنْ تَعُوْدِيْنِى؟

ترجمہ:...... کس چیز نے آپ کو میری عیادت کرنے سے روکا جب آپ کو میرے بیمار ہونے کی خبر دی گئی حالانکہ ایک دن آپ کا شوہر بھی گھر سے غائب تھا۔ (یعنی باوجود میرے مریض (مریض عشق) ہونے کے آپ میری عیادت کو کیوں نہیں آئی)

تشریح المفردات:

(وماعلیک) استفہام انکاری ہے أی "أيُّ شيء ثبتَ عليك في عيادتي" (دنف) بروزن کتِف اس دائمی مرض کو کہتے ہیں جو انسان کی قوتوں کو ختم کر دے۔ یہاں عشق کا مرض مراد ہے۔ (بعل) شوہر، بیوی جمع بعال و بعول (تعودی) نصر سے عیادت کرنا' واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے آخر سے نون حذف ہوا ہے (عیادۃ) مریض کی مزاج پرسی کو کہتے ہیں۔

محل استشہاد:

(أخبِرْتني دنفًا) محل استشہاد ہے یہاں "اخبر" نے تین مفعولوں میں عمل کیا ہے مفعول اوّل تاء ضمیر بارز جو کہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، اور دوسرا مفعول یاء متکلم اور تیسرا دنفًا۔

وحدّث الخ:

حدّث بھی تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے "حَدَّثْتُ زيدًا بكرًا مقيمًا" اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۳۹—أو مَنَعْتُمْ مَا تُسْأَلُوْنَ، فَمَنْ حُدْ

ثْتُمُوْهُ لَهُ عَلَيْنَا الْوَلَاءُ

ترجمہ:......(تم سے بھائی بندی اور مساوات کا مطالبہ کیا گیا تھا) اور تم نے منع کیا اس چیز کو جو تم سے مانگی گئی تھی پس کون ہے جس کے بارے میں تمہیں خبر دی گئی کہ اس کو ہمارے اوپر غلبہ حاصل ہے؟ (استفہام انکاری ہے یعنی کوئی بھی نہیں جس کو ہمارے اوپر غلبہ حاصل ہو)

تشریح المفردات:

(أو منعتُم) ماقبل کے شعر پر عطف ہے، (منعتم) ای ما نسالکم ان تعطوه من النصفة والاخاء والمساواة، (الولاء) بمعنی غلبہ، بلندی ایک روایت میں (علاء) آیا ہے۔

محل استشہاد:

(حدثتموه) لهُ علينا الولاء محل استشہاد ہے یہاں حدّث نے تین مفعولوں میں عمل کیا ہے ایک نائب فاعل مخاطب کی ضمیر ہے اور دوسرا (ہ) ضمیر غائب اور تیسرا جملہ "لهُ علينا الولاءُ" ہے۔

وَأنبأ الخ:

تین مفعولوں کی طرف متعدی ہونے والا ایک فعل "انبأ" بھی ہے جیسے " انبأت عبدَالله زيدًا مُسافِرًا" اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۴۰- وَأُنبِئْتُ قَيْسًا وَلَمْ أَبْلُهُ
كَمَا زَعَمُوا خَيْرًا أَهْلِ الْيَمَنْ

ترجمہ:...... مجھے قیس کے بارے میں خبر دی گئی (اور میں نے خود اس کا امتحان نہیں لیا یعنی میں نے اس پر تجربہ نہیں کیا) کہ وہ یمن والوں میں سے بہترین آدمی ہے۔

تشریح المفردات:

(قيسًا) یہاں قیس بن معدیکرب مراد ہے، اعشٰی میمون بن قیس اس کی تعریف کر رہا ہے۔ (لم أبله) بلا یبلو امتحان لینے کے معنی میں ہے نصر سے ہے مجزوم بحذف الواوَ ہے۔

محل استشہاد:

(انبئت قیسا...... خیر اهل الیمن) محل استشہاد ہے یہاں ''انبا'' نے تین مفعولوں میں عمل کیا ہے اوّل تاءِ متکلم ہے جو نائب فاعل واقع ہے دوسرا مفعول قیسًا اور تیسرا خیرَ اهل الیمن ہے۔

وخبّر الخ:

خَبَّرَ بھی تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے: ''خَبَّرْتُ زیدًا عمرًا غائبًا'' اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۴۱ــوَخُبِّــرْتُ سَــوْدَاءَ الْــغَـمِـيْـمِ مَــرِيْـضَـةً

فَــأَقْـبَـلْــتُ مِـنْ أَهْـلِـيْ بِـمِـصْـرَ أَعُـوْدُهَــا

ترجمہ...... مجھے خبر دی گئی کہ سوداء الغمیم (محبوبہ کا لقب ہے) بیمار ہے تو میں مصر میں اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر اس کی عیادت کیلئے آیا۔

تشریح المفردات:

(سوداء الغمیم) یہ محبوبہ کا لقب ہے چونکہ وہ غمیم نامی جگہ میں رہتی تھی اس وجہ سے یہ لقب پڑ گیا، غمیم حجاز کے ایک علاقے کا نام ہے۔ (بمصر) ترکیب کے اعتبار سے ''اهلی'' کیلئے صفت ہے ای ''الکائنین بمصر (اعودها) اقبلت'' کی تاء سے حال مقدرہ ہے۔

شان ورود:...... یہ شعر عوام بن عقبہ بن کعب بن زہیر کا ہے ان کے والد اور دادا سب شاعر تھے شاعر بنو عبداللہ بن غطفان کی ایک عورت پر عاشق ہوا اور اس کے والد کو بھی اسی عورت کے ساتھ عشق تھا عوام روزگار کیلئے گیا راستہ میں پتہ چلا کہ اس کی محبوبہ بیمار ہے وہاں سے مصر چھوڑ کر عیادت کیلئے اپنی محبوبہ کے پاس آیا، محبوبہ نے اشارہ کر کے پوچھا تو عوام نے جواب دیا کہ میں آپ کی عیادت کیلئے آیا ہوں۔

آپس کی بات چیت کے بعد محبوبہ نے عوام کو واپس جانے کی اجازت دی۔ چنانچہ وہ چلا گیا اس کے چلے جانے کے بعد محبوبہ اس کے فراق اور بیماری کی وجہ سے انتقال کر گئی، یہاں شاعر اسی نقشہ کو پیش کر رہا ہے۔

محل استشہاد:

(خُبِّرْتُ سوداء الغميم مريضة) محل استشہاد ہے یہاں ''خُبِّرَ'' نے تین مفعولوں میں عمل کیا ہے ایک تاء ضمیر جو نائب فاعل واقع ہے۔ دوسرا (سوداء الغميم) اور تیسرا مریضة۔

وانّما قال المصنّف الخ:

مصنفؒ نے ''وكارى السّابق نبّأ الخ'' کہا اس لئے کہ اس سے پہلے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ''ارٰی'' کبھی تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور کبھی دو مفعولوں کی طرف۔ پہلے مصنفؒ نے جس ''ارٰی'' کو ذکر کیا ہے وہ تین مفعول کی طرف متعدی ہونے والا ہے۔ یہاں مصنفؒ نے (وكارى السابق نبّأ الخ) کہکر اشارہ کیا کہ نبّأ اور اس کے علاوہ دیگر افعال پہلے والے ذکر کردہ ''ارٰی'' کی طرح ہیں یعنی تین مفعول کی طرف یہ بھی متعدی ہوتے ہیں اور اس ''أرٰی'' کی طرح نہیں جس کا ذکر بعد میں ہوا یعنی جو دو مفعول کی طرف متعدی ہے۔

اَلْفَاعِلُ

الفَاعِلُ الَّذِی کَمَرْفُوعَی "أَتٰی
زَیْدٌ" مُنِیرًا وَجْهُهُ نِعْمَ الفَتٰی

ترجمہ:...... فاعل وہ ہے جو أتی زیدٌ "مُنیرًا وَجهُهٗ اور نعمَ الفتٰی کے دونوں مرفوع کی طرح ہو۔(أتی زیدٌ فعل متصرف اور نعم الفتی فعل غیر متصرف اور "مُنیرًا وجهُه" مرفوع بشبه الفعل کی مثال ہے)۔

(ش) لمافرغ من الكلام على نواسخ الابتداء شرع في ذكر مايطلبه الفعل التام من المرفوع -وهو الفاعل،أونائبه- وسيأتي الكلام على نائبه في الباب الذي يلي هذاالباب.

فأماالفاعل فهو:الاسم،المسند إليه فعل،على طريقة فعل، أوشبهه، وحكمه الرفع والمراد بالاسم:مايشمل الصريح، نحو:((قَامَ زيدٌ)) والمؤوَّل به،نحو: ((يعجبني أن تقومَ))أى :قِيَامُكَ.

فخرج ب ((المسند إليه فعل)) ماأسندإليه غيره،نحو:((زَيدٌ أخوكَ))أوجملة، نحو: ((زيد قام أبوه)) أو((زيدٌ قامَ))أوماهو في قوة الجملة، نحو:((زيدٌقائمٌ غُلامُهُ))أو زيدٌقائمٌ))أى: هو.

وخرج بقولنا((على طريقة فعل)) ماأسندإليه فعل على طريقة فعل،وهو النائب عن الفاعل، نحو:((ضُربَ زيدٌ))

والمرادبشبه الفعل المذكور:اسم الفاعل، نحو:((أقائمٌ الزَّيْدانِ))،والصفة المشبهة،نحو: ((زيدٌ حَسَنٌ وَجْهُهُ)) والمصدر،نحو:((عجبت من ضرب زيدٍعمرًا))واسم الفعل،نحو:((هَيْهَاتَ العَقِيقُ)) والظرف والجاروالمجرور، نحو:((زيدٌعندك أبوه))أو((في الدارغُلامَاهُ)) وأفعل التفضيل،نحو:((مررت بالأفضل أبوه))فأبوه:مرفوع بالأفضل،وإلى ماذكرأشارالمصنف بقوله:((كمرفوعى أتى -إلخ))

والمراد بالمرفوعين ماكان مرفوعًابالفعل أوبمايشبه الفعل، كماتقدم ذكره، ومثل المرفوع بالفعل بمثالين: أحدهما مارفع بفعل متصرف، نحو: ((أتى زيد))، والثاني مارفع بفعل غير متصرف، نحو: ((نِعْمَ الفَتَى))، ومثّل للمرفوع بشبه الفعل بقوله: ((منيرًا وجهه)).

ترجمہ وتشریح:

نواسخ الابتداء پر تفصیلی کلام گزر چکا اب اس چیز کو ذکر کر رہے ہیں جس کو فعل تام (اگر چہ ناسخ ہو جیسے: سنث) طلب کرتا ہے اور وہ فاعل یا نائب فاعل کہلاتا ہے۔ نائب فاعل کا ذکر اس باب کے بعد آئے گا انشاء اللہ یہاں فاعل کو ذکر کر رہے ہیں۔

فاعل کی تعریف:

فاعل وہ اسم ہے جس کی طرف فعل کا اسناد کیا گیا ہو " فَعَلَ " کے طریقہ پر یا شبہ فعل کی نسبت کی گئی ہو اور اس کا حکم مرفوع ہونا ہے۔

اسم کہا تو یہ اسم صریح کو بھی شامل ہوا جیسے " قَامَ زیدٌ " اور اس کو بھی شامل ہوا جو صراحۃً تو فعل ہو لیکن ماویلاً بالمصدر اسم ہو جیسے یعجبنی أن تقوم، أن جب مضارع پر داخل ہو تو اس کو مؤول بالمصدر کرتا ہے "المسند الیه فعل" کہا تو احتراز کیا اس سے جس کی طرف غیر فعل کا اسناد کیا گیا ہو جیسے زیدٌ اخوک یا جملہ کا اسناد ہو جیسے "زیدٌ قامَ ابوه" زیدٌ قامَ، یا مکمل جملہ کا اسناد تو نہ ہو لیکن "فی قوۃ الجملة" کا ہو جیسے "زیدٌ قائمٌ غلامه" یا زید قائم "ای هُو

علی طریقة فَعَلَ ۔فعل کے طریق پر اسناد ہو یعنی فعل معروف کا اسناد ہو اس سے احتراز کیا اس اسناد سے جو علی طریقة فعل" ہو یعنی فعل مجہول والا ہو جیسے ضُرِبَ زیدٌ.

المرادبشبه الفعل الخ:

شبہ فعل سے مراد اسم فاعل ہے جیسے: "أقائمٌ الزیدان" اور صفت مشبہ جیسے "زیدٌ حَسَنٌ وَجْهُهُ" اور مصدر جیسے "عجبتُ مِنْ ضَرْبِ زیدٍعمرًا، اسم فعل جیسے هَیْهَاتَ العقیقُ" ظرف اور جار مجرور جیسے: زیدٌ عندک ابوه" فی الدّارِ غُلامَاهُ" اسم تفضیل جیسے "مَرَرْتُ بالأفضل أبوه" اسی کی طرف مصنفؒ نے

کمرفوعی الخ کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

مرفوعین سے مراد مرفوع بالفعل اور مرفوع بشبه الفعل ہیں، مرفوع بالفعل کی دو مثالیں مصنفؒ نے دی ہیں ایک وہ ہے جو مرفوع بالفعل المتصرف ہو جیسے "أتیٰ زیدٌ" اور ایک وہ ہے جو مرفوع بالفعل الغیر المتصرف ہو۔ جیسے نِعمَ الفتیٰ، مُنیرًا وَجْهُهُ۔

وَبَعْدَ فِعْلٍ فَاعِلٌ فَإن ظَهَر
فَهُوَ وَإلّا فَضَمِيرٌ استَتَر

ترجمہ:...... فعل کے بعد فاعل ہوتا ہے پس اگر فاعل ظاہر ہو تو وہی مطلوب ہے ورنہ فاعل وہ ضمیر ہوگی جو مستتر ہے۔

(ش) حكم الفاعل التأخر عن رافعه- وهو الفعل أو شبهه -نحو: ((قام الزيدان، وزيدقائمٌ غلاماه، وقام زيد)) ولا يجوز تقديمه على رافعه؛ فلا تقول: ((الزيدان قام))، ولا ((زيد غلاماه قائم))، ولا ((زيد قام)) على أن يكون ((زيد)) فاعلا مقدما، بل على أن يكون مبتدأ، والفعل بعده رافع لضمير مستتر، والتقدير ((زيدٌ قَامَ هُوَ)) وهذا مذهب البصريين، وأما الكوفيون فأجازوا التقديم في ذلك كله.

وتظهر فائدة الخلاف في غير الصورة الأخيرة-وهي صورة الأفراد-نحو: ((زَيْدٌ قَامَ))؛ فتقول على مذهب الكوفيين: ((الزيدان قَامَ)) والزيدون قامَ)) وعلى مذهب البصريين يجب أن تقول: ((الزيدان قَامَا، والزيدون قاموا))، فتأتي بألف وواو في الفعل، ويكونان هما الفاعلين، وهذا معنى قوله: ((وبعد فعل فاعل)).

وأشار بقوله فإن ظهر-الخ)) إلى أن الفعل وشبهه لابد له من مرفوع فإن ظهر فلا إضمار نحو: ((قَامَ زيد))، وإن لم يظهر فهو ضمير، نحو: ((زيدٌقَامَ)) أي: هو.

ترجمہ وتشریح:

فاعل ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے:

فاعل چونکہ وضعاً فعل کے بعد ہوتا ہے اس وجہ سے فاعل کی تقدیم جائز نہیں دوسری بات یہ ہے کہ فاعل کی تقدیم کی صورت میں مبتداء کے ساتھ التباس آتا ہے۔ مثلاً اگر فاعل کی تقدیم کو جائز قرار دیا جائے تو زیدٌ قامَ میں پتہ نہیں چلے گا کہ یہاں زید مبتدا ہے اور قام سے خبر دی جارہی ہے یا قیام کا اسناد کرنا مقصود ہے۔ لہٰذا بصریین کے یہاں فاعل کی تقدیم جائز نہیں۔ چنانچہ زیدٌ قامَ والی ترکیب میں زید مبتدا اور قام فعل فاعل جملہ خبر واقع ہے، اور کوفیین کے ہاں ان تمام صورتوں میں فاعل کی تقدیم جائز ہے۔

ثمرہ اختلاف:

اختلاف کا ثمرہ مفرد کے علاوہ تثنیہ جمع میں ظاہر ہوتا ہے کوفیین کے مذہب کے مطابق ''الزیدان قامَ، الزیدونَ قامَ کہنا جائز ہے اور بصریین کے نزدیک ''الزیدون قاما'' اور الزیدون قاموا'' پڑھنا ضروری ہے یعنی فعل میں آپ الف یا واؤ لائینگے اور یہی دونوں فاعل ہونگے۔ مصنفؒ کے قول ''وَبَعْدَ فعلٍ فاعلٌ'' کا یہی معنی ہے۔

فان ظهر الخ:

اس سے مصنفؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ فعل اور شبہ فعل کیلئے مرفوع (فاعل) کا ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ ظاہر ہو تو پھر اضمار نہیں ہوگا جیسے ''قامَ زیدٌ'' اگر ظاہر نہ ہو تو فاعل ضمیر ہوگی۔ جیسے ''زیدٌ قام ای هُوَ''

وَجَرِّدِ الْفِعْلَ إِذَامَا أُسْنِدَا
لاثْنَيْنِ أَوْ جَمْعٍ كَ ((فَازَ الشُّهَدَا))
وَقَدْ يُقَالُ: سَعِدَا، وَسَعِدُوا
وَالْفِعْلُ لِلظَّاهِرِ-بَعْدُ-مُسْنَدُ

ترجمہ:...... (آپ تثنیہ جمع کی علامت سے) فعل کو خالی کردیں جب وہ تثنیہ یا جمع کی طرف مسند ہو جیسے: فَازَ الشهداء (شہید کامیاب ہوگئے) یہاں فاعل جمع کا صیغہ

ہے (یعنی شھداء) اوراس کا مفرد جمع کی علامت سے خالی ہے اور کبھی سَعِدَا،
سَعِدُوا (یعنی فعل کو تثنیہ جمع لاکر) بھی کہا جاتا ہے اور حال یہ ہے کہ فعل اس کے بعد
اسم ظاہر کی طرف مسند ہوتا ہے۔

(ش) مذهب جمهور العرب أنه إذا أسند الفعل إلى ظاهر– مثنّى ، أو مجموع –وجب تجريده من علامة تدل على التثنية أو الجمع، فيكون كحاله إذا أسند إلى مفرد؛ فتقول: ((قام الزيدان، وقام الزيدون، وقامت الهندات))، كما تقول: ((قام زيد)) ولا تقول على مذهب هؤلاء: ((قاما الزيدان))، ولا ((قاموا الزيدون))، ولا ((قمن الهندات)) فتأتي بعلامة في الفعل الرافع للظاهر، على أن يكون ما بعد الفعل مرفوعًا به، وما اتصل بالفعل – من الألف، والواو، والنون –حروف تدل على تثنية الفاعل أو جمعه، بل على أن يكون الاسم الظاهر مبتدأ مؤخرًا، والفعل المتقدم وما اتصل به اسمًا في موضع رفع به، والجملة في موضع رفع خبرًا عن الاسم المتأخر.

ويحتمل وجهًا آخر، وهو: أن يكون ما اتصل بالفعل مرفوعا به كما تقدم ، وما بعده بدل مما اتصل بالفعل من الأسماء المضمرة –أعني الألف، والواو، والنون–

ومذهب طائفة من العرب –وهم بنو الحارث بن كعب، كما نقل الصفار في شرح الكتاب– أن الفعل إذا أسند إلى ظاهر –مثنى، أو مجموع –أتى فيه بعلامة تدل على التثنية أو الجمع ؛ فتقول: ((قاما الزيدان، وقاموا الزيدون، وقمن الهندات)) فتكون الألف والواو والنون حروفا تدل على التثنية والجمع، كما كانت التاء في ((قامت هند)) حرفًا تدل على التأنيث عند جميع العرب، والاسم الذي بعد المذكور مرفوع به، كما ارتفعت ((هند)) ب((قامت))، ومن ذلك قوله:

١٤٢ –تَوَلَّى قِتَالَ الْمَارِقِينَ بِنَفْسِهِ
وَقَدْ أَسْلَمَاهُ مُبْعَدٌ وَحَمِيمُ

وقوله:

١٤٣ –يَلُومُونَنِي فِي اشْتِرَاءِ النَّخِيـ
لِ أَهْلِي؛ فَكُلُّهُمُ يَعْذِلُ

قوله:

١٤٤ - رَأَيْنَ الْغَوَانِي الشَّيْبَ لَاحَ بِعَارِضِي
فَأَعْرَضْنَ عَنِّي بِالْخُدُودِ النَّوَاضِرِ

ف ((مُبْعَدٌ وَحَمِيْمٌ)) مرفوعان بقوله: ((أسلماه)) والألف في ((أسلماه)) حرف يدل على كون الفاعل اثنين، وكذلك ((أهلي)) مرفوع بقوله((يلومونني)) والواو حرف يدل على الجمع، ((الغواني)) مرفوع ب ((رأينَ)) والنون حرف يدل على جمع المؤنث ، وإلى هذه اللغة أشار المصنف بقوله:((وقد يقال سعدا وسعدوا -إلى آخر البيت)).

ومعناه أنه قد يؤتى في الفعل المسند إلى الظاهر بعلامة تدل على التثنية، أو الجمع؛ فأشعر قوله((وقد يقال)) بأن ذلك قليل ، والأمر كذلك.

وإنما قال:((والفعل للظاهر بعد مسند)) لينبه على أن مثل هذا التركيب إنما يكون قليلاً إذا جعلت الفعل مسندا إلى الظاهر الذي بعده، وأما إذا جعلته مسندًا إلى المتصل به -من الألف، والواو، والنون- وجعلتَ الظاهر مبتدأ، أو بدلا من الضمير؛ فلا يكون ذلك قليلاً، وهذه اللغة القليلة هي التي يعبر عنها النحويون بلغة:((أكلوني البراغيث))، ويعبر عنها المصنف في كتبه بلغة ((يتعاقبون فيكم ملائكة بالليل وملائكة بالنهار))، ف((البراغيث)) فاعل أكلوني))، و((ملائكة)) فاعل ((يتعاقبون))، هكذا زعم المصنف.

ترجمہ وتشریح:

فاعل ظاہر کے وقت فعل کا حکم اوراس میں اختلاف

جمہور عرب کا مسلک یہ ہے کہ فعل جب فاعل ظاہر کی طرف مسند ہو یعنی اس کا فاعل اسم ظاہر ہواور وہ فاعل تثنیہ جمع ہو تو اس صورت میں فعل کو تثنیہ جمع کی علامت سے خالی کرنا ضروری ہے ۔ لہٰذا اس کا حکم ایسا ہی ہوگا جس طرح مفرد کی طرف مسند کا ہوتا ہے یعنی فعل کو صرف مفرد لایا جائے گا جیسے قام الزيدان، قامَ الزيدون، قامتِ الهنداتُ ، ان کے مسلک پر قاما الزيدان، قاموا الزيدون، قمْنَ الهندات نہیں کہا جائے گا بایں طور کہ فعل کا مابعد اس کیلئے

فاعل ہو اور وہ اسی فعل کی وجہ سے مرفوع ہو اور الف واؤ نون محض تثنیہ جمع پر دلالت کرنے کیلئے لائے گئے ہوں بلکہ اس صورت میں (الزیدان، الزیدون، الھندات) مبتدا مؤخر ہونگے اور قاما، قاموا۔ قُمْنَ خبر مقدم ہونگے۔ (شارح فرماتے ہیں) کہ ان میں ایک دوسرا احتمال بھی ہے وہ یہ کہ جو فعل کے ساتھ متصل ہیں مثلاً الف، واؤ، نون وہی اس کیلئے فاعل ہیں اور یہ مبدل منہ ہے اور مابعد کا اسم ظاہر ان ہی الف واؤ نون سے بدل ہیں۔

ومذهب طائفةمن العرب الخ:

بنوالحارث بن کعب (جو عرب کا ایک طائفہ ہے) کے نزدیک (جس طرح صفارؒ نے کتاب کی شرح میں نقل کیا ہے) کے نزدیک جب فعل اسم ظاہر تثنیہ یا جمع کی طرف مسند ہو تو اس میں علامت لائی جائیگی جو دلالت کرے گی فاعل کے تثنیہ یا جمع ہونے پر (واضح رہے کہ ان کے ہاں فاعل اسم ظاہر تثنیہ یا جمع کی صورت میں فعل پر علامت تثنیہ یا جمع لا ضروری نہیں بلکہ صرف جواز کی حد تک ہے کبھی وہ لاتے ہیں اور کبھی نہیں)

لہٰذا آپ ان کے مسلک کے مطابق کہینگے "قَامَاالزیدان، قَامُوا الزیدون قُمْنَ الھنداتُ" الف واؤ نون تثنیہ جمع پر دلالت کرنے والے حروف ہونگے جس طرح "قَـامَـتْ ھِـنْـدٌ" میں تاء تمام عرب کے ہاں تانیث پر دلالت کرتی ہے اور بعد کا اسم اسی فعل کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۴۲- تَوَلّٰی قِتَالَ الْمَارِقِیْنَ بِنَفْسِهِ
وَقَدْ أَسْلَمَاهُ مُبْعَدٌ وَحَمِیْمُ

ترجمہ:...... حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے دین سے نکلنے والوں کے ساتھ لڑائی کی خود ذمہ داری لی حالانکہ ان کو اجنبی اور دوست سب لوگوں نے چھوڑا تھا۔

تشریح المفردات:

(تَوَلّٰی) باب تفعّل سے واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے کسی چیز کی ذمہ داری لینا، سرپرستی کرنا (المارقین) نصر سے دین سے خارج ہونے والا یہاں خوارج مراد ہیں، قیامت کی علامات والی حدیث شریف بھی ہے یمرقون من الدین کمایمرق السھم من الرمیّة" (اسلما) باب افعال سے کسی کی مدد کو چھوڑ

(مبعد)عین کے کسرہ یا فتحہ کے ساتھ بمعنی اجنبی (حمیم)قریبی آدمی، گہرادوست۔

شان ورود: ...... یہ شعر عبیداللہ بن قیس کا ہے چونکہ یہ جن تین عورتوں پر عاشق تھا تینوں کا نام رُقیہ تھا اس وجہ سے "قیس الرّقیات" کہلانے لگا۔حضرت مصعب بن زبیرؓ اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ خلافت امویہ کے خلاف نکل آئے تھے شاعر بھی ان ہی بھائیوں کے ساتھ تھا' حضرت مصعب بن زبیرؓ آخرکار دشمنوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرما گئے ان کے مرثیہ میں شاعر مذکور نے یہ شعر کہا۔

محلّ استشہاد:

(اسلماہ مبعد وحمیم) محل استشہاد ہے یہاں فاعل تثنیہ ہے جمہور کے نزدیک "اسلمہ مبعد وحمیم" مفرد فعل ہونا چاہیے تھا لیکن اس کے باوجود تثنیہ آیا ہے بنوالحارث بن کعب والوں کے مسلک کے مطابق، جمہور اس میں وہی دو تاویل کرتے ہیں جن کا ذکر ابھی پہلے ہوگیا۔

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۴۳ - یَلُوْمُوْنَنِیْ فِی اشْتِرَاءِ النَّخِیـ
لِ أَهْلِیْ، فَكُلُّهُمْ یَعْذِلُ

ترجمہ:...... میرے گھر والے مجھے کھجور کے درخت خریدنے پر ملامت کرتے ہیں پس ان میں سے ہر ایک (یعنی ہر کس وناکس) ملامت کرتا ہے۔

تشریح المفردات:

(یلومون) لام یلوم نصر سے بمعنی ملامت کرنا، (اشتراء) باب افتعال کا مصدر ہے خریدنا (نخیل) کھجور کے درخت اسم جمع ہے اس لفظ سے اس کا واحد نہیں اور (نخل) اسم جنس جمعی ہے جس کے بارے میں کلمہ کی بحث میں گزر چکا کہ اس میں اور اس کے مفرد میں تاء کے ذریعہ فرق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں اس کا مفرد نخلۃٌ ہے (اھل) اہل وعیال، بیوی بچے، (یعذل) ضرب سے ملامت کرنا، اگر چہ حاشیۃ الخضری میں اس کو نصرَ سے بھی کہا ہے۔

محلِ استشہاد:

(یلومونني......اَهْلِي) محلِ استشہاد ہے یہاں فاعل (اهل) معنی کے اعتبار سے جمع ہے اسلئے فعل کو بھی جمع لایا ہے صحیح قول کے مطابق یَلُومُنِی بصیغہ مفرد ہونا چاہیے۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

رَأَيْنَ الْغَوَانِي الشَّيْبَ لَاحَ بِعَارِضِي
فَأَعْرَضْنَ عَنِّي بِالْخُدُودِ النَّوَاضِرِ

ترجمہ:......خوبصورت عورتوں نے میرے چہرے کے ایک حصہ پر بالوں کی سفیدی
دیکھی تو تروتازہ خوب صورت رخساروں کے ذریعہ انہوں نے مجھ سے اعراض کیا۔

تشریح المفردات:

(الغواني) غانية کی جمع ہے "وهي المرءة التي استغنت بحسنها وجمالها عن الزينة، وہ عورت جو اپنے حسن و جمال کی وجہ سے زینت اختیار کرنے سے مستغنی ہو۔ (الشيب) بالوں کی سفیدی (لاح) نصر سے ہے بمعنی ظاہر ہونا عارض چہرے کا ایک حصہ، ایک رُخ (الخدود) خد کی جمع ہے بمعنی رخسار، (النواضر) ناضرة کی جمع ہے بمعنی تروتازہ اور خوبصورت۔

محلِ استشہاد:

(رأين الغواني) محلِ استشہاد ہے یہاں فاعل اسم ظاہر کی طرف فعل مسند ہے فصیح لغت کے مطابق رأت مفرد کے صیغہ کے ساتھ ہونا چاہیے تھا لیکن پھر بھی جمع کے ساتھ آیا ہے۔

ومعناه انه الخ:

(قد يقال سعدا وسعدوا) کہکر مصنفؒ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ فعل کے ساتھ تثنیہ جمع کی علامتوں کو لانا جب فاعل اسم ظاہر ہو یہ کبھی کبھی ہوتا ہے یعنی یہ قلیل ہے (بایں وجہ کہ مصنفؒ نے مضارع پر قد داخل کیا ہے اور قد جب مضارع پر داخل ہو تو تقلیل کا معنی دیتا ہے)

وانّماقال الخ:

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے "والفعل للظاهر بعد مسند" کہکر اس بات پر تنبیہ کی کہ اس طرح کی ترکیب اس وقت قلیل ہے جب آپ فعل کو اسم ظاہر کی طرف مسند کریں یعنی اسم ظاہر کو فاعل بنائیں اور اگر آپ گزشتہ تفصیل کے مطابق قاما، قاموا، قمن میں الف، واؤ، نون کو فاعل بنائیں اور اسم ظاہر کو مبتدا کر دیں یا الف واؤ، نون کو مبدل منہ اور اسم ظاہر کو بدل بنائیں تو اس صورت میں قلیل نہیں۔

اسی لغت قلیلہ کو نحوی حضرات "اکلونی البراغیث" کی لغت کے نام سے یاد کرتے ہیں (یہاں بھی البراغیث اسم ظاہر جمع ہے فاعل واقع ہے اور اس کا فعل بھی جمع ہے ترجمہ مجھے پسّو کھا گئے) اور مصنفؒ نے اپنی بعض کتابوں میں "یتعاقبون فیکم ملائکة باللیل وملائکة باالنهار" کی لغت سے اس کی تعبیر کی ہے (یہاں فاعل ملائکة جمع اسم ظاہر ہے فعل بھی "یتعاقبون" جمع آیا ہے۔

وَيَرْفَعُ الْفَاعِلَ فِعْلٌ أُضْمِرَا
كَمِثْلِ "زَيْدٌ" فِي جَوَابِ "مَنْ قَرَا"؟

ترجمہ:.... اور فاعل کو رفع دیتا ہے وہ فعل بھی جو مضمر ہو جیسے کہا جائے "زَيْدٌ" (بغیر فعل کے) اس شخص کے جواب میں جو کہے مَنْ قَرَءَ (یعنی کبھی قرینہ کے وقت فعل کو حذف کرنا بھی جائز ہے یہاں سائل کے سوال میں چونکہ فعل مذکور ہے اس لئے جواب میں اس کو حذف کیا)

(ش) إذادلّ دليل على الفعل جاز حذفه، وإبقاء فاعله، كماإذاقيل لک: ((من قرأ))؟فتقول: ((زيد)) التقدير: ((قرأزيد))

وقديحذف الفعل وجوبا، كقوله تعالىٰ: ﴿وإنْ أحَدٌ من المشركين استجَارَکَ﴾ف ((أحد)) فاعل بفعل محذوف وجوبًا، والتقدير: ((وإن استجارک [أحد استجارک])) ، وكذلک كل اسم مرفوع وقع بعد ((إن)) أو ((إذا)) فإنه مرفوع بفعل محذوف وجوبًا، ومثال ذلک في ((إذا)) قوله تعالىٰ: ﴿إذاالسّماء انشقّتْ﴾ ف ((السماء)) فاعل بفعل محذوف، والتقدير: ((إذاانشقّتِ السّماء انشقّتْ)) وهذامذهب جمهور النحويين، وسيأتي الكلام على هذه المسألة

فی باب الاشتغال، إن شاء اللّٰہ تعالیٰ

ترجمہ وتشریح:

قرینہ کی وجہ سے فعل کو حذف کرنا جائز ہے:

جب فعل پر کوئی دلالت کرنے والا قرینہ ہو تو فعل کو حذف اور فاعل کو برقرار رکھ سکتے ہیں، مثلاً کہا جائے مَنْ قَرَءَ، اور جواب میں ''زیدٌ '' کہا جائے۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ کبھی فعل کو وجوباً بھی حذف کر سکتے ہیں جیسے باری تعالیٰ کے اس قول میں '' وَإِنْ اَحَدٌ من المشرکینَ استجارَکَ'' اس میں تقدیر عبارت یوں ہے ''وَانِ استجارَکَ احَدٌ من المشرکین استجارَکَ'' یہاں اَحَدٌ سے پہلے فعل کو وجوبی طور پر حذف کیا گیا ہے اس لئے کہ بعد میں اس کا مفسِّر (تفسیر کرنے والا) یعنی مشرکین کے بعد والا ''استجارکَ'' ذکر ہے تو اس سے پہلے فعل کو اس لئے حذف کیا تاکہ مفسَّر اور مفسِّر میں اجتماع لازم نہ آئے جو کہ ناجائز ہے۔

اسی طرح جو اسم ''إذا'' کے بعد واقع ہو جیسے ''إذا السمآء انشقّت اس کے فعل کو بھی وجوباً حذف کیا جاتا ہے تقدیر عبارت ہے ''إذا انشقَّتِ السماءُ انشقّتْ'' اس مسئلہ کی مزید تفصیل ''اشتغال العامل من المعمول'' یعنی ما أضمرَ عامله عَلیٰ شریطة التفسیر کی بحث میں آئے گی، انشاءاللہ۔

وَتَاءُ تَانِيثٍ تَلِي الْمَاضِي، إذَا
كَانَ لِأُنْثَى ''كَ''أَبَتْ هِنْدُ الأَذَى

ترجمہ:...... تاء تانیث ماضی کے ساتھ آتی ہے جب ماضی مؤنث فاعل کی طرف مسند ہو (کانَ) میں ھُوَ ضمیر ماضی کی طرف راجع ہے (کان) کے اندر ھُوَ ضمیر مستتر اس کا اسم ہے اور خبر اس کی محذوف ہے۔ ''ای کَانَ مُسْنَدًا لِأنثی '') جیسے أبتْ هندُ الاذی (یہاں هندٌ مؤنث فاعل کی طرف اَبَتْ ماضی کو مسند کیا گیا اس لئے ماضی کے ساتھ تاء تانیث آ گئی)

(ش) إذا أسند الفعل الماضی إلی مؤنث لحقته تاء ساكنة تدل علی كون الفاعل مؤنثا، ولا فرق فی ذلک بين الحقيقی والمجازی، نحو: ((قَامَتْ هندٌ، وطلعت الشمس))، لكن لها حالتان: حالة لزوم

حالة جواز، وسيأتي الكلام على ذلك.

ترجمہ وتشریح:

فعل کا مؤنث فاعل کی طرف مسند ہونا:

جب فعل ماضی مؤنث فاعل کی طرف مسند ہو تو اس صورت میں فعل کے ساتھ تاء ساکنہ آتی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فاعل مؤنث ہے، شارح فرماتے ہیں کہ تاء تانیث آنے میں مؤنث حقیقی اور مؤنث مجازی کے درمیان فرق نہیں بلکہ دونوں کے ساتھ آتی ہے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس کی دو حالتیں ہیں۔

(۱) بعض میں لازمی طور پر تاء تانیث آتی ہے جیسے مؤنث حقیقی میں "قَامَتْ هندٌ" پڑھنا ضروری ہے۔

(۲) بعض میں جوازی طور پر تاء تانیث آتی ہے جیسے طلعَ الشمسُ، طلعَتِ الشمسُ اس کی مزید تفصیل آگے آئیگی انشاءاللہ۔

وَإِنَّمَا تَلْزَمُ فِعْلَ مُضْمَرِ
مُتَّصِلٍ، أَوْ مُفْهِمٍ ذَاتَ حِرِ

ترجمہ:...... تاء تانیث مضمر متصل فاعل کے فعل کے ساتھ لازم ہوتی ہے یا اس اسم ظاہر کے فعل کے ساتھ لازم ہوتی ہے جو مؤنث کو بتائے۔ (حر فرج یعنی شرمگاہ کو کہتے ہیں)

ش) تلزم تاء التأنيث الساكنة الفعل الماضي في موضعين:

أحدهما: أن يسند الفعل إلى ضمير مؤنث متصل، ولافرق في ذلك بين المؤنث الحقيقي والمجازي؛ فتقول: ((هند قامت، والشمس طلعت))، ولاتقول: ((قام)) ولا ((طلع))، فإن كان الضمير منفصلا لم يؤت بالتاء، نحو: ((هندماقام إلاهي))

الثاني: إن يكون الفاعل ظاهرًا حقيقي التأنيث، نحو: ((قامت هند)) وهو المراد بقوله: ((أو مفهم ذات حر)) وأصل حِرٍ حِرْحٌ، فحذفت لام الكلمة.

وفهم من كلامه أن التاء لاتلزم في غيرهذين الموضعين؛ فلاتلزم في المؤنث المجازي الظاهر؛ فتقول: ((طلع الشمس، وطلعت الشمس)) ولا في الجمع، على ماسيأتي تفصيله.

ترجمہ وتشریح:

تاء تانیث فعل کے ساتھ کہاں لازم ہوتی ہے؟

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ تاء تانیث ساکنہ فعل کے ساتھ دو جگہوں میں لازماً آتی ہے۔

۱......ایک اس صورت میں جب فاعل مؤنث کی ضمیر ہو یعنی فعل کا اسناد ہوا ہو متصل مؤنث کی ضمیر کی طرف، اس میں حقیقی اور مجازی مؤنث کے درمیان فرق نہیں۔ چنانچہ ھندٌ قَامَتْ، الشمسُ طلعتْ پڑھنا ضروری ہے اس میں قَامَ" طَلَعَ نہیں پڑھ سکتے۔

ہاں اگر ضمیر متصل کے بجائے منفصل ہو تو پھر تاء کو نہیں لایا جائے گا جیسے :"ھندٌ ماقام الاَّھِیَ"

۲...... دوسری جگہ جہاں فعل کے ساتھ تاء تانیث ضروری ہے وہ ہے جب اسم فاعل ظاہر مؤنث حقیقی ہو مصنف کے قول"أوْ مُفھِمِ ذاتَ حِرٍ" سے یہی مراد ہے، حِرِ اصل میں حِرِحٌ تھا یَدٌ دَمٌ کی طرح اس کا لام کلمہ بھی حذف ہوا ہے۔۔(حر) فرج المرأة (عورت کی شرمگاہ) کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں مطلق فرج مراد ہے۔

وفھم الخ:

مصنفؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو جگہوں کے علاوہ کہیں اور فعل کے ساتھ تاء تانیث لازم لازم نہیں۔ چنانچہ اسم ظاہر مؤنث مجازی کے فاعل میں ضروری ہے۔ لہٰذا آپ طلعَ الشمس، طلعتِ الشمس پڑھ سکتے ہیں۔

اسی طرح جمع میں بھی قَامَ الرّجالُ قامت الرجال دونوں (تاء تانیث کے ساتھ یا اس کے بغیر) پڑھ سکتے ہیں۔

وَقَدْ یُبِیحُ الْفَصْلُ تَرْکَ التاءِ فِی
نحو "أتی القَاضِیَ بِنْتُ الواقِفِ

ترجمہ:......کبھی"أتی القاضی بنت الواقف" جیسی مثالوں میں فاصلہ تاء کے چھوڑنے کو جائز کرتا ہے۔(یعنی مثال مذکور میں فعل اور فاعل کے درمیان إلّا کے علاوہ فاصلہ آنے کی وجہ سے فعل سے تاء تانیث کو ہٹا سکتے ہیں)

(ش) إذا فصل بين الفعل وفاعله المؤنث الحقيقي بغير ((إلا)) جاز إثبات التاء وحذفها، والأجود الإثبات؛ فتقول: ((أتي القاضي بنت الواقف)) والأجود ((أتت)) وتقول: ((قام اليوم هند)) والأجود ((قامت))

ترجمہ وتشریح:

جب فعل اور فاعل مؤنث حقیقی میں الّا کے علاوہ کسی اور چیز کا فاصلہ آجائے تو اس صورت میں تاء کو بھی لاسکتے ہیں اور حذف بھی کر سکتے ہیں بہتر تو یہ ہے کہ تاء ثابت رہے۔ جیسے: أتي القَاضِيَ بنتُ الواقف میں " أتَتْ " اور " قامَ اليومَ هندٌ " میں قامَتْ پڑھنا بہتر ہے۔

والحذفُ مَعَ فَصْلٍ بـاِلَّا فُضِّلاَ
كَـ"مَا زَكَا اِلَّا فَتَاةُ ابْنِ العَلاَ"

ترجمہ:...... تاء کے حذف کو فاصلہ کے ساتھ مفضّل بنایا گیا ہے (یعنی تاء کے حذف کو فضیلت حاصل ہے اس طرح حذف مفضّل بصیغہ اسم مفعول ہوا) جیسے: مَا زَكَا اِلاّ فَتَاةُ بن العَلاَ، پاک نہیں مگر ابن العلاء کی بیٹی۔

(ش) وإذا فصل بين الفعل والفاعل المؤنث بـ((إلا)) لم يجز إثبات التاء عند الجمهور، فتقول: ((مَا قَامَ إِلاَّ هِنْدٌ، وما طَلَعَ الا الشمس)) ولا يجوز ((ما قَامَتْ إِلاَّ هِنْدٌ))، ولا ((مَا طَلَعَتْ إِلاَّ الشَّمْسُ))، وقد جاء في الشعر كقوله:

١٣٥ — وَمَا بَقِيت الاّ الضُلوعُ الجَرَاشِعُ

فقول المصنف: ((إن الحذف مُفَضَّل على الإثبات)) يُشعِر بأن الإثبات — أيضًا — جائزٌ، وليس كذلك لأنه إن أراد به أنه مُفَضَّل عليه باعتبار أنه ثابتٌ في النثر والنظم، وأن الإثبات إنما جاء في الشعر فصحيح، وإن أراد أن الحذف أكثر من الإثبات فغير صحيح لأن الإثبات قليل جدًا.

ترجمہ وتشریح:

جب فعل اور مؤنث فاعل کے درمیان الاّ کا فاصلہ آجائے تو اس صورت میں تاء کو ثابت کرنا جائز نہیں۔ یہ

جمہور کا مسلک ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں جو فاعل محذوف ہوتا ہے وہ حقیقۃً مذکر ہوتا ہے اس لئے کہ معنی اس طرح ہے "مَا قَامَ اَحَدٌ اِلَّا هِنْدٌ" تاہم تاء کے اثبات کو مصنفؒ نے جائز قرار دیا اس لئے کہ اس میں ظاہر اور ملفوظ پر (جس پر تلفظ کیا جاتا ہے) کا اعتبار ہے۔ چونکہ فاعل هند مؤنث ہے اور اسی پر ظاہر میں تلفظ کیا جاتا ہے اس لئے ظاہر کی رعایت کرتے ہوئے مصنفؒ نے تاء کے ثابت ہونے کو بھی جائز قرار دیا۔ چنانچہ مَا قَامَ الاَّ هند، مَا طلع الاالشمس پڑھنا ضروری ہے۔ اس میں ماقامت الاهند ماطلعت الاّ الشمس "صحیح نہیں۔ کبھی شعر میں اس کے خلاف (یعنی تاء کے ساتھ) بھی وارد ہوا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۴۵—وَمَا بَقِيَتْ الاَّ الضُّلُوعُ الجَرَاشِعُ

ترجمہ:...... اور باقی نہیں رہی (میری اونٹنی کی کوئی چیز) مگر موٹی اور کھوکھلی پسلیوں کی ہڈیاں۔

(شاعر اپنی اونٹنی کی تعریف کر رہا ہے کہ کثرت سفر اور زیادہ ہنکانے کی وجہ سے وہ کمزور اور لاغر ہو چکی ہے اس میں شاعر اپنی جفاکشی اور مصروفیت و بہادری کی تعریف کر رہا ہے، اس سے پہلے والے شعر میں شاعر نے یہ کہا تھا کہ زیادہ ہنکانے اور تجربوں نے میری اونٹنی کے پیٹ کو دبلا اور پتلا کر دیا۔

تشریح المفردات:

(الضلوع) ضِلَعٌ کی جمع ہے اس کی جمع اضلاع اور اضلع بھی آتی ہے، بمعنی پسلی کما ورد فی حدیث انّ النساء خلقن من ضلع ایسر" (جراشع) بروزن قنافذ، جُرشع کی جمع ہے موٹی اور کھوکھلی۔

محل استشہاد:

"مابَقِيَتْ الاَّالضُّلُوع" محل استشہاد ہے یہاں فعل کے ساتھ تاء تانیث آئی ہے۔ حالانکہ فعل اور فاعل مؤنث میں الّا کا فاصلہ بھی ہے۔ جمہور کے ہاں شعر کے علاوہ میں یہ جائز نہیں۔

فقول المصنفؒ الخ:

شارح فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے "والحذفُ مَعَ فَصْلٍ بالاَّ فُضّلا" کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حذف کو ذکر پر فضیلت حاصل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاء کو ذکر کرنا (یعنی اثبات تاء) بھی جائز ہے اس

اگر ان کی مراد یہ ہے کہ حذف کو ذکر پر اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ حذف نظم اور نثر دونوں میں ہے اور اثبات صرف شعر میں ہے تو پھر صحیح ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ حذف اثبات کے مقابلہ میں صحیح ہے۔ (تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اثبات بھی ہے لیکن وہ نسبۃً حذف کے مقابلے میں قلیل ہے) تو پھر صحیح نہیں اس لئے کہ اثبات نہ صرف یہ کہ نسبۃً قلیل ہے بلکہ وہ بہت ہی زیادہ قلیل ہے۔

واضح رہے کہ حاشیة الخضری میں ہے کہ مصنفؒ نے اس کے علاوہ باقی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ حذف نثر میں بھی جائز ہے اگر چہ یہ جمہور کے خلاف قول ہے، قرآن کریم کی ایک قراءت "فاصبحوا لایُریٰ الاّ مساکنُهم" (مساکین کے رفع کے ساتھ) اور دوسری قراءت "إن كانت الاّصيحَةً صيحة" کے رفع کے ساتھ) مصنفؒ استدلال کرتے ہیں کہ جہاں نثر میں فعل کے اندر تاء کو ذکر کیا ہے، جمہور اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ متواتر قراءت نہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شارح کا اعتراض شق ثانی پر ہے (کہ مصنفؒ کے کلام سے نسبۃً قلیل ہونا معلوم ہوتا ہے والحال ان الاثبات قليل جدًا) والله اعلم۔

وَالحَذفُ قَد يأتِي بِلا فَصلٍ، وَمَع
ضَميرِ ذِي المَجازِ فِي شِعرٍ وَقَع

ترجمہ:...... کبھی تاء تانیث کا حذف اس فعل سے بھی واقع ہوتا ہے جو مؤنث فاعل کی طرف مسند ہو اور فعل فاعل کے درمیان فاصلہ نہ ہو اور کبھی یہ حذف واقع ہوتا ہے شعر میں باوجود اس کے کہ فاعل ضمیر ہوتی ہے اور عائد ہوتی ہے مؤنث مجازی کی طرف۔

ش) قد تحذف التاء من الفعل المسند إلى مؤنث حقيقى من غير فصل، وهو قليل جدا، حكى سيبويه: ((قال فلانة))، وقد تحذف التاء من الفعل المسند إلى ضمير المؤنث المجازى، وهو مخصوص بالشعر، كقوله:

١٣٦ — فَلا مُزنَةٌ وَدَقَت وَدْقَهَا
وَلا أرضَ أبقَلَ إبقَالَهَا

ترجمہ وتشریح:

یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے ہے کہ فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ نہیں ہوتا جبکہ فاعل مؤنث حقیقی ہوتا ہے پھر بھی فعل سے تاء کو حذف کیا جاتا ہے۔شارح فرماتے ہیں یہ بہت قلیل ہے سیبویہ رحمہ اللہ نے عرب سے "قال فلانة" کی حکایت کی ہے اس میں فاعل ظاہر مؤنث حقیقی ہے پھر بھی فعل مذکر آیا ہے، حالانکہ گذشتہ قواعد کی روسے مؤنث آنا چاہیے۔دوسری بات جو شارح بیان کرر ہے ہیں وہ یہ ہے کہ کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے کہ فاعل مؤنث مجازی کی ضمیر ہوتی ہے (گذشتہ قاعدہ کی روشنی میں اس صورت میں فعل مؤنث لایا جاتا ہے جیسے "هند قامت" الشمس طلعت لیکن پھر بھی فعل کو مذکر لایا جاتا ہے شارح کے نزدیک یہ شعر ہی کے ساتھ خاص ہے (اگر چہ ابن کیسان رحمہ اللہ کے ہاں شعر کی طرح نثر میں بھی جائز ہے جیسے الشمس طلع پڑھنا ان کے ہاں جائز ہے) جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۴۶ - فَلاَ مُزْنَةٌ وَدَقَتْ وَدْقَهَا
وَلاَ أَرْضَ ابْقَلَ ابْقَالَهَا

ترجمہ:...... نہیں ہے کوئی بادل جس نے اس بادل جیسی بارش برسائی ہو اور نہیں ہے
کوئی زمین جس نے اس زمین کی طرح اگایا ہو۔

تشریح المفردات:

(لا) نافیہ ملغاة یا ہے یا (لیس) کی طرح عمل کرنے والا ہے۔(مُزنة) پانی سے بھرا ہوا بادل' قرآن کریم میں ہے "أأنتم انزلتموه من المزن أم نحن المنزلون" (ودقت) بمعنی امطرت بارش کا ہونا (ودقها) منصوب بنا بر مفعول مطلق ہے (ھا) ضمیر مزنة کی طرف راجع ہے ای ودقت ودقاً مثل ودقها" قرآن کریم میں ہے "فترى الودق يخرج من خلاله" (بقل) نصر سے زمین کا سبزہ اگانا، اس میں بھی تقدیر عبارت ہے "ابقل ابقالاً مثل ابقالها" شاعر یہاں نفع دینے والے بادل اور زمین کی تعریف کرر ہے ہیں۔

محل استشہاد:

(ابقل) محل استشہاد ہے یہاں فعل کی تاء کو حذف کیا گیا ہے حالانکہ یہ مؤنث مجازی (ارض) کی ضمیر کی طرف

ہے۔یعنی اس کا فاعل ضمیر مستتر ہے جو مؤنث مجازی (ارض) کی طرف راجع ہے ضرورت شعری کی وجہ سے فعل کو مذکر لایا ہے۔

وَالتَّاءُ مَعَ جَمْعٍ سِوَى السَّالِمِ مِنْ
مُذَكَّرٍ - كَالتَّاءِ مَعْ إِحْدَى اللَّبِنْ
وَالْحَذْفَ فِي " نِعْمَ الْفَتَاةُ " اسْتَحْسَنُوا
لِأَنَّ قَصْدَ الْجِنْسِ فِيهِ بَيِّنٌ

ترجمہ:......جمع مذکر سالم کے علاوہ جمع کے ساتھ تاء کا حکم اس طرح ہے جس طرح لَبِنٌ کے مفرد کی تاء کا ہے (یعنی جس طرح لبن کے مفرد لبنۃ کی تاء کا حکم ہے کہ اس کو لایا بھی جا سکتا ہے اور حذف بھی کیا جاتا ہے کسرَ اللبنۃُ، کُسِرَت اللبنۃ دونوں جائز ہیں اسی طرح جمع مذکر سالم کے علاوہ یعنی جمع مذکر مکسر و مؤنث مکسر میں بھی دونوں جائز ہیں) اور "نِعم الفتاۃُ" کے اندر نحوی حضرات نے حذف کو بہتر جانا ہے اس لئے کہ اس میں جنس کا قصد کرنا واضح ہے۔

ش) إذا اسند الفعل إلى جمع: فإما أن يكون جمع سلامة لمذكر، أو لا، فإن كان جمع سلامة لمذكر لم يجز اقتران الفعل بالتاء، فتقول: ((قام الزيدون))، ولا يجوز: ((قامت الزيدون))، وإن لم يكن جمع سلامة لمذكر -بأن كان جمع تكسير لمذكر كالرجال، أو لمؤنث كالهنود، أو جمع سلامة لمؤنث كالهندات- جاز إثبات التاء وحذفها، فتقول: ((قام الرجال، وقامت الرجال، وقام الهنود، وقامت الهنود، وقام الهندات، وقامت الهندات))؛ فإثبات التاء لتأوله بالجماعة، وحذفها لتأوله بالجمع.

وأشار بقوله: ((كالتاء مع إحدى اللبن)) إلى أن التاء مع جمع التكسير، وجمع السلامة لمؤنث، كالتاء مع [الظاهر] المجازي التأنيث كلبنة؛ فكما تقول: ((كسرت اللبنة، وكسر اللبنة)) تقول: ((قام الرجال، وقامت الرجال)) وكذلك باقي ما تقدم.

وأشار بقوله: ((والحذف في نعم الفتاة - إلى آخر البيت)) إلى أنه يجوز في ((نعم)) وأخواتها - إذا كان فاعلها مؤنثا - إثبات التاء وحذفها، وإن كان مفردا مؤنثا حقيقيا؛ فتقول: ((نعم المرأة هند ونعمت المرأة هند)) وإنما جاز ذلك لأن فاعلها مقصود به استغراق الجنس، فعومل معاملة جمع التكسير في جواز إثبات التاء وحذفها، لشبهه به في أن المقصود به متعدد ومعنى قوله ((استحسنوا)) أن الحذف في هذا ونحوه حسن، ولكن الإثبات أحسن منه.

ترجمہ وتشریح:

جب فاعل جمع واقع ہو:

جب فعل کا اسناد کیا گیا ہو جمع کی طرف یعنی فاعل جمع واقع ہو جائے تو یا وہ جمع مذکر سالم کی ہوگی تو اس صورت میں فعل کے ساتھ تاء کو لانا صحیح نہیں۔ لہٰذا "قام الزیدون" پڑھا جائے گا "قامتِ الزیدون" پڑھنا صحیح نہیں اور اگر جمع مذکر سالم کی نہیں یا جمع مذکر مکسر کی ہوگی جیسے الرّجال یا جمع مؤنث مکسر کی ہوگی جیسے "الهنود" ہند کی جمع یا جمع مؤنث سالم کی ہوگی جیسے "الهندات" تو ان تمام جمعوں میں تاء کو ثابت رکھنا اور حذف کرنا دونوں جائز ہیں چنانچہ "قام الرجال قامتِ الرجال اور" قام الهندات " قامتِ الهندات" "قام الهنود" قامتِ الهنود" سب پڑھ سکتے ہیں، ان صورتوں میں تاء کو اس وجہ سے لایا جاتا ہے کہ ان میں "جماعة" کی تاویل کی جاتی ہے اور جماعة مؤنث ہے لہٰذا فعل بھی مؤنث ہوگا فالتقدیر قامَتْ جماعة الرجال الخ اور حذف اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس میں لفظ "جمع" کی تاویل کی جائے گی اور لفظ "جمع" مذکر ہے لہٰذا فعل بھی مذکر ہوگا فالتقدیر قامَ جمع الرجال الخ" قرآن کریم میں اس طرح کی جمعوں میں دونوں کا جواز معلوم ہوتا ہے جیسے "وقال نسوة ای جمع نسوة" اذاجاءک المؤمنات ای جمع المؤمنات "غلبتِ الرّوم وغیرہ۔

واشار بقوله "كالتاء مع احدى اللبن"

کالتاء الخ کے ساتھ مصنفؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جمع مکسر مذکر ومؤنث، یا جمع سالم مؤنث کے تاء کا حکم اس طرح ہے جس طرح مؤنث مجازی ظاہر کی تاء کا ہے۔ (جس کی مثال لبنة ہے۔ بمعنی اینٹ) جیسے كُسِرَ اللبِنَة، كسرت اللبنة دونوں پڑھ سکتے ہیں اس طرح قامَ الرجالُ، قامَتِ الرّجالُ دونوں پڑھ سکتے ہیں

واشار بقوله والحذف فی نعم الفتاة الخ:

(والحذف فی نعم الفتاۃ) کہکر مصنفؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ "نعم" اوراس کے اخوات کا فاعل جب مؤنث ہوتو اس فعل میں تاء کو برقرار بھی کرسکتے ہیں اورحذف بھی کرسکتے ہیں (اگرچہ وہ مؤنث حقیقی کیوں نہ ہو) نعم المرأۃ هند،نعمت المرء ة هند" دونوں پڑھ سکتے ہیں اور یہ اس لئے جائز ہے کہ "نعم" کے فاعل "المرأۃ" میں الف لام عہد کیلئے نہیں بلکہ جنسی ہے اور مقصود اس کے فاعل سے استغراق جنس ہے تو اس کے ساتھ بھی جمع تکسیر کا معاملہ کیا گیا کہ اس میں بھی تاء کا حذف اور اثبات دونوں جائز ہیں بایں وجہ کہ یہ جمع تکسیر کے ساتھ مقصود کے متعدد ہونے میں مشابہ ہے۔

اور "استحسنوا" کا مطلب یہ ہے کہ ان میں حذف حسن ہے لیکن تاء کا اثبات احسن (بصیغہ اسم تفضیل" بہت بہتر) ہے۔

وَالْاَصلُ فِی الفَاعِلِ اَنْ یَتَّصِلاَ
وَالاَصلُ فِی المفعول ان ینفصلا
وَقَدْ یُجَاءُ بِخلافِ الاصلِ
وَقَدْ یجی المفعولُ قبل الفعل

ترجمہ:...... اصل فاعل میں یہ ہے کہ وہ فعل کے ساتھ متصل ہو اور مفعول میں اصل یہ ہے کہ وہ فعل سے منفصل (جدا) ہو اور کبھی اصل کے بغیر بھی لایا جاتا ہے اور کبھی مفعول فعل سے پہلے آتا ہے۔

(ش) الأصل أن یلی الفاعل الفعل من غیر أن یفصل بینه وبین الفعل فاصل؛لأنه کالجزء منه،ولذلک یُسَکَّن له آخر الفعل:إن کان ضمیر متکلم،أو مخاطب، نحو: ((ضربتُ،وضربتَ)) وإنما سکنوه کراهة توالی أربع متحرکات،وهم إنما یکرهون ذلک فی الکلمة الواحدة؛فدلَّ ذلک علی أن الفاعل مع فعله کالکلمة الواحدة.

والأصل في المفعول أن ينفصل من الفعل؛ بأن يتأخر عن الفاعل، ويجوز تقديمه على الفاعل إن خلا مما سيذكره؛ فتقول: ((ضرب زيدًا عمرٌو))، وهذا معنى قوله: ((وقد يجاء بخلاف الأصل)).

وأشار بقوله: ((وقد يجيء المفعول قبل الفعل)) إلى أن المفعول قد يتقدم على الفعل، وتحت هذا قسمان:

أحدهما: ما يجب تقديمه، وذلك كما إذا كان المفعول اسم شرط، نحو: ((أيًّا تضرب [أضربْ] أو اسم استفهام، نحو: ((أيَّ رجل ضربت؟)) أو ضميرًا منفصلا لو تأخر لزم اتصاله، نحو: ﴿إيّاك نعبد﴾ فلو أخّر المفعول لزم الاتصال، وكان يقال: ((نعبدك)) فيجب التقديم، بخلاف قولك ((الدرهم إياه أعطيتك)) فإنه لا يجب تقديم ((إياه)) لأنك لو أخرته لجاز اتصاله وانفصاله على ما تقدم في باب الضمرات؛ فكنت تقول: ((الدرهم أعطيتكه، وأعطيتك إياه))

والثاني: ما يجوز تقديمه وتأخيره، نحو: ((ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا)) فتقول: ((عمْرًا ضَرَبَ زَيْدٌ)).

ترجمہ وتشریح:

فاعل فعل کے ساتھ متصل ہوتا ہے:

غالب اور راجح فاعل میں یہ ہے کہ یہ فعل کے ساتھ متصل ہوا کرتا ہے فعل اور فاعل میں فاصل نہیں ہوتا، اس لئے کہ فاعل فعل کیلئے جزء کی طرح ہے یہی وجہ ہے کہ اس کیلئے فعل کا آخر ساکن کیا جاتا ہے اگر فاعل متکلم کی ضمیر ہو یا مخاطب کی ہو جیسے "ضَرَبْتُ" ضَرَبْتَ" فعل کو اس وجہ سے ساکن کیا جاتا ہے کہ پے در پے چار حرکات کا آنا صحیح نہیں جیسا کہ ارشاد الصرف کا دوسرا قانون ہے۔

''اجتماع اربع حركات متواليات دريک کلمه وحكم ويے ممنوع است''

اور چار حرکات کے پے در پے آنے کو ایک ہی کلمہ میں منع کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ فاعل اپنے فعل کے ساتھ ایک ہی کلمہ کی طرح ہے۔

مفعول فعل سے الگ ہوتا ہے

مفعول کے اندر غالب یہ ہے کہ وہ فعل سے الگ ہوتا ہے یعنی فعل کے بعد فاعل ہوتا ہے اور فاعل کے بعد مفعول ہوتا ہے، کبھی مفعول کی تقدیم فاعل پر بھی ہوا کرتی ہے بشرطیکہ اس میں کوئی خرابی نہ ہو (جس کا ذکر بعد میں آرہا ہے، اِنَّ خلامَماسَیذکرہ اگر وہ خالی ہو اس سے جس کو مصنفؒ بعد میں ذکر کرینگے" کا یہی مطلب ہے) جیسے ضربَ زیدًا عمرٌو، مصنف کے قول "وقد یجاء بخلاف الاصل" کا یہی معنی ہے۔

اشار بقوله الخ:

"قد یجیئ المفعول قبل الفعل" کے ذریعہ مصنفؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مفعول کبھی فعل سے پہلے بھی آتا ہے اس کے تحت دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک وہ ہے جہاں مفعول ان اشیاء میں سے ہو جو صدارت کلام چاہتے ہوں بایں طور کہ وہ اسم شرط ہو جیسے: اَیًّا تَضرِبْ اَضرِبْ یا اسم استفہام ہو جیسے " اَیَّ رَجُلٍ ضَرَبتَ"(یا مفعول کَمْ خبریہ ہو جیسے کم عبید ملکت، یا ان ہی میں سے ایک کی طرف مضاف ہو جیسے "غلامَ من تضربْ اَضرب" مَالَ کَمْ رجلٍ غصبتَ.

نیز وہاں بھی مفعول کی تقدیم ضروری ہے جہاں مفعول منفصل ضمیر ہو اور تاخیر کی صورت میں اس کا متصل ہونا ضروری ہو جیسے "اِیَّاکَ نَعبُدُ" اس صورت میں "اِیَّاکَ" ضمیر منفصل ہے اور اگر اس کو مؤخر کر دیا جائے تو "نَعبُدُکَ" ہو جائے گا۔ برخلاف "الدرهمُ اِیَّاہُ اعطیتُکَ" کے اس صورت میں اِیَّاہُ کی تقدیم واجب نہیں کیونکہ تاخیر کی صورت میں اس کا اتصال بھی جائز ہے اور انفصال بھی جیسا کہ مضمرات کی بحث میں گزر گیا۔ لہٰذا آپ "الدّرهمُ اعطیتکه، اعطیتک اِیَّاہُ" دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم وہ جہاں تقدیم بھی جائز ہے اور تاخیر بھی جیسے ضَرَبَ زیدٌ عمرًا میں آپ عمرًا ضَرَبَ زیدٌ کہہ سکتے ہیں۔ (چونکہ اعراب ظاہر ہونے کی وجہ سے التباس نہیں اس وجہ سے تقدیم مضر نہیں)

وَاَخِّرِ الْمَفْعُولَ اِنْ لَبْسٌ حُذِرْ

اَوْ اُضْمِرَ الْفَاعِلُ غَیرَ مُنْحَصِرْ

ترجمہ:...... مفعول کو آپ مؤخر کر دیں اگر التباس کا ڈر ہو یا فاعل ضمیر غیر محصور ہو۔

(ش) یجب تقدیم الفاعل علی المفعول: إذا خیف التباس أحدهما بالآخر، کما إذا خفی الإعراب فیهما، ولم توجد قرینة تبین الفاعل من المفعول، وذلک نحو: ((ضرب موسیٰ عیسیٰ)) فیجب کون ((موسیٰ)) فاعلا، و((عیسیٰ)) مفعولا.

وهذا مذهب الجمهور؛ وأجاز بعضهم تقدیم المفعول فی هذا ونحوه، قال: لأن العرب لها غرض فی الالتباس کما لها غرض فی التبیین.

فإذا وجدت قرینة تبین الفاعل من المفعول جاز تقدیم المفعول وتاخیره، فتقول: ((أکل موسی الکمثری، وأکل الکمثری موسی)) وهذا معنی قوله: ((وأخر المفعول إن لبس حذر))

ومعنی قوله: ((أو اضمر الفاعل غیر منحصر)) أنه یجب أیضا تقدیم الفاعل وتاخیر المفعول إذا کان الفاعل ضمیرًا غیر محصور، نحو: ((ضربتُ زیدًا)) فإن کان ضمیرًا محصورًا وجب تاخیره، نحو: ((ماضرَبَ زیدًا إلا أنا))

ترجمہ وتشریح:

فاعل کی تقدیم کہاں واجب ہے؟

فاعل کی تقدیم مفعول پر واجب ہے جب ایک دوسرے سے التباس کا خطرہ ہو اس طرح کہ ان دونوں میں اعراب تقدیری ہونے کی وجہ سے خفی ہو اور کوئی ایسا قرینہ بھی نہ ہو جو فاعل کو مفعول سے الگ کرتا ہو۔ جیسے ضَرَبَ مُوسیٰ عیسیٰ اس صورت میں دونوں کے اندر فاعل ہونے کی صلاحیت ہے۔ لہٰذا موسیٰ کو (جو مقدم ہے) فاعل اور عیسیٰ کو مفعول بنایا جائے گا۔ یہ مذہب جمہور کا ہے، بعض حضرات (ابن الحاج رحمہ الله) نے مفعول کی تقدیم کو اس صورت میں بھی جائز قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ التباس میں بھی عرب کی کوئی نہ کوئی غرض ہوا کرتی جس طرح تبیین میں ہوتی ہے۔ لہٰذا "موسیٰ" کو مفعول بہ بنایا جائے گا اور اس میں بھی کوئی غرض ہوگی۔

منحة الجلیل میں ابن الحاج رحمہ الله کے اس مسلک کو مرجوح قرار دیا گیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ممکن کہ عرب کی غرض التباس میں ڈالنا ہو اس لئے کہ التباس میں سامع متکلم کے علاوہ کی مراد کو سمجھتا ہے حالانکہ لغت کو تفہیم کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ البتہ عرب سے جو چیز منقول ہو کر آئی ہے اس کا نام اجمال ہے جو جائز ہے ابن الحاج کو اجمال

التباس کے فرق میں اختلاط ہوا اس وجہ سے انہوں نے اس کے حکم میں بھی فرق نہیں کیا۔ حالانکہ ان دونوں میں فرق ہے۔ اجمال یہ ہے کہ ایک لفظ دو یا زیادہ معانی کا احتمال رکھے بایں طور کہ سامع کا ذہن کسی ایک معنی کی طرف سبقت نہ کرے مثلاً "عمیر"، کہکر احتمال ہوتا ہے کہ یہ عمر کی تصغیر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ عمرو کی تصغیر ہو لیکن کوئی ایک معنی سامع کے ذہن کی طرف سبقت نہیں کرتا، اور التباس اس کو کہتے ہیں کہ ایک لفظ دو یا زیادہ معانی کا احتمال رکھے اور غیر مقصود معنی سامع کے ذہن کی طرف سبقت کرے جیسے "ضَرَبَ مُوسیٰ عیسیٰ" اس میں احتمال ہے کہ موسیٰ مضروب (مفعول) ہو لیکن سامع کے ذہن کی طرف اس کی ضاربیت (فاعلیت) کا معنی سبقت کرتا ہے اسلئے کہ اصل یہ ہے کہ فعل کے ساتھ متصل فاعل ہوا کرتا ہے۔

الغرض التباس مقاصد بلغاء میں سے نہیں (جو ضَرَبَ موسیٰ عیسیٰ میں ہے) البتہ اجمال ہے فافهم وتدبر ولا تکن من الغافلین۔

فاذا وجدت الخ:

اگر کوئی قرینہ ہو جو فاعل کو مفعول سے جدا کرے تو اس صورت میں مفعول کی تقدیم بھی جائز ہے اور تاخیر بھی، جیسے اکل موسیٰ الکمثریٰ میں اکلَ الکمثریٰ موسیٰ پڑھ سکتے ہیں اگر چہ ان دونوں میں اعراب خفی ہے لیکن چونکہ کمثریٰ (ناشپاتی، امرود) کو کھایا جاتا ہے اس وجہ سے وہ مفعول کیلئے متعین ہے چاہے مقدم ہو یا مؤخر۔

ومعنی قوله "او اضمر الفاعل غیر منحصر"

"او اضمر الفاعل" الخ کہکر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ فاعل کی تقدیم اور مفعول کی تاخیر ضروری ہے جب فاعل ضمیر غیر محصور ہو جیسے "ضَرَبتُ زیداً" اگر فاعل محصور ضمیر ہو تو اس صورت میں اس کی تاخیر ضروری ہے جیسے "مَاضَرَبَ زیداً الا اَنَا"

وَمَا بِاِلّا اَوْ بِاِنَّمَا انْحَصَر
اَخِّرْ وَقَدْ یَسْبِقُ اِنْ قَصْدٌ ظَهَر

ترجمہ......جو (فاعل یا مفعول) الا یا انّما کے ساتھ محصور ہو اس کو آپ مؤخر کریں اور مقصود ظاہر ہونے کے وقت کبھی مقدم بھی ہوتا ہے۔

(ش)يقول :إذاانحصر الفاعل أو المفعول بـ((إلاّ))أوبـ((إنّما)) وجب تاخيره،وقديتقدم المحصور من الفاعل أوالمفعول على غيرالمحصور،إذاظهرالمحصورمن غيره،وذلك كماإذاكان الحصر بـ((إلا))فأماإذاكان الحصر بـ((إنما))فإنه لايجوزتقديم المحصور،إذلايظهر كونه محصوراإلابتاخيره، بخلاف المحصور بـ((إلا))فإنه يعرب بكونه واقعابعد((إلا))؛ فلا فرق بين أن يتقدم أويتاخر.

فمثال الفاعل المحصور بـ((إنما))قولك:((إنماضرب عمرًازيد))، ومثال المفعول المحصور بإنّما:((إنماضرب زيدعمرًا))،ومثال الفاعل المحصور بـ((إلا)):((ماضرب عمرًاإلا زيد))،ومثال المفعول المحصور بإلا:((ماضرب زيدإلا عمرًا))، ومثال تقدم الفاعل المحصور بـ((إلا))قولك:((ماضرب إلا عمروزيدا))،ومنه قوله:

۱۴۷-فَلَمْ يَدْرِ إلا اللّٰهُ مَاهَيَّجَتْ لَنَا
عَشِيَّةَ آنَاءُ الدِّيَارِ وَشَامُهَا

ومثال تقديم المفعول المحصور بإلاقولك:((ما ضرَبَ إلا عمرا زيد))،ومنه قوله:

۱۴۸-تَزَوَّدْتُ مِنْ لَيْلَى بِتَكْلِيمِ سَاعَةٍ
فَمَازَادَ إلَّا ضِعْفَ مَابِي كَلَامُهَا

هذامعنى كلام المصنف.

واعلم أن المحصور بـ((إنّما))لاخلاف فى أنه لايجوزتقديمه،وأماالمحصوربإلاففيه ثلاثة مذاهب:

أحدها-وهومذهب اكثرالبصريين،والفراء،وابن الأنبارى-:أنه لايخلو: إما أن يكون المحصوربها فاعلا، أومفعولا،فإن كان فاعلاامتنع تقديمه،فلا يجوز:((ماضرب إلازيدعمرا))فاما قوله:فلم يدرإلا اللّٰه ماهيجت لنا[۱۴۷]فاوّل على أن((ماهيجت))مفعول بفعل محذوف، والتقدير:((درى ما هيجت لنا))فلم يتقدم الفاعل المحصورعلى المفعول؛لأن هذاليس مفعولا للفعل المذكور،وإن كان المحصورمفعولاجازتقديمه، نحو:((ماضرب إلاعمرازيدٌ))

الثاني – وهو مذهب الكسائي: أنه يجوز تقديم المحصور بـ((إلا)) فاعلا كان أو مفعولا.

الثالث – وهو مذهب بعض البصريين، واختاره الجزولي، والشلوبين – أنه لا يجوز تقديم المحصور بـ((إلا)): فاعلا كان أو مفعولا.

ترجمہ وتشریح:

محصور فاعل ومفعول کا حکم:

مصنف علیہ الرحمۃ اب اس فاعل اور مفعول کا ذکر کر رہے ہیں جس میں حصر کا ارادہ کیا گیا ہو، اب حصر یا تو فاعل میں ہوگا یا مفعول میں نیز یا تو حصر اِلاّ کے ساتھ ہوگا یا "انّما" کے ساتھ کل چار صورتیں ہوئیں۔

فاعل محصور بـانّما کی مثال " انّما ضرَبَ عمرًا زیدٌ" مفعول محصور بـانّما کی مثال "انّما ضرب عمرًا زیدٌ" فاعل محصور بـالاّ کی مثال "ماضربَ عمرًا الاّ زیدٌ" مفعول محصور بـالاّ کی مثال "ما ضربَ زیدٌ الاّ عمرًا" اس متن میں مصنف علیہ الرحمۃ فرما رہے ہیں کہ جب فاعل یا مفعول محصور بالاّ یا بانّما ہو تو اس صورت میں ان کی تاخیر واجب ہے۔

ہاں کبھی محصور فاعل یا مفعول غیر محصور پر بھی مقدم ہوسکتا ہے بشرطیکہ محصور ظاہر ہو بایں طور کہ حصر الاّ کے ساتھ ہو، اگر حصر انّما کے ساتھ ہو تو محصور کی تقدیم جائز نہیں اس لئے کہ اس میں محصور ہونا تب ہی ظاہر ہوگا جب وہ مؤخر آجائے۔ برخلاف محصور بالاّ کے کہ وہاں الاّ کے بعد واقع ہو جانے کی وجہ سے اس کا محصور ہونا معلوم ہو جائے گا چاہے مقدم ہو یا مؤخر۔

ومثال تقدّم الفاعل المحصور الخ:

فاعل محصور بالاّ کی تقدیم کی مثال آپ کا یہ قول ہے "ماضربَ الاّ عمرٌو زیدًا" اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

١٣٧–فَلَمْ يَدْرِ إلا اللّٰهُ مَا هَيَّجَتْ لَنَا
عَشِيَّةَ آنَاءُ الدِّيَارِ وَشَامُهَا

ترجمہ:...... جو جوش ہمیں شام کے وقت محبوبہ کے گھروں کے اردگرد نالیوں اور اس کی علامتوں نے دلایا اس کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی نے نہیں جانا۔

تشریح المفردات:

(هیّجت) باب تفعیل سے بمعنی جوش دلانا، برانگیختہ کرنا "عشیة" منصوب بنا بر ظرفیت، (آناء الدیار) معطوف علیہ (شامها) اس پر عطف اس میں (شامها) سے پہلے واؤ حرف عطف ہے اصلی نہیں۔ (آناء) نؤی کی جمع ہے بروزن قفلٌ یا بروزن صُرَدٌ یا ذئبٌ یا کلْبٌ ان گڑھوں کو کہتے ہیں جو خیموں کے اردگرد بنائے جاتے ہیں تاکہ ان میں پانی نہ جائے اور خیمے محفوظ رہیں۔ (آناء) بروزن آبار اس میں دو احتمال ہیں یا اس کے شروع میں ہمزہ ممدودہ ہے اگرچہ اصل میں انئاء تھا (عین کلمہ ہمزہ تھا بروزن اعمال) عین کلمہ ہمزہ کو نون پر مقدم کیا جمع میں دو ہمزے ایک ساتھ جمع ہوئے دوسرا ساکن تھا اس کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے مطابق الف سے تبدیل کیا جس طرح آبارٌ میں ہوا جو اصل میں "ابئارٌ" تھا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو اپنی اصل پر چھوڑا جائے۔ بعض حضرات نے اس کو بروزن (ابعادٌ) باب افعال کا مصدر بنایا ہے لیکن یہ معتبر نہیں)

یہ ساری تحقیق صاحب منحة الجلیل کی ہے۔ بعض حضرات (علامہ عینیؒ وغیرہ) کے نزدیک (آناءٌ) نائٌ کی جمع ہے بمعنی دوری (عشیة آناء الدیار) ان کے ہاں مفعول فیہ ہے (وشام) میں واؤ اصلی ہے (وشم) کی جمع ہے (وشم) کھال میں سوئی سے گود کر رنگ بھرنے کا نشان (وشامها) ان کی تحقیق کے مطابق فاعل ہے ان کی ترکیب کے مطابق ترجمہ یوں ہے:

"محبوبہ کے گھروں کی دوری کے شام اس کے ہاتھوں کی گدائی کے نشانات نے ہمارے اندر جو جذبات پیدا کئے اس کو اللہ کے علاوہ کسی نے نہیں جانا"

بہرحال علامہ عینیؒ پر صاحب منحة الجلیل نے رد کیا ہے۔ ویسے بھی صاحب منحة الجلیل کی تحقیق واضح اور عام فہم معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم وَعِلْمُه اتم۔

محل استشہاد:

(الاّ اللہ ماهیّجت) محل استشہاد ہے یہاں فاعل محصور (لفظ اللہ) کو غیر محصور (ماهیّجتْ" مفعول)

مقدم کیا ہے حالانکہ مؤخر ہونا چاہئے تھا اور کسائی رحمہ اللہ کے ہاں یہ جائز ہے اس شعر سے استدلال کرتے ہیں۔ شارح رحمہ اللہ اور جمہور کے ہاں صحیح نہیں، بعد میں شارح اس کا جواب دینگے۔ مفعول محصور بالا کی مثال "ما ضرب الا عمرًا زید" اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۴۸- تَزَوَّدْتُ مِنْ لَيْلَى بِتَكْلِيمِ سَاعَةٍ
فَمَا زَادَ إِلَّا ضِعْفَ مَا بِي كَلَامُهَا

ترجمہ:...... میں نے اپنی محبوبہ لیلیٰ سے تھوڑی دیر بات کرنے کو اپنے لئے توشہ بنایا۔
پس اس کی بات نے میری تکلیف کو اور بھی دوچند کردیا۔

تشریح المفردات:

(تزودت) باب تفعل سے واحد متکلم کا صیغہ ہے بمعنی توشہ لینا، قرآن کریم میں ہے "وتزودوا فان خیر الزاد التقوی" (لیلی) شاعر کی محبوبہ کا نام ہے یہ مجنون بنی عامر کا شعر ہے۔ بعض حضرات نے تلاش بسیار کے باوجود اس کو دیوان مجنون میں نہیں پایا۔ جاحظ یہ وجہ فرماتے ہیں کہ لوگ جس شعر میں لیلیٰ کا نام پاتے ہیں اس کو مجنون کی طرف منسوب کردیتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے (لیلی) غیر منصرف ہے الف مقصورہ کی وجہ سے۔

محل استشہاد:

(فما زاد الا ضعف ما بی کلامھا) محل استشہاد ہے یہاں مفعول بہ (ضعف) مقدم ہوا ہے فاعل (کلامھا) پر حالانکہ مفعول محصور بالا ہے مؤخر ہونا چاہئے تھا، تقدیم کسائی اور اکثر بصریین کے ہاں جائز ہے اس شعر سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں اور باقی بصریین اس کا جواب دیتے ہیں کہ "زاد" کے اندر ضمیر مستتر ہے وہ اس کا فاعل ہے جو ماقبل تکلیم کی طرف راجع ہے اور کلامھا فاعل ہے فعل محذوف کا تقدیر عبارت یوں ہے "زادہ کلامھا"

صاحب منحۃ الجلیل نے اس تاویل کو بعید قرار دیا ہے لیکن ناچیز کی رائے کے مطابق جب "لم یدر الا اللہ ماھیجت لنا" میں فعل محذوف کی تاویل ہوسکتی ہے (جس کا تفصیلی ذکر آرہا ہے) تو اس میں بھی فعل محذوف کی تاویل کرنا کوئی بعید نہیں۔ ولکل وجہ واللہ اعلم.

واعلم ان المحصور بانما الخ:

اس سے پہلے شارح نے انما اور الا کے ساتھ فاعل اور مفعول کی حصر کی مثالیں اور اس سلسلہ میں مصنف کی رائے بتادی اب نئے سرے سے اس میں دیگر علماء کے مذاہب کو بیان فرمارہے ہیں (اگر شارح پہلے ہی سے بعد میں ذکر ہونے والے مسلک اور اس سلسلہ میں اختلاف ذکر کرتے تو بات میں اختصار بھی ہوجاتا اور آسانی سے مقصود بھی سمجھ میں آتا)

چنانچہ انما کے بارے میں فرمایا کہ محصور بانما کی تقدیم کے عدم جواز میں کسی کا اختلاف نہیں اس لئے کہ اس میں محصور ہونا تب ہی ظاہر ہوگا جب وہ مؤخر ہوجائے (جیسا کہ پہلے گزر چکا) البتہ محصور بالا میں تین مسلک ہیں۔

ا:...... پہلا مسلک مذہب اکثر بصریین اور فراء اور ابن الانباری رحمہم اللہ کا ہے کہ محصور یا فاعل ہوگا یا مفعول اگر فاعل ہے تو اس کی تقدیم جائز نہیں۔ لہٰذا "مَاضَرَبَ الازیدٌ عمرًا" باقی رہا وہ شعر "فلم یدر الا اللہ ماھیجت لنا الخ"

(اس میں اگرچہ بعض حضرات کی رائے مختلف ہے جیسا کہ اس شعر کے محل استشہاد میں گزر گیا) تو اس میں تاویل یہ کی گئی ہے کہ "ماھیجت لنا" یدرِ کا مفعول نہیں تا کہ یہ کہا جاوے کہ فاعل محصور (لفظ اللہ) کو مفعول غیر محصور پر مقدم کیا گیا ہے بلکہ یہ فعل محذوف "دری" کیلئے مفعول ہے۔ اور محصور اگر مفعول ہو تو اس کی تقدیم جائز ہے جیسے "ماضرب الاعمرا زید"

۲:...... دوسرا مذہب کسائی رحمہ اللہ کا ہے کہ محصور کی تقدیم جائز ہے چاہے محصور فاعل ہو یا مفعول، ان کی دلیل وہ دو اشعار ہیں جن کا ذکر ابھی گزر چکا۔ بعض دیگر حضرات جو ان میں تاویل کرتے ہیں ان کی طرف سے ان اشعار کے جواب کا ذکر بھی گزر چکا۔

۳:...... تیسرا مذہب بعض بصریین کا ہے جزولی (پورا نام ابوموسیٰ عیسیٰ بن عبدالعزیز ہے جزولة سے ہے ۶۰۶ھ کو وفات پاگئے) اور شلوبین رحمہما اللہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے کہ محصور بالا کی تقدیم مطلقاً ناجائز ہے چاہے محصور فاعل ہو یا مفعول۔

وَشَاعَ نَحْو "خَافَ رَبَّهُ عُمَرَ"
وَشَذَّ نَحْوُ "زَانَ نَورُهُ الشَّجَرَ"

ترجمہ:......اور شائع ہے کلام عرب میں "خَافَ رَبَّهُ عمر" جیسی ترکیب (عمر اپنے رب سے ڈرا'اس سے مراد ہر وہ مثال ہے جس میں مفعول کو مقدم کیا گیا ہو اور وہ مفعول ایسی ضمیر پر مشتمل ہو جو فاعل کی طرف لوٹتی ہو، جس طرح خاف ربّه عمر میں (ہ) ضمیر مفعول کی بعد میں فاعل عمر کی طرف راجع ہے) اور شاذ ہے "زانَ نوره الشجر" جیسی ترکیب (درخت کو اس کی کلیوں نے خوبصورت بنایا' فاعل اِس مثال میں مقدم ہے اور اس میں ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے مفعول "الشجر" کی طرف)

(ش) أي: شاع في لسان العرب تقديم المفعول المشتمل على ضمير يرجع إلى الفاعل المتأخر، وذلك نحو: ((خاف ربه عمر)) ف ((ربّه)) مفعول، وقد اشتمل على ضمير يرجع إلى ((عمر)) وهو الفاعل، وإنما جاز ذلك -وإن كان فيه عود الضمير على متأخر لفظًا- لأن الفاعل منوى التقديم على المفعول، لأن الأصل في الفاعل أن يتصل بالفعل؛ فهو متقدم رتبة، وإن تأخر لفظًا.

فلو اشتمل المفعول على ضمير يرجع إلى ما اتّصل بالفاعل، فهل يجوز تقديم المفعول على الفاعل؟ في ذلك خلاف، وذلك نحو: ((ضرب غلامها جار هند)) فمن أجازها -وهو الصحيح- وجّه الجواز بأنه لما عاد الضمير على ما اتصل بما رتبته التقديم كان كعوده على ما رتبته التقديم؛ لأن المتصل بالمتقدم متقدم.

وقوله: ((وشذ -إلى آخره)) أي شذ عود الضمير من الفاعل المتقدم على المفعول المتأخر، وذلك نحو: ((زان نوره الشجر)) فالهاء المتصلة بنور -الذي هو الفاعل- عائدة على ((الشجر)) وهو المفعول، وإنما شذ ذلك لأن فيه عود الضمير على متأخر لفظًا ورتبة؛ لأن ((الشجر)) مفعول، وهو متأخر لفظًا، والأصل فيه أن ينفصل عن الفعل؛ فهو متأخر رتبة.

وهذه المسألة ممنوعة عند جمهور النحويين وما ورد من ذلك تأولوه، وأجازها أبو عبد الله الطوال من الكوفيين، وأبو الفتح ابن جني، وتابعهما المصنف، ومما ورد من ذلك قوله:

۱۴۹-لـمّـا رأى طـالـبـوه مـصـعـبـا ذعـروا
وَكَـادَ، لَـوْ سَـاعَـدَ الـمَـقْـدُورُ، يَـنْـتَـصِـرُ

وقوله:

۱۵۰-كَسَـا حِـلْـمُـهُ ذَاالْـحِـلْـمِ أثْـوَابَ سُـؤْدَدٍ
ورَقّـى نَـدَاهُ ذَاالـنّـدَى فـي ذُرَى الـمَـجْـدِ

وقوله:

۱۵۱-وَلَـوْ أنَّ مَـجْـدًا أخْـلَـدَ الـدّهْـرَ وَاحِـدًا
مِـنَ الـنّـاسِ أبْـقَـى مَـجْـدُهُ الـدّهْـرَ مُـطْـعِـمَـا

وقوله:

جَـزَى رَبُّـهُ عَـنّـي عَـدِيَّ بْـنَ حَـاتِـمٍ
جَـزَاءَ الْـكِـلابِ الْـعَـاوِيَـاتِ وَقَـدْ فَـعَـلْ

وقوله:

۱۵۳-جَـزَى بَـنُـوهُ أبَـا الْـغيلانَ عَـنْ كِـبَـرٍ
وَحُسْـنِ فِـعْـلٍ كَـمَـا يُـجْـزَى سِـنِـمّـارُ

فلو كان الضمير المتصل [بالفاعل] المتقدم عائدًا على ما اتصل بالمفعول المتأخر امتنعت المسألة، وذلک نحو: ((ضرب بعلها صاحب هند))، وقد نقل بعضهم فی هذه المسألة أيضًا خلافًا، والحق فيها المنع.

ترجمہ وتشریح:

فاعل کی ضمیر پر مشتمل مفعول کی تقدیم کا حکم:

لسان عرب میں کثرت استعمال کے اعتبار سے ایسے مفعول کی تقدیم مشہور اور شائع ہے جو ایسی ضمیر پر مشتمل ہو جو بعد میں ذکر شدہ فاعل کی طرف لوٹتی ہو جیسے "خاف ربّه عمر" میں ربه مفعول ہے اور اس میں (ہ) ضمیر ہے جو لوٹتی

ہے "عمر" فاعل کی طرف۔

(شارحؒ فرماتے ہیں) اگر چہ اس میں ضمیر متأخر لفظاً کی طرف لوٹتی ہے اور اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ فاعل مفعول پر مقدم ہوتا ہے اور فعل کے ساتھ متصل ہوتا ہے لیکن یہ اس لئے جائز ہے کہ فاعل مرتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے گو لفظاً مؤخر ہے تو یہ ایسا ہوا گویا کہ فاعل مقدم کی طرف ہی ضمیر راجع ہے (اور اضمار قبل الذکر وہ ممنوع ہے جو لفظاً اور رتبۃً دونوں ہو صرف لفظاً ممنوع نہیں کمافی هذاالمقام)

قولہ واشتمل الخ:

اس سے پہلے تو وہ صورت بیان ہوئی جس میں مفعول کے اندر ضمیر تھی اور وہ لوٹ رہی تھی بذات خود فاعل کی طرف، اب یہ بتا رہے ہیں کہ اگر وہی ضمیر لوٹتی ہو اس کی طرف جو فاعل کے ساتھ متصل ہو جیسے "ضرب غلامها جار هند" (یہاں "غلامها" مفعول میں ضمیر ہے جو فاعل (جار) کے ساتھ متصل (هند) کی طرف راجع ہے) تو اس صورت میں مفعول کی تقدیم فاعل پر جائز ہوگی یا نہیں؟

شارحؒ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے جائز قرار دیا ہے (اور یہی صحیح ہے) انہوں نے جواز کی یہ توجیہ کی ہے کہ جب مفعول کی ضمیر متصل بالفاعل (جو رتبۃً مقدم ہے) کی طرف لوٹے تو یہ ایسا ہی ہے گویا کہ خود فعل (الذی رتبته التقديم) کی طرف لوٹ رہی ہے اس لئے متقدم (فاعل) کے ساتھ متصل بھی متقدم ہوتا ہے (جنہوں نے اس کو ناجائز کہا ذرا ان کی بھی سنیے وہ فرماتے ہیں کہ یہاں مثلاً غلامها میں (ها) ضمیر مفسَّر (بصیغہ اسم مفعول) ہے اور اس کا مفسّر (هند) مؤخر ہے لفظاً اور رتبۃً باجودیکہ فعل (ضرب) کا بھی اس (هند) کے ساتھ کوئی تعلق نہیں "بخلاف زان نوره الشجرفانّه وان عادعلیٰ متأخر لكن الفعل تعلّق به و عمل فيه"

قولہ وشذّالخ:

فاعل اگر مقدم ہو اور اس میں ضمیر ہو جو لوٹ رہی ہو مؤخر مفعول کی طرف تو یہ قیاساً شاذ ہے اگر چہ کلام عرب میں زیادہ سنا گیا ہے جیسے "زَانَ نورُهُ الشجر" (٥) ضمیر نور فاعل کے ساتھ متصل ہے اور لوٹ رہی ہے "الشجر" کی طرف جو مفعول ہے اور یہ شاذ اس لئے ہے کہ اس میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے لفظاً اور رتبۃً۔ چنانچہ شجر مفعول لفظاً بھی مؤخر ہے اور رتبۃً بھی اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ یہ فعل سے الگ ہو۔

جمہور نحویین کے ہاں یہ منع ہے اور جہاں اس کے خلاف وارد ہوا ہے وہاں جمہور نے تاویل کی ہے۔
محمد بن احمد بن عبداللہ الطوال (بضم الطاء وتخفیف الواو) متوفی ۲۴۳ھ اور ابوالفتح بن جنی اور مصنف رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہے۔ اس پر واردشدہ اشعار میں سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۴۹ — لَمَّا رأى طالبوه مصعبا ذعروا
وَكَادَ، لَوْ سَاعَدَ الْمَقْدُورُ، يَنْتَصِرُ

ترجمہ:...... جب حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کو (قتل کرنے کیلئے) ان کے طلب کرنے والوں نے دیکھا تو وہ (دشمن) ڈر گئے اور قریب تھا (اگر تقدیر ان (ابن زبیرؓ) کی مدد کرتی) تو وہ اپنا بدلہ لے لیتے۔

تشریح المفردات:

(رأى بمعنى ابْصَرَ) بمعنی دیکھنا از فتح، (طالبوه) نون اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے۔ (مصعبًا) حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما مراد ہیں ا ۷ ھ کو ان کو دشمنوں نے شہید کیا ان کے حامیوں میں سے ایک نے یہ شعر کہا۔ (ذعروا) ماضی مجہول جمع مذکر غائب ہے ای اخذهم الخوف ان پر خوف آ گیا اور ہیبت چھا گئی (كاد) فعل ناقص اس میں (هو) ضمیر ہے وہ اس کیلئے فاعل ہے جو راجع ہے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی طرف۔ (ساعد) باب مفاعلہ سے مدد کرنا (المقدور) اس کیلئے فاعل، مفعول بہ اس کا محذوف ہے ای سَاعده (لَوْ سَاعَدَ المقدور درمیان میں جملہ معترضہ ہے)

محلّ استشہاد:

(طالبوه مصعبا) محل استشہاد ہے یہاں فاعل متقدم (طالبوه) کی ضمیر مفعول مؤخر (مصعبًا) کی طرف راجع ہے ابوعبداللہ طوال ابن جنیؒ اور مصنفؒ کے ہاں یہ جائز ہے۔
ایک شعر یہ بھی ہے۔

۱۵۰ — كَسَاحِلْمُهُ ذَاالْحِلْمِ أَثْوَابَ سُؤْدَدٍ
ورَقَّى نَدَاهُ ذَاالنَّدَى فِي ذُرَى الْمَجْدِ

ترجمہ:...... بُردبار کو اس کی بردباری نے سرداری کے کپڑے پہنائے اور سخی کو اس کی سخاوت نے بزرگی کی چوٹیوں پر پہنچایا۔

تشریح المفردات:

(کسا) فعل ماضی ہے ایسے دو مفعول کی طرف متعدّی ہوتا ہے جو اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر نہیں ہوتے، پہننے اور پہنانے کے معنی میں آتا ہے کماتقول کَسَوْتُ زیدًا جبّۃً وغیرہ "حِلم" بردباری، صبر و تحمل، سرد مزاجی (سؤدد) بمعنی سرداری، بفتح الدال الاولیٰ، وبضمّھا کالقنفذ (رقی) بتشدید القاف واحد مذکر غائب ماضی از باب تفعیل بمعنی چڑھانا، ترقی دینا (النّدیٰ) سخاوت و عطاء (ذریٰ) جمع ہے ذروۃ (بضم الذال وکسرھا) کی بمعنی چوٹی، بلندی، حدیث شریف میں ہے "وَذروۃ سنامہ الجھاد" (المجد) بزرگی شرافت و عزت۔

محل استشہاد:

(کساحلمہ ذاالحلم، رقی نداہ ذاالندی) محل استشہاد ہے فاعل متقدم (حلمہ، نداہ) میں ضمیر ہے جو راجع ہے مفعول مؤخر (ذاالحلم، ذاالنّدی) کی طرف، یہ جمہور کے ہاں صحیح نہیں ابن جنیؒ اور مصنفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۵۱-وَلَوْ أَنَّ مَجْدًا أَخْلَدَالدَّھْرَ وَاحِدًا
مِنَ النَّاسِ أَبْقَی مَجْدُہُ الدَّھْرَ مُطْعِمًا

ترجمہ:...... اگر بزرگی کسی کو ہمیشہ کیلئے دنیا میں رہنے دیتی تو مطعم کی بزرگی اس کو ہمیشہ کیلئے دنیا میں باقی رکھتی (لیکن کسی کی کوئی بزرگی کسی کو ہمیشہ رہنے نہیں دیتی اس وجہ سے مطعم کو بھی دنیا سے جانا پڑا اور اس کی بزرگی و عزت اس کے کام نہ آئی)

تشریح المفردات:

(اخلد) باب افعال سے ہمیشہ کیلئے باقی رکھنا (الدھر) اس کا اطلاق ہمیشہ پر ہوتا ہے (مطعما) مطعم بن عدی مراد ہے۔

شان ورود: ......شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے چونکہ مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی (جو مکّہ کے مشرکوں کے سرداروں میں سے تھے) ہجرت سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی حفاظت فرماتے اور مالی تعاون کرتے، ان بہترین اوصاف کی بناء پر اسی لئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ان کے مرثیہ میں یہ شعر کہا ہے اس سے پہلے یہ شعر ہے۔

اعینُ اَلاَابکی سَیِّدَ النَّاسِ،وَاسفحِی
بِدَمعٍ،فَاِنْ انزفتہ فاسکُبِی الدّما

ترجمہ:......جس کا مطلب ہے اے میری آنکھ کیا میں لوگوں کے سردار پر نہ روؤں
اے میری آنکھ آنسو بہادے اگر وہ بھی ختم ہے تو پھر خون بہادے۔

محلّ استشہاد:

(**ابقٰی مجدہ مطعما**) محل استشہاد ہے۔ یہاں مفعول (**مطعمًا**) مؤخر ہے اور فاعل مقدم (**مجدہ**) میں ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے مفعول کی طرف حالانکہ وہ لفظًا اور رتبةً مؤخر ہے۔ (اس میں بھی گزشتہ تفصیل ہے)

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے۔

جَزَی رَبُّہُ عَنِّی عَدِیَّ بْنَ حَاتِمٍ
جَزَاءَ الْکِلَابِ الْعَاوِیَاتِ وَقَدْ فَعَلْ

ترجمہ:......میری طرف سے عدی بن حاتم کو اس کا ربّ بدلہ دے جس طرح بھونکنے والے کتوں کو (پتھر مار کر) سزا دی جاتی ہے اور تحقیق اس کے ربّ نے یہ کرلیا (یعنی میری دعا قبول کی۔)

تشریح المفردات:

((**عدیّ بن حاتم**) مشہور صحابیِ رسول ہیں، شاعر نے ان پر بد دعا کی ہے یا تو شاعر مذہب کے اعتبار سے صحیح نہیں تھا یا زمانہ جاہلیت میں یہ شعر پڑھا ہوگا اور بعد میں مسلمان ہو چکا ہوگا، ورنہ تو اتنے بڑے صحابی کو اس طرح کی ظلم ترین بد دعا دینا کسی بھی طرح جائز نہیں جن کو عبادت کا اتنا شوق تھا کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھ پر نماز کا کوئی بھی وقت نہیں

آیا مگر میں پہلے سے اس کی طرف مشتاق ہوتا تھا، میں جب بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جاتا تو آپ میری بات سننے میرے لئے اپنی جگہ سے ہلتے (فرماتے ہیں) ایک مرتبہ میں آپ علیہ السلام کے ہاں آیا آپ کا گھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھرا پڑا تھا آپ نے مجھے جگہ دی یہاں تک کہ میں آپ کی ایک جانب بیٹھ گیا، وہ مہاجرین میں سے تھے اپنی قوم میں ایک شریف خطیب اور حاضر جواب آدمی تھے کوفہ آئے وہاں سکونت اختیار کی اور وہیں ۶۷ھ یا ۶۸ھ یا ۶۹ھ کو ۱۲۰ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ بعض حضرات نے اس شعر کی نسبت نابغہ ذبیانی کی طرف کی ہے اور بعض نے مشہور واضع نحو ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ کی طرف۔ واللہ اعلم۔

محلّ استشہاد:

(ربّہ......عدی) محل استشہاد ہے مفعول (عدی) مؤخر ہے اور فاعل مقدم (ربّہ) میں ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے مفعول کی طرف۔ (مرّ تفصیلہ)

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۵۳ - جَزَی بَنُوهُ أبَا الْغیلاَنِ عَنْ کِبَرٍ

وَحُسْنِ فِعْلٍ کَمَا یُجْزَی سِنِمَّارُ

ترجمہ:......ابوالغیلان کو اس کے بیٹوں نے بڑھاپے اور بہترین کارکردگی کے باوجود ایسا بدلہ دیا جو سِنِّمار کو دیا جاتا ہے۔

تشریح المفردات:

(ابا الغیلان) ایک آدمی کی کنیت ہے جس کا نام و حال معلوم نہیں ہو سکا (بنوہ) اصل میں بنون لہ تھا نون کو اضافت اور لام کو تخفیف کی وجہ سے حذف کیا (عن) بمعنی بعد (کبر) بڑھاپا، عمر کا زیادہ ہونا، (سنمّار) یہ ایک رومی آدمی کا نام ہے جس نے حیرہ کے بادشاہ نعمان بن امرؤ القیس کے لئے ایک عالی شان محل بنایا تھا بیس سال میں اس کی تعمیر پوری ہوئی جب وہ اس کی تعمیر سے فارغ ہوا تو بادشاہ نعمان نے اس انجینئر کو چھت سے زمین پر گرایا تا کہ اس طرح کا محل کسی دوسرے کیلئے نہ بنائے، سوء المجازاۃ (برا بدلہ دینے) میں یہ ایک ضرب المثل بن گیا، کہا جاتا ہے "جزانی جزاء سنّمار"

محلِ استشہاد:

(بنوه ابا الغیلان) محلِ استشہاد ہے بنوه فاعل مقدم میں ضمیر ہے جو راجع ہے مفعول مؤخر کی طرف (جو أبا الغیلان ہے) پہلے تفصیل سے کئی اشعار گزرے جن میں فاعل مقدم ہے اور اس میں ضمیر ہے جو راجع ہے مفعول مؤخر کی طرف، جمہور کے ہاں یہ صحیح نہیں اور ایسے اشعار کو وہ یا تو شاذ کہتے ہیں یا ضرورت شعریہ پر حمل کرتے ہیں۔

چونکہ اس کے جواز پر ابھی پانچ چھ شواہد گزرے ہیں اس کے علاوہ بھی کلام عرب میں زیادہ تر اس طرح آیا ہے اس وجہ سے صاحب منحة الجليل کی رائے یہ ہے کہ جواز کا یہ مسلک (جو امام اخفش اور ابن جنی اور ابو عبداللہ الطوال، اور ابن مالک رحمہم اللہ) کا ہے) میرے نزدیک راجح ہے (اگر چہ جمہور کے خلاف ہے) حق اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اسی پر اعتماد کیا جائے ان کے نزدیک کلام عرب کے استعمال کا اعتبار ہے قواعد اس کے مقابلے میں مرجوح ہیں۔

فلو كان الضمير الخ:

اس سے پہلے فاعل کا ذکر ہوا جس میں ضمیر تھی اور وہ لوٹ رہی تھی مفعول کی طرف اب اس فاعل کا حکم بتا رہے ہیں جس میں ضمیر مفعول کے ساتھ متصل کی طرف لوٹتی ہے شارح فرماتے ہیں کہ یہ صورت صحیح نہیں جیسے "ضَرَبَ بَعْلُهَا صاحبَ هند"، بعض حضرات نے اگر چہ اس میں بھی اختلاف نقل کیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ یہ صورت ممنوع ہے۔

اَلنَّائِبُ عن الفاعِلِ

يَنُوبُ مفعولٌ به عَنْ فَاعِلِ

فيما لَه، كَنِيلَ خيرُ نائلِ

ترجمہ:...... مفعول بہ فاعل کی جگہ نائب ہوکر آتا ہے ان احکام میں جو فاعل کیلئے ہوتے ہیں جیسے نِيلَ خير نائِلٍ (بہترین انعام حاصل کیا گیا)

(ش) يحذف الفاعل ويقام المفعول به مقامه، فيعطى ما كان للفاعل: من لزوم الرفع، ووجوب التأخر عن رافعه، وعدم جواز حذفه، وذلك نحو: ((نيل خير نائل)) فخير نائل: مفعول قائم مقام الفاعل، والأصل: ((نال زيدٌ خير نائل)) فحذف الفاعل –وهو ((زيد))– وأقيم المفعول به مقامه –وهو ((خير نائل)) ولا يجوز تقديمه؛ فلا تقول: ((خير نائل نيل)) على أن يكون مفعولا مقدما، بل على أن يكون مبتدأ، وخبره الجملة التي بعده –وهي ((نيل)) والمفعول القائم مقام الفاعل ضمير مستتر– والتقدير: [نيل] هو)) وكذلك لا يجوز حذف ((خير نائل)) فتقول: ((نيل))

ترجمہ وتشریح:

نائب فاعل کے احکام:

اس سے پہلے فاعل کا ذکر تفصیلاً گزر چکا، نیز اس کے احکام و مسائل بھی تفصیلاً بیان ہوئے اب نائب فاعل کا ذکر کر رہے ہیں (نائب فاعل کو بعض حضرات مفعول مالم يسمّ فاعله کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ دونوں میں فرق نہیں البتہ حاشیة الخضری میں ہے کہ نائب فاعل کی اصطلاح ''مفعول مالم يسمّ فاعله'' سے بہتر ہے اس لئے کہ یہ اس ظرف کو شامل نہیں ہوتا جو فاعل سے نائب ہوکر آتا ہے اس لئے کہ مطلق ذکر کے وقت مفعول بہ ہی مراد ہوتا ہے۔ جبکہ نائب فاعل سب کو شامل ہے)

چنانچہ فرمایا: فاعل کو حذف کر کے مفعول بہ کو اس کے مقام لایا جاتا ہے اور فاعل کے تمام احکام اس کو بھی دیئے جاتے ہیں مثلاً مرفوع ہونا، عامل سے مؤخر ہونا وغیرہ، جیسے ''نِيلَ خير نائل'' خير نائل مفعول ہے اور

فاعل کے قائم مقام ہے جوکہ زید ہے تقدیر عبارت یوں ہے "نـالَ زیـدٌ خیـر نـائـل" مفعول بہ (خیـر نائل) کو حذف کر کے فاعل (زید) کو اس کے قائم مقام بنایا، اسی طرح خیر نائل کی تقدیم بھی اس طرح جائز نہیں کہ یہ مفعول مقدم ہو بلکہ ترکیب میں یہ مبتدا واقع ہو اور "نیـل" جملہ خبر ہوگا اور نائب فاعل وہ ضمیر ہوگی جو مستتر ہے والتقدیر "نیل ھو"

اسی طرح "خیز نائل" کا حذف بھی صحیح نہیں تا کہ صرف "نیل" کہا جا سکے۔

فـأوَّلَ الـفِـعْـلِ اضـمُـمَـنْ والـمتـصِـل
بـالآخِـرِ اكسِـرْ فـي مُـضِـيٍّ كـوصِـل
واجْـعَـلْـهُ مِـنْ مُـضَـارِعٍ مـنـفتِـحَـا
كَـيَـنْتَـحِـي الْـمَـقُـولِ فِيـهِ:يُـنْتَـحَـى

ترجمہ:...... پس آپ فعل کے شروع کو ضمہ دیں اور آخر کے ساتھ متصل کو ماضی میں کسرہ دیں جیسے وَصَلَ میں وُصِلَ اور مضارع میں آپ حرف اوّل کو مفتوح کر دیں جیسے یَنْتَحِيْ اس میں کہا جائے گا "یُنْتَحٰی" (انتحاء) بمعنی اعتماد کرنا، پیش ہونا۔

(ش) یضم أول الفعل الذی لم یسم فاعله مطلقًا، ای: سواء کان ماضیًا، أومضارعًا، ویکسر ماقبل آخر الماضی، ویفتح ماقبل آخر المضارع.

ومثال ذلک فی الماضی قولک فی وَصَلَ: "وُصِلَ"، وفی المضارع قولک فی 'ینتحی': "ینتحِی" (ترجمہ وتشریح واضح ہے)

وَالـثَّـانِـي الـتَّـالِـيَ تَـا الـمُـطَـاوَعَـه
كَـالأَوَّلِ اجْـعَـلْـهُ بِلاَ مُـنَـازَعَـه
وَثَـالِـثُ الَّـذِي بِهَـمْـزِ الْـوَصْـلِ
كَـالأَوَّلِ اجْـعَـلَـنَّـهُ كَـاسْتُـحْـلِي

ترجمہ:...... فعل بنی للمفعول میں دوسرے حرف کو جو تاء مطاوعت کے بعد ہے پہلے کی طرح (مضموم) کر دیں بغیر کسی جھگڑے کے، اور ہمزہ وصل ساتھ تیسرے حرف کو بھی

پہلے کی طرح (مضموم) کردیں۔

(ش) إذا کان الفعل المبنی للمفعول مفتتحا بتاء المطاوعة ضم أوله وثانیه، وذلک کقولک فی "تَدَحْرَجَ": "تُدُحْرِجَ" وفی "تکسّر": "تُکُسِّر" وفی "تغافل": "تغوفل"

وإن کان مفتتحا بهمزة وصل ضم أوله وثالثه، وذلک کقولک فی "استحلی": "استحلی" وفی "اِقْتَدَرَ": "اُقْتُدِرَ" وفی "اِنْطَلَقَ": "اُنْطُلِقَ"

ترجمہ وتشریح:

جب فعل بنی للمفعول کے شروع میں تاء مطاوعت ہو (مطاوعت کہتے ہیں تاثیر کو قبول کرنا اور پہلے کی چیز دوسرے کو حاصل ہونا، جیسے: تَعَلَّمْتُهُ فَتَعَلَّمَ میں نے اس کو سکھایا پس اس نے سیکھا) تو پہلے اور دوسرے حرف کو ضمہ دیا جائے گا۔ جیسے: تَدَحْرَجَ سے تُدُحْرِجَ، تکسّرَ سے تُکُسِّرَ، تَغَافَلَ سے تُغُوفِلَ.

اور اگر شروع میں ہمزہ وصلی ہو تو پہلے اور تیسرے حرف کو ضمہ دیا جائے جیسے: استحلیٰ سے اُستُحْلِیَ. اِقْتَدَرَ سے اُقْتِدَرَ، انطَلَقَ سے اُنطِلِقَ۔

وَاکْسِرْ أَوْ اَشْمِمْ فَاثُلاثِیّ أُعِلّ
عیناً وَضَمٌّ جَاءَ کَـ "بُوعَ" فَاحْتُمِل

ترجمہ:......کسرہ دیں یا اشمام کریں ثلاثی معتل العین کے فاء میں اور ضمہ بھی آیا ہے جیسے "بُوعَ" پس اس کا بھی احتمال ہے۔

(ش) إذا کان الفعل المبنی للمفعول ثلاثیا معتل العین سمع فی فائه ثلاثة أوجه: (۱) إخلاص الکسر، نحو: ((قیل، وبیع)) ومنه قوله:

۱۵۴- حِیکَتْ عَلَی نِیرَیْنِ إِذْ تُحَاکُ
تَخْتَبِطُ الشَّوْکَ وَلاَ تُشَاکُ

(۲) وإخلاص الضم، نحو: ((قوله، وبوع))، ومنه قوله:

۱۵۵-لَیْتَ ،وَهَلْ یَنْفَعُ شَیْئًا لَیْتُ؟
لَیْتَ شَبَابًا بُوعَ فَاشْتَرَیْتُ

وهی لغة بنی دبیر وبنی فقعس[وهمامن فصحاء بنی أسد]

(۳) والإشمام-وهو الإتیان بالفاء حرکة بین الضم والکسر-ولایظهر ذلک إلا فی اللفظ،ولا یظهرفی الخطّ، وقدقریٔ فی السبعة قوله تعالی:﴿وقیل یاأرض ابلعی ماء ک ویاسماء أقلعی وغیض الماء﴾ بالإشمام فی ((قیل))و((غیض))

ترجمہ وتشریح:

قیلَ بیعَ کی تین وجہیں:

جب فعل مبنی للمفعول ہو اور ثلاثی معتل العین ہوتو اس کی فاء میں تین وجہیں جائز ہیں ۔(صرف کسرہ جیسے "قِیلَ" بِیعَ" اوراسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۵۴-حِیکَتْ عَلَی نِیرَیْنِ إِذْتُحَاکُ
تَخْتَبِطُ الشَّوْکَ وَلاَتُشَاکُ

ترجمہ:...... یہ چادر بنی گئی ہے دومضبوط اکٹھے دھاگوں پر جب اس کو بنا جارہا تھا یہ مارتی ہے کانٹے کو اور خوداس میں کانٹا نہیں چبھتا۔

تشریح المفردات:

(حیکت) ازضرب بمعنی بنا(نیرین) نیر کا تثنیہ ہے بمعنی اکٹھے دھاگے، کپڑے کا نقش ونگار، کہا جاتا ہے رجُلٌ ذونیرین اپنے ساتھی سے دگنی قوت والا" حربٌ ذاتُ نیرینِ" سخت جنگ(تختبط) واحدمؤنث غائب کا صیغہ ہے باب افتعال ضرب سے بمعنی زور سے مارنا، سخت روندنا کچلنا(الشوک) کانٹا(لا تشاک) ای لایدخلهاشوک" نصر سے بمعنی کانٹا چبھونا۔

محل استشہاد:

(حیکت) محل استشہاد ہے فعل ثلاثی معتل العین ہے اوراخلاص کسرکے ساتھ ہے۔

۲:......دوسری وجہ ثلاثی معتل العین کے مبنی للمفعول میں اخلاص ضم ہے یعنی فاکلمہ پر ضمہ کا ہونا جیسے " قُول" "بوع"

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۵۵- لَیتَ ،وَهَلْ يَنفَعُ شَيئًا لَيتُ

لَيتَ شَبَابًا بُوعَ فَاشتَرَيتُ

ترجمہ:...... کاش (اور کیا کاش کا لفظ کچھ نفع دیتا ہے؟ کاش) کہ جوانی بیچی جاتی پس میں اس کو خریدتا۔

تشریح المفردات:

(لیت) حرف تمنی ناصبہ ہے۔ اسم کو نصب خبر کو رفع دیتا ہے ناممکن شئ کی تمنا کیلئے آتا ہے۔ یہاں تین مرتبہ " لیت" کا لفظ آیا ہے پہلا لیتَ مشہور حرف تمنی ہے دوسرا باعتبار لفظ یقعُ فعل کیلئے فاعل ہے اور مرفوع بنا بر فاعلیت ہے اسلئے کہ مقصود لفظ "لیت" ہے تیسرا والا (لیت) پہلے والے کی تاکید ہے لہٰذا تیسرے کا اسم اور خبر نہیں ہے " وَهَلْ يَنفَعُ شيئًا ليت" جملہ معترضہ ہے۔(هل) سے استفہام انکاری مراد ہے اس لئے کہ ایک روایت میں " وَمَاينفع شيئًا ليت" آیا ہے جس کا مطلب ہے کہ لیت کا لفظ کوئی نفع نہیں دیتا ہے۔

محل استشہاد:

(بوع) محل استشہاد ہے اخلاص ضم والی روایت ہے عرب کی ایک جماعت بنو دبیر اور بنو فقعس کی لغت ہے جو بنو اسد کے فصحاء میں سے تھے۔

۳:......تیسری لغت اشمام کی ہے یعنی فاکلمہ پر ایسی حرکت لانا جو ضمہ اور کسرہ کے درمیان ہو، خط کے اندر یہ ظاہر نہیں ہوتا البتہ تلفظ میں ظاہر ہو جاتا ہے، منجد میں ہے کہ قاریوں اور نحویوں کے نزدیک ہونٹ کے ساتھ بغیر آواز نکالے ہوئے حرکت کی طرف اشارہ کرنے کو اشمام کہتے ہیں۔ قراءت سبعہ میں "وقيل يا ارض ابلعي ماءكِ ویاسماء اقلعی وغیض الماء" کی آیت میں قیل اور "غیض" اشمام کے ساتھ آیا ہے۔

وَإِنْ بشكل خيفَ لَبْسٌ يُجْتَنَبْ
وَمَا لِبَاعَ قَدْ يُرَى لِنَحْوِ حَبّْ

ترجمہ:......اگر کسی صورت میں التباس کا خطرہ ہو (یعنی مذکورہ تین وجوہات اخلاص کسرہ اخلاص ضمّ، اشمام میں سے) تو اس سے اجتناب کیا جائے گا نیز جو حکم بَاعَ کے فاء کیلئے ہے وہ حَبَّ (یعنی مضاعف کے فاء کیلئے بھی دیکھا گیا ہے۔

(ش) إذا أسند الفعل الثلاثي المعتل العين – بعد بنائه للمفعول – إلى ضمير متكلم أو مخاطب أو غائب: فإما أن يكون واويًا، أو يائيًا.

فإن كان واويًا – نحو: ((سام)) من السوم – وجب – عند المصنف – كسر الفاء أو الإشمام؛ فتقول: ((سمتُ)) ولا يجوز الضم؛ فلا تقول: ((سمته))]؛ لئلا يلتبس بفعل الفاعل، فإنه بالضم ليس إلا، نحو: ((سمت العبد))

وإن كان يائيًا – نحو: ((باع)) من البيع – وجب – عند المصنف أيضًا – ضمه أو الإشمام؛ فتقول: ((بعت يا عبد)) ولا يجوز الكسر؛ فلا تقول: ((بعت))؛ لئلا يلتبس بفعل الفاعل؛ فإنه بالكسر فقط، نحو: ((بعت الثوب))

وهذا معنى قوله: ((وإن بشكل خيف لبس يجتنب)) أي: وإن خيف اللبس في شكل من الأشكال السابقة – أعني الضم، والكسر، والإشمام – عدل عنه إلى شكل غيره لا لبس معه.

هذا ما ذكره المصنف، والذي ذكره غيره: أن الكسر في الواوي، والضم في اليائي، والإشمام هو المختار، ولكن لا يجب ذلك، بل يجوز الضم في الواوي، والكسر في اليائي.

وقوله: ((وما لباع قد يرى لنحو حبّ)) معناه أن الذي ثبت لفاء ((باع)) – من جواز الضم، والكسر، والإشمام – يثبت لفاء المضاعف، نحو: ((حبّ))؛ فتقول: ((حَبّ))، و((حُبّ)) وإن شئت أشممت.

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے معتل العین کے ماضی مجہول میں تین وجہوں کے جواز کا ذکر ہوا اب مصنفؒ یہ فرمار ہے ہیں کہ یہ تین وجہیں وہاں جائز ہیں جہاں التباس کا خطرہ نہ ہو اگر التباس کا خطرہ ہو تو پھر صحیح نہیں۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ جب فعل ثلاثی معتل العین کی اسناد ہو جائے ضمیر متکلم یا مخاطب یا غائب کی طرف تو یا وہ فعل واوی ہوگا یا یائی۔

اگر واوی ہو جیسے سَامَ (یَسُوْمُ) تو مصنفؒ کے ہاں التباس سے بچنے کیلئے صرف فا کا کسرہ اور اشمام جائز ہے۔ چنانچہ سِمْتُ کہا جائے گا اور ضمہ پڑھنا صحیح نہیں لہٰذا سُمْتُ (بضم السین) کہنا غلط ہے کیونکہ فا کے ضمہ کی صورت میں یہ فعل معروف کے ساتھ خلط ملط ہو جائے گا (یعنی وہ فعل جس کا فاعل ہوتا ہے) فعل معروف کی مثال سُمْتُ العبد ہے یائی جیسے "باعَ" تو مصنف کے ہاں اس میں بھی صرف ضمہ یا اشمام واجب ہے، چنانچہ " بُعْتَ یاعبد" کہا جائے گا اور "بِعت یاعبد" (بکسر الباء) صحیح نہیں تاکہ فاعل کے فعل سے التباس نہ آئے پتہ نہیں چلے گا (یاء کے کسرہ کی صورت میں) کہ یہ فعل معروف ہے یا مجہول مصنفؒ کے قول "وان بشکلٍ خیف الخ کا یہی مطلب ہے۔

یہ مسلک مصنفؒ کا ہے جبکہ دیگر حضرات کا مسلک یہ ہے کہ واوی میں کسرہ اور یائی میں ضمہ اور اشمام مختار ہے (شارح فرماتے ہیں) لیکن یہ بھی وجوبًا نہیں بلکہ واوی میں ضمہ اور یائی میں کسرہ جائز ہے۔ چنانچہ قَالَ یقولُ سے ماضی مجہول اور معروف دونوں قُلْنَ قُلْتَ قلتما الخ ایک جیسے آتے ہیں (اگرچہ اصل تعلیل میں فرق ہوتی ہے) اسی طرح بعن بعت بعتما الخ میں بھی۔ عام طور پر صرف کی کتابوں میں اسی قول کو لیا گیا ہے۔ یعنی واوی میں ضمہ اور یائی میں کسرہ چنانچہ ارشاد الصرف میں قلن کے متعلق قانون ہے۔

(ہر واؤ غیر مکسور کہ در ماضی معلوم ثلاثی مجرد اجوف الف شدہ بیفتد فا کلمہ را حرکت ضمّہ می دھند وجوبًا) اور (خفن) "بِعْنَ" کے تعلّق قانون یہ ہے

(ہر واو مکسور ویائے مطلقًا کہ در ماضی معلوم ثلاثی مجرد اجوف الف شدہ باشد بیفتد فا کلمہ وے را حرکت کسرہ می دھند وجوبًا)

باقی رہا التباس کا شبہ تو قرینے سے اس کا ازالہ ممکن ہے۔

بہر حال سیبویہ رحمہ اللہ نے ان تینوں وجہوں کو عرب سے مسموع قرار دیا ہے اور اس پر انہوں نے تصریح کی ہے۔

ومالِبَاعَ الخ:

مصنفؒ اس قول سے یہ بتارہے ہیں کہ جو تین وجہیں (جواز ضم، جواز کسرہ اشمام) بَاعَ کے فاء کیلئے ثابت ہیں وہ مضاعف کے فاء کیلئے بھی ہیں جیسے حَبَّ، اس میں آپ حُبَّ، حِبَّ اشمام تینوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔

وَمَالِفَا بَاعَ لِمَا العینُ تَلِی
فِی اِختار وانقَادَ وشبہٍ ینجَلِی

ترجمہ:...... جو حکم باع کے فاء کیلئے ثابت ہے وہی اس حرف کیلئے بھی ہے جس کے ساتھ
عین کلمہ متصل ہے اِختارَ، انْقادَاور اس کے مشابہ میں جو واضح ہو۔

(ش) أی یثبت—عند البناء لِلْمفعول—لما تلیه العین من کل فعل یکون علی وزن افتَعَلَ، أوانفَعَلَ وهو معتل العین مایثبت لفاء باعَ من جواز الکسر: والضم، وذلک نحو: ((اختار، وانقاد)) وشبههما؛ فیجوز فی التاء والقاف ثلاثة أوجه: الضم، نحو: ((اختور))، و((انقود))، والکسر، نحو: ((اختیر))، و((انقید))، والإشمام، وتحرک الهمزة بمثل حرکة التاء والقاف.

ترجمہ وتشریح:

یہاں یہ فرمارہے ہیں کہ مبنی للمفعول میں جو تین وجہیں گزر گئی یہ اس فعل کے فاء میں بھی ثابت ہیں جو افتعل، انفعلَ کے وزن پر ہو جیسے اختارَ انْقَادَ وغیرہ چنانچہ تاء اور قاف میں ضمہ بھی جائز ہے جیسے "اختور انقود (یہاں جب تاء اور قاف کو ضمہ دیا تو یاء کو ماقبل مضموم ہونے کی بناء پر یُوسرُ کے قاعدہ۔ (هر یائے ساکن مظهر غیر واقع مقابله فا کلمہ باب افتعال ماقبلش مضموم آن را بواو بدل کنند وجوبًا) کے تحت واؤ سے تبدیل کیا۔ اور کسرہ بھی جائز ہے جیسے اُختیرَ اُنقِیدَ۔

اسی طرح اشمام بھی جائز ہے اس صورت میں ہمزہ کو تاء اور قاف کی حرکت دی جائے گی۔

وَقَـابِـلٌ مِـنْ ظَـرْفٍ اومِـنْ مَـصْـدرِ
أوحَـرْفِ جَـرٍّ بِـنِـيَـابَـة حَـرِي

ترجمہ:...... جو ظرف مصدر حرف جر میں سے قابل ہو وہ نیابت کا زیادہ لائق ہے۔

(ش) تقدم أن الفعل إذا بنى لما لم يسم فاعله أقيم المفعول به مقام الفاعل، وأشار في هذا البيت إلى أنه إذا لم يوجد المفعول به أقيم الظرف أو المصدر أو الجار والمجرور مقامه؛ وشرط في كل [واحد] منها أن يكون قابلاً للنيابة، أي: صالحا لها، واحترز بذلك مما لا يصلح للنيابة، كالظرف الذي لا يتصرف، والمراد به: ما لزم النصب على الظرفية، نحو: ((سحر)) إذا أريد به سحر يوم بعينه، ونحو: ((عندك)) فلا تقول: ((جلس عندك)) ولا ((ركب سحر)) لئلا تخرجهما عما استقر لهما في لسان العرب من لزوم النصب، وكالمصادر التي لا تتصرف، نحو: ((معاذ الله)) فلا يجوز رفع ((معاذ الله)) لما تقدم في الظرف، وكذلك ما لا فائدة فيه: من الظرف، والمصدر، [والجار والمجرور]، فلا تقول: ((سير وقت)) ولا ((ضُرِب ضَرْبٌ)) ولا ((جلس في دار)) لأنه لا فائدة في ذلك.

ومثال القابل من كل منها قولك: ((سير يوم الجمعة، وضرب ضرب شديد، ومر بزيد)).

ترجمہ وتشریح:

مفعول بہ موجود نہ ہونے کی صورت میں ظرف وغیرہ کو نائب فاعل بنایا جا سکتا ہے:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ جب فعل مبنی للمفعول ہو جائے تو مفعول بہ کو فاعل کے قائم مقام بنایا جائیگا۔ اس شعر میں یہ بتا رہے ہیں کہ اگر مفعول بہ موجود نہ ہو تو ظرف مصدر یا جار مجرور کو اس کے قائم مقام بنائینگے۔

لیکن ان میں سے ہر ایک میں شرط ہے کہ وہ نیابت کے قابل ہو یعنی نائب بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

چنانچہ ظرف اور مصدر کی نیابت کیلئے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ ان میں سے ہر ایک متصرف ہو دوسری یہ ہے کہ ہر ایک مختص ہو ان دونوں میں سے کوئی بھی شرط نہ پائی گئی تو نیابت صحیح نہیں ہوگی۔

(جاننا چاہیے کہ ظروف کی تین قسمیں ہیں۔

۱:......اول جو نصب بنابر ظرفیت کو لازم ہوں کسی بھی حالت میں اس سے جدا نہ ہوتے ہوں نیز من جارہ کے آنے سے اس پر جر بھی نہ آتا ہو جیسے " قط، عوض، اذا، سحر" (جو معین دن کا مراد ہو)۔

۲:......دوم جو احدالامرین نصب بنابر ظرفیت یا من کے ذریعہ جر کو لازم ہو جیسے عند، ثم (بفتح الثاء)

ان دونوں قسموں کو ظرف غیر متصرف کہا جاتا ہے۔

۳:......تیسری قسم جو نصب بنابر ظرفیت اور جر بہ من سے نکل کر مختلف عوامل کے آنے کی وجہ سے متاثر ہوتے ہوں جیسے "زمن، وقت۔ ساعة الیوم، دھر، حین ان کو ظرف متصرف کہا جاتا ہے، مصادر میں متصرف وہ ہیں جو نصب بنابر مصدریت سے نکل کر مختلف عوامل کے آنے کی وجہ سے متاثر ہوتے ہوں جیسے ضرب، قتل اور غیر متصرف مصدر میں وہ ہیں جو صرف منصوب بنابر مصدریت ہی ہوں، جیسے معاذ اللہ۔ لہٰذا معاذ کو مرفوع پڑھنا صحیح نہیں اور ظروف میں مختص اس کو کہتے ہیں جو اضافت یا وصف کے ساتھ خاص ہوں اور مصادر میں مختص اس کو کہتے ہیں جو عدد یا نوع پر دال ہوں لہٰذا ضُرِبَ ضَرْبٌ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہاں نہ عدد ہے نہ نوع) شرح میں اسی کو مختصر کرکے پیش کیا گیا ہے فراجعه وطالعه۔

اسی طرح جس میں فائدہ نہ ہو وہاں بھی نائب فاعل بنانا ظرف مصدر جار مجرور کا صحیح نہیں۔ چنانچہ سیر وقت ضُرِبَ ضَرْبٌ، جُلِسَ فی دار کہنا صحیح نہیں۔

نیابت کے قابل کی مثال یہ قول ہے " سیر یوم الجمعة ضرب ضرب شدید مر بزید" (پہلی مثال میں ظرف متصرف مختص کو دوسری میں مصدر متصرف مختص کو اور تیسری میں فائدہ والے جار مجرور کو مفعول کے قائم مقام بنایا گیا ہے۔

وَلَا یَنُوبُ بَعْضُ هٰذِی، إِنْ وُجِدْ
فِی اللَّفْظِ مَفْعُولٌ بِهِ وَقَدْ یَرِدْ

ترجمہ:......ان میں سے (یعنی مصدر، ظرف، جار مجرور میں سے) بعض فاعل کے قائم مقام نہیں ہونگے اگر لفظ میں مفعول بہ موجود ہو اور کبھی واقع ہو جاتا ہے۔

ش) مذهب البصريين - إلا الأخفش - أنه إذا وجد بعد الفعل المبنى لما لم يسم فاعله: مفعول به، ومصدر، وظرف، وجار ومجرور - تعين أقامة المفعول به مقام الفاعل؛ فتقول: ضرب زيد ضربا شديدا يوم الجمعة أمام الأمير فى داره، ولا يجوز إقامة غيره [مقامه] مع وجوده، وما ورد من ذلك شاذ أو مؤول.

ومذهب الكوفيين أنه يجوز إقامة غيره وهو موجود: تقدم، أو تأخر، فتقول: ((ضرب ضرب شديد زيدا، وضرب زيدا ضرب شديد)) وكذلك فى الباقى؛ واستدلوا لذلك بقراءة أبى جعفر: (ليجزى قوما بما كانوا يكسبون) وقول الشاعر:

١٥٦ - لَمْ يُعْنَ بِالْعَلْيَاءِ إلَّا سَيِّدا
وَلَا شَفَى ذَاالْغَيِّ إلَّا ذو هُدَى

ومذهب الأخفش أنه إذا تقدم غير المفعول به عليه جاز إقامة كل [واحد] منهما؛ فتقول: ضرب فى الدار زيد، وضرب فى الدار زيدا، وإن لم يتقدم تعين إقامة المفعول به، نحو: ((ضرب زيد فى الدار))؛ فلا يجوز ((ضرب زيدا فى الدار))

ترجمہ وتشریح:

اخفش رحمہ اللہ کے علاوہ باقی بصریین کا یہ مسلک ہے کہ فعل مبنی للمفعول کے بعد اگر مفعول بہ، مصدر، ظرف، جار مجرور واقع ہو تو مفعول بہ کو فاعل کی جگہ قائم مقام بنانا ضروری ہے جیسے ضُرِبَ زیدٌ ضربًا شدیدًا یومَ الجمعة امام الامیر فی داره (یہاں مصدر ظرف جار مجرور کے ساتھ مفعول بہ (زید) بھی موجود تھا اس وجہ سے اسی کو فاعل کے قائم مقام بنایا گیا) مفعول کے موجود ہوتے ہوئے غیر کو اس کے قائم مقام بنانا صحیح نہیں البتہ جہاں وارد ہوا ہے وہ شاذ ہے یا اس میں تاویل کی جائے گی۔

اور کوفیین کا مسلک یہ ہے کہ غیر کو قائم مقام بنا سکتے ہیں اگر چہ مفعول بہ موجود ہو چاہے مقدم ہو یا مؤخر۔ مؤخر کی مثال جیسے ضرب ضربٌ شدید زیدا، ضرب زیدا ضرب شدید (پہلی مثال میں مفعول بہ مؤخر موجود ہے اور دوسری میں مفعول بہ مقدم موجود ہے پھر بھی مصدر کو فاعل کے قائم مقام بنایا گیا ہے۔ اسی طرح باقی کی مثالیں بھی

ہیں)

ابو جعفر کی قراءت سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے "لیجزی قوما بما کانوا یکسبون" (یہاں جار مجرور کو فاعل کے قائم مقام بنایا گیا حالانکہ مفعول بہ (قوما) موجود ہے اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۵۶-لَمْ یُعْنَ بِالْعَلْیَاءِ إِلاَّ سَیِّدا
وَلاَشَفَی ذَاالْغَیِّ إِلاَّ ذو هُدَی

ترجمہ: بلندی کے حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتا مگر سردار آدمی اور جہالت والے کو شفاء نہیں دی مگر ہدایت والے نے۔

تشریح المفردات:

(لم یعن) نفی جحد مجہول کا صیغہ ہے علامت جزم حذف الف ہے۔(عنی بالامر) کسی کام کی طرف توجہ دینا، مشغول ہونا، اہتمام کرنا(العلیاء) یہاں مضاف حذف ہے ای بتحصیل العلیاء .(العلیاء) بفتح العین ومد الهمزة، وبضم العین وقصر الهمزة اصل میں ہر اونچی جگہ کو کہتے ہیں یہاں بلند مرتبہ مراد ہے۔(سیدا) سردار(الغیّ)غوی یغوی ضرب یضربُ کا مصدر ہے جہل میں منہمک ہونا۔

محل استشہاد:

(لم یعن بالعلیاء الاّ سیدًا) محل استشہاد ہے یہاں جار مجرور(بالعلیاء) فاعل سے نائب ہوکر آیا ہے (اصل عبارت یوں تھی لم یعن اللّٰه بالعلیاء الاسیدا، اللہ تعالی بلند و بالا مرتبہ پر نہیں مشغول کرتے مگر سردار کو) فاعل لفظ اللہ کو حذف کیا سیدا مفعول بہ کے موجود ہونے کے باوجود اور جار مجرور (بالعلیاء) کو نائب فاعل بنایا اخفش کے علاوہ دیگر بصریین کا مسلک ہے، جمہور اس کو ضرورت شعریہ پر محمول کرتے ہیں بایں طور کہ اصل میں الاسید چاہیے لیکن قافیہ کی رعایت کرتے ہوئے سیّدا پڑھا گیا۔

اور امام اخفش رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جب مفعول بہ کے علاوہ مقدم ہو جائے تو اس صورت میں اس کو نائب فاعل بنانا جائز ہے جیسے "ضرب فی الدار زید ضرب فی الدار زیدا" اور اگر مقدم نہ ہو لیکن مفعول بہ ہو تو مفعول بہ کو نائب فاعل بنانا متعین ہے جیسے "ضرب زید فی الدار" اس میں ضرب زیدًا فی الدار کہنا صحیح نہیں

وَبِـاتِّـفَـاقٍ قَـدْ يَـنُـوبُ الثَّـانِ مِـنْ
بَـابِ"كَسَـا"فِـيمَـا الْتِبَـاسُـهُ أُمِـنْ

ترجمہ:۔۔۔اور اتفاق کے ساتھ بھی " کسا " کے باب کا دوسرا مفعول نائب فاعل
بن کہا آتا ہے جہاں التباس سے امن ہو (یعنی جہاں التباس کا خطرہ نہ ہو)

إذا بني الفعل المتعدي إلى مفعولين لمالم يسم فاعله: فإما أن يكون من باب "أعطى"، أو من باب "ظن"

فإن كان من باب "أعطى" -وهو المراد بهذا البيت- فذكر المصنف أنه يجوز إقامة الأول منهما وكذلك الثاني، بالاتفاق، فتقول: "كسي زيد جبة، وأعطي عمرو درهما"، وإن شئت أقمت الثاني، فتقول: "أعطي عمرًا درهم، وكسي زيدًا جبة"

هذا إن لم يحصل لبس بإقامة الثاني، فإذا حصل لبس وجب إقامة الأول، [وذلك] نحو: "أعطيت زيدا عمرا" فتعين إقامة الأول" فتقول: "أعطي زيد عمرًا" ولا يجوز إقامة الثاني حينئذ؛ لئلا يحصل لبس؛ لأن كل واحد منهما يصلح أن يكون آخذا، بخلاف الأول.

ونقل المصنف الاتفاق على أن الثاني من هذا الباب يجوز إقامته عند أمن اللبس، فإن عنى به أنه نقل عن جهة النحويين كلهم فليس بجيد؛ لأن مذهب الكوفيين أنه إذا كان الأول معرفة والثاني نكرة تعين إقامة الثاني؛ فلا تقول: "أعطي درهم زيدًا"

ترجمہ وتشریح:

جب فعل متعدی بہ دو مفعول مبنی للمفعول ہو جائے تو دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا اعطی کے باب میں سے ہوگا (یعنی اس کے دونوں مفعول اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر نہیں ہونگے) یا ظن کے باب سے ہوگا (یعنی اس کے دونوں مفعول اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر ہونگے)

اگر اعطی کے باب سے ہو (اور اسی شعر سے بھی یہی مراد ہے) تو پہلے مفعول کو بھی نائب فاعل بنانا جائز ہے اور دوسرے کو بھی، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ چنانچہ "كُسِيَ زيدٌ جُبَّةً، أُعطِيَ عمروٌ درهمًا" بھی پڑھ سکتے

ہیں اور دوسرے مفعول کو نائب فاعل بنا کر کُسِیَ زیدًا جُبَّۃٌ، اُعطی عمرًا درھمٌ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

لیکن یہ اس صورت میں ہے جب دوسرے مفعول کو نائب فاعل بناتے وقت التباس کا خطرہ نہ ہو اگر التباس کا خطرہ ہو تو پہلے کو نائب فاعل بنانا متعین ہوگا۔ جیسے "اعطیت زیدًا عمرًا" یہاں پہلے کو نائب فاعل بنا کر "اعطی زید عمرًا" پڑھنا ضروری ہے اور دوسرے کو بنانا صحیح نہیں اس لئے کے یہاں زید، عمر دونوں میں آخذ (یعنی معنًی فاعل) ہونے کی صلاحیت ہے، چونکہ جو معنی کے اعتبار سے فاعل ہوتا ہے وہ مقدم ہوتا ہے اس لئے پہلے کو نائب فاعل بنانے میں التباس نہیں ہوگا اور پتہ چلے گا کہ یہی نائب فاعل ہے۔

شارحؒ کا مصنفؒ پر اعتراض:

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ "کسا" کے باب کے مفعول ثانی کو التباس نہ ہونے کی صورت میں فاعل کے قائم مقام بنا سکتے ہیں اگر مصنفؒ کی مراد یہ ہے کہ تمام نحویوں کا اس پر اتفاق ہے تو یہ صحیح نہیں اس لئے کہ کوفیین کا مسلک یہ ہے کہ اگر پہلا مفعول معرفہ اور دوسرا نکرہ ہو تو پہلے کو نائب فاعل بنانا متعین ہے ورنہ دونوں کو بنا سکتے ہیں۔ ان کے ہاں "اعطی زیدٌ درھمًا" پڑھنا ضروری ہے اور اعطی درھم زیدٌ صحیح نہیں۔

شارحؒ کے اعتراض کا جواب:

اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ شارح نے جو کوفیین کا مسلک نقل کیا ہے یہ نقل ہی صحیح نہیں، نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مصنفؒ کی مراد جمہور بصریین کا اتفاق ہے نہ کہ کوفیین کا فلا اعتراض علیہ۔

فِــي بَــابِ "ظَــنَّ" وَ"أَرَی" الـمَـنْـعُ اشْتَهَـرْ

وَلاَ أَرَی مَــنْــعًــا إِذَا الــقَــصْــدُ ظَهَــرْ

ترجمہ:...... "ظنّ" اور "أریٰ" کے باب میں (دوسرے اور تیسرے مفعول کے نائب فاعل ہونے کا) منع مشہور ہے اور میں منع کی رائے نہیں رکھتا جب مقصود ظاہر ہو۔

(ش) یعنی أنه إذا كان الفعل متعديًا إلى مفعولين الثاني منهما خبر فى الأصل، كظن وأخواتها، أو كان متعديًا إلى ثلاثة مفاعيل كأرى وأخواتها – فالأشهر عند النحويين أنه يجب إقامة الأول

ممتنع إقامة الثاني في باب "ظنّ" والثاني والثالث في باب "أعلم"؛ فتقول: "ظُنَّ زيدٌ قائمًا" ولا يجوز: "ظُنَّ زيدًا قائِمٌ" وتقول: "أعلم زيدفرسك مسرجًا" ولا يجوز إقامة الثاني؛ فلا تقول: "أعلم زيدًا فرسك مسرجًا" ولا إقامة الثالث؛ فتقول: "أعلم زيدًا فرسك مسرج"، ونقل ابن أبي الربيع الاتفاق على منع إقامة الثالث، ونقل الاتفاق - أيضًا - ابن المصنف.

وذهب قوم - منهم المصنف - إلى أنه لا يتعين إقامة الأول، لا في باب "ظن" ولا في باب "أعلم" لكن يشترط ألا يحصل لبس؛ فتقول: "ظن زيدا قائم، وأعلم زيدا فرسك مسرجًا"

وأما إقامة الثالث من باب "أعلم" فنقل ابن أبي الربيع وابن المصنف الاتفاق على منعه، وليس كما زعما، فقد نقل غيرهما الخلاف في ذلك؛ فتقول: "أعلم زيدا فرسك مسرج"

فلو حصل لبس تعين إقامة الأول في باب: 'ظن، وأعلم" فلا تقول: "ظن زيدا عمرو" على أن "عمرو" هو المفعول الثاني، ولا "أعلم زيدًا خالد منطلقًا"

ترجمہ وتشریح:

جب فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو اور دوسرا مفعول اصل کے اعتبار سے خبر ہو یا تین مفعولوں کی طرف متعدی ہو جیسے أری اور اس کے اخوات، تو نحویوں کے ہاں مشہور یہ ہے کہ ان کے مفعولوں میں سے پہلے کو نائب فاعل بنانا متعین ہے اور ظنّ کے دوسرے اور أری، أعلم، کے دوسرے اور تیسرے کو فاعل کے قائم مقام (نائب فاعل) بنانا صحیح نہیں۔ لہٰذا "ظنّ زیدٌ قائمًا" کہا جائے اور ظنّ زیدًا قائم صحیح نہیں۔ اسی طرح "أعلم زیدٌ فرسک مُسْرَجًا" صحیح ہے اور أعلمَ زیدًا فرَسک مسْرجًا، اور أعلم زیدًا فَرسکَ مسْرَجٌ صحیح نہیں۔

ونقل الخ:

ابن ابی الربیعؒ نے تیسرے مفعول کو نائب فاعل بنانے کے منع پر اتفاق نقل کیا ہے نیز علامہ بدرالدین متوفی ۷۱۸ھ (جو مصنفؒ کے بیٹے ہیں) نے بھی نقل کیا ہے کہ ظنّ کے باب میں اور "أعلم" کے باب میں پہلے مفعول کو نائب فاعل بنانے کیلئے متعین کرنا ضروری نہیں بشرطیکہ التباس کا خطرہ نہ ہو "وَلَا أرى منعًا اذا القصدُ ظَهر" کا یہی مطلب ہے۔

وأما اقامة الثالث:

شارح فرماتے ہیں کہ اعلم کے باب میں تیسرے مفعول کے نائب فاعل ہونے کی ممانعت پر اگرچہ ابن ابی الربیع اور ابن المصنف نے اتفاق نقل کیا ہے لیکن دیگر حضرات نے اختلاف بھی نقل کیا ہے۔ لہذا آپ ان کے مسلک کے مطابق "اعلم زیدًا فرسک مسرجٌ" کہہ سکتے ہیں۔

البتہ اگر التباس کا خطرہ ہو تو "ظنّ" اور "اعلم" کے باب میں پہلے کو نائب فاعل بنایا جائے گا۔ چنانچہ "ظنّ زیدًا عمرٌو" نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی "اعلم زیدًا خالدٌ منطلقًا" جائز ہے۔

وَمَا سِوَى النَّائِبِ مِمَّا عُلِّقَا
بِالرَّافِعِ النَّصْبُ لَهُ مُحَقَّقَا

ترجمہ:...... نائب فاعل کے علاوہ جو مفعول عامل (فعل) رافع کے ساتھ پیوست ہیں ان کے لئے نصب ثابت ہے۔

(ش) حكم المفعول القائم مقام الفاعل حكم الفاعل؛ فكما أنه لا يرفع الفعل إلا فاعلا واحدًا، كذلك لا يرفع الفعل إلا مفعولاً واحدًا، فلو كان للفعل معمولان فأكثر أقيمت واحدًا منها مقام الفاعل، ونصبت الباقي، فتقول: "أعطىَ زَيْدٌ درهمًا، وأُعْلِمَ زَيْدٌ عمرًا قائمًا، وضُرِبَ زَيْدٌ ضربًا شديدًا يَوْمَ الجمعة أمامَ الأمير في داره"

ترجمہ وتشریح:

جو مفعول فاعل کے قائم مقام ہے اس کا حکم فاعل کی طرح ہے جس طرح فعل ایک فاعل کو رفع دیتا ہے۔ اسی طرح ایک ہی مفعول کو رفع دے گا (نائب فاعل ہونے کی وجہ سے) اگر فعل کے دو یا زیادہ معمول (مفعول) ہوں تو ایک کو آپ نائب فاعل بنا کر باقی کو نصب دیدیں جیسے "اُعْطِيَ زیدٌ درهمًا" اعلم زیدٌ عمرًا قائمًا، ضُرِبَ زیدٌ ضَرْبًا شدیدًا یومَ الجمعة أمامَ الامیر فی داره۔

اشتغالُ العَامِلِ عَنِ المَعمُول

إنْ مُضْمَرُ اسْمٍ سَابِقٍ فِعلاً شَغَل

عَنْهُ بِنَصْبِ لَفْظِهِ أوِالمَحَلّ

فَالسَّابِقَ انْصِبْهُ بِفِعلٍ أضْمِرَا

حَتْماً مُوَافِقٍ لِمَا قَدْ أظهِرَا

ترجمہ: اگر پہلے اسم کی ضمیر فعل کو اس اسم کے اندر عمل سے مشغول کر لے لفظی یا محلی نصب کے ساتھ تو آپ پہلے اسم کو مضمر فعل کے ساتھ نصب دیں (اور یہ ضروری ہے) اس حال میں کہ وہ فعل ظاہر کے موافق ہو۔

(ش) الاشتغال: أن يتقدم اسم، ويتأخر عنه فعل، [قد] عمل في ضمير ذلك الاسم أو في سببيه- وهو المضاف إلى ضمير الاسم السابق- فمثال المشتغل بالضمير: "زيدًا ضربته، وزيدًا مررت به" ومثال المشتغل بالسببي "زيدًا ضربت غلامه" وهذا هو المراد بقوله: "إن مضمر اسم - إلى آخره" والتقدير: إن شغل مضمر اسم سابق فعلاً عن ذلك الاسم المضمر لفظًا نحو: "زيدًا ضربته" أو بنصبه محلاً نحو: "زيدًا مررت به" فكل واحد من "ضربت" و"مررت"، اشتغل بضمير "زيد" لكن "ضربت" وصل إلى الضمير بنفسه، و"مررت" وصل إليه بحرف جر؛ فهو مجرور لفظًا ومنصوب محلاً، وكل من "ضربت" و"مررت" لو لم يشتغل بالضمير لتسلّط على "زيد" كما تسلّط على الضمير، فكنت تقول: "زيدًا ضربت" فتنصب "زيدًا" ويصل إليه الفعل بنفسه كما وصل إلى ضميره وتقول: بزيد مررت فيصل الفعل إلى زيد بالباء، ويكون منصوبًا محلاً كما كان الضمير.

وقوله: "فالسابق انصبه- إلى آخره" معناه أنه إذا وجد الاسم والفعل على الهيئة المذكورة؛ فيجوز لك نصب الاسم السابق.

واختلف النحويون في ناصبه.

فذهب الجمهور إلى أن ناصبه فعل مضمر وجوبًا؛ [لأنه لا يجمع بين المفسر والمفسر] ويكون الفعل المضمر موافقًا في المعنى لذلك المظهر، وهذا يشمل ما وافق لفظًا نحو قولك في "زيدًا ضربته": إن التقدير "ضربت زيدًا ضربته" وما وافق معنى دون لفظ كقولك في "زيدًا مررت به": إن التقدير: "جاوزت زيدًا مررت به" وهذا هو الذي ذكره المصنف.

والمذهب الثاني: أنه منصوب بالفعل المذكور بعده، وهذا مذهب كوفي، واختلف هؤلاء؛ فقال قوم: إنه عمل في الضمير وفي الاسم معًا؛ فإذا قلت: "زيدًا ضربته" كان "ضربت" ناصبًا لـ "زيد" وللهاء، ورُدَّ هذا المذهب بأنه لا يعمل عامل واحد في ضمير اسم ومظهره، وقال قوم: هو عامل في الظاهر، والضمير ملغى، ورُدَّ بأن الأسماء لا تلغى بعد اتصالها بالعوامل.

ترجمہ وتشریح:

مَا أُضمِرَ عامِله عَلىٰ شريطة التفسير کی وضاحت:

یہاں سے مصنف علیہ الرحمۃ اشتغال یعنی "ما أضمر عامله على شريطة التفسير" کی بحث کو تفصیل سے ذکر کررہے ہیں، مرفوعات منصوبات کے درمیان اس بحث کو لائے اس لئے کہ یہ کبھی منصوب ہوتا ہے اور کبھی مرفوع۔ اشتغال کی تعریف کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ اشتغال یہ ہے کہ اسم مقدم ہو اور اس کے بعد فعل آجائے جو پہلے اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق (جو ماقبل اسم کی ضمیر کی طرف مضاف ہو) میں عمل کرتا ہو جو فعل ماقبل کی ضمیر کے عمل میں مشغول ہے (اسی کو مشتغل بالضمير کہتے ہیں) ہو اس کی مثال زيدًا ضربتُهُ زيدًا مَرَرْتُ به۔

اور مشتغل بالمتعلق کی مثال زيدًا ضربت غلامَه (یہاں ضربتُ فعل مؤخر نے ماقبل اسم کے متعلق غلام میں عمل کیا ہے) مصنف کے قول "إن مضمر اسم الخ" سے یہی مراد ہے۔

لفظی نصب کی مثال زيدًا ضربتُه اور محلاً نصب کی مثال زيدًا مَرَرْتُ به، ضربتُ اور مَرَرْتُ نے یہاں زید کی ضمیر میں عمل کیا ہے لیکن ضربتُ ضمیر کو بلا واسطہ اور مررتُ بواسطہ حرف جر متعدی ہے (یا اگرچہ لفظاً مجرور ہے لیکن محلاً منصوب ہے) اور یہ دونوں اگر ضمیر کے عمل میں مشغول نہ ہوتے تو زید پر مسلط ہو کر اس کو نصب دیتے۔

فالسابق انصبه الخ:

اس کا مطلب ہے کہ اسم اور فعل جب اس ہیئت پر پائے جائیں تو پہلے اسم کو منصوب بنانا جائز ہے۔

البتہ اس سے پہلے والے اسم کے ناصب میں اختلاف ہے۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس کو نصب دینے والا مضمر فعل ہے وجوبًا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو ذکر کیا جائے مثلاً ضربتُ زیدًا ضربته تو مفسِّر (بصیغہ اسم مفعول یعنی زید) اور مفسَّر (یعنی بعد کی ضمیر) میں اجتماع لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں۔ نیز فعل مضمر ظاہر کے موافق ہوگا یہ موافقت لفظاً موافقت کو بھی شامل ہے جیسے: زیدًا ضربتُه ای ضربتُ زیدًا ضربتُه اور معنی موافقت کو بھی جیسے ''جَاوَزْتُ زیدًا ای مَرَرْتُ به، تجاوز اور مرور کے معنی موافق ہیں (بمعنی گزرنا)

اسم سابق کے ناصب میں دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ بعد والے فعل (ضربتُ) کی وجہ سے منصوب ہے یہ کوفی مذہب ہے ان حضرات کا پھر آپس میں اختلاف ہے بعض فرماتے ہیں کہ اس بعد والے فعل نے ضمیر اور ماقبل اسم دونوں میں متاعمل کیا ہے لیکن یہ مذہب مردود ہے اس لئے کہ ایک عامل اسم ظاہر میں اور اس کی ضمیر میں عمل نہیں کرتا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ صرف اسم ظاہر میں عامل ہے اور ضمیر ملغی ہے (یعنی لغو) لیکن اس پر بھی ردّ کیا گیا ہے کہ عوامل کے ساتھ متصل ہونے کے بعد ضمائر ملغی نہیں ہوتے۔ (لہٰذا پہلا مسلک راجح ہے)

وَالنَّصْبُ حَتْمٌ إنْ تَلاَ السَّابِقُ مَا
يَخْتَصُّ بِالْفِعْلِ كَإِنْ وَحَيْثُمَا

ترجمہ:...... اور نصب واجب ہے اگر پہلا اسم ایسے حروف کے بعد آجائے جو فعل کے ساتھ خاص ہوں جیسے إن اور حیثُمَا.

(ش) ذكر النحويون أن مسائل هذا الباب على خمسة أقسام: أحدها: مايجب فيه النصب، والثاني: ما يجب فيه الرفع، والثالث مايجوز فيه الأمران والنصب ارجح والرابع: مايجوز فيه الامران والرّفع ارجحُ والخامس مايجوز فيه الامران على السواء.

فأشار المصنف إلى القسم الأول بقوله: "والنصب حتم — إلى آخره" ومعناه أنه يجب نصب الاسم السابق إذا وقع بعد أداة لا يليها إلا الفعل، كأدوات الشرط نحو: إن، وحيثما، فتقول: "إن

زيدًا أكرمته أكرمك، وحيثما زيدًا تلقه فأكرمه"؛ فيجب نصب "زيدًا" في المثالين وفيما أشبههما، ولا يجوز الرفع على أنه مبتدأ؛ إذ لا يقع [الاسم] بعد هذه الأدوات، وأجاز بعضهم وقوع الاسم بعدها؛ فلا يمتنع عنده الرفع على الابتداء، كقول الشاعر:

۱۵۷- لَاتَجْزَعِي إِنْ مُنْفِسٌ أَهْلَكْتُهُ
فَإِذَا هَلَكْتُ فَعِنْدَ ذَلِكَ فَاجْزَعِي

تقديره: "إن هلك منفس"، والله اعلم.

ترجمہ وتشریح:

ماأضمرَ عاملہ کےمسائل کی پانچ قسموں کاذکر:

اس سے پہلے "ماأضمر عامله" کی تعریف اور مثالیں گزر گئیں اب ان کے مسائل کو ذکر کر رہے ہیں۔
جاننا چاہیے کہ اس باب کے مسائل پانچ قسموں پر ہے۔
(۱)...... جہاں نصب واجب ہے۔
(۲)...... رفع واجب ہے۔
(۳)...... رفع نصب دونوں جائز ہیں البتہ نصب راجح ہے۔
(۴)...... دونوں جائز ہیں اور رفع راجح ہے۔
(۵)...... دونوں جائز ہیں بغیر ترجیح کے۔

قسم اوّل:

والنصب حتم الخ کے ذریعے مصنفؒ نے قسم اوّل کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسم سابق نصب واجب ہے جب وہ ایسے حروف کے بعد واقع ہو جن کے ساتھ فعل ہی متصل ہوتا ہے (اس صورت میں یہ مفعول واقع ہوگا اور اس کا عامل فعل محذوف ہوگا، اس لئے کہ ایسے حروف کے بعد صرف فعل ہی آتا ہے) جیسے ادوات شرط (ادوات شرط) کے بعد اشتغال ضرورت شعری میں آتا ہے نثر میں صرف دو ادات کے بعد آتا ہے۔
ا:...... إن کے بعد بشرطیکہ فعل مشغول ماضی ہو جیسے "إن زيدًا لقيته فاكرمه"

۳..... إذا میں مطلقاً تاسہ جیسے "إذا زیداً لقیتہ فلقاہ فاکرمہ" نیز اس کے علاوہ ادوات تخصیص، ادوات عرض، ہمزہ کے علاوہ ادوات استفہام کے بعد بھی صرف فعل ہی آیا کرتا ہے البتہ ہمزہ استفہام اسماء پر بھی داخل ہوتا ہے)

واجاز بعضہم الخ:

بعض حضرات نے ادوات شرط کے بعد بھی اسم کے واقع ہونے کو جائز کہا ہے لہٰذا ان کے ہاں اسم سابق میں رفع بنا بر ابتداء جائز ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۵۷ — لَاتَجْزَعِیْ اِنْ مُنْفِسٌ اَهْلَكْتُهُ
فَاِذَا هَلَكْتُ فَعِنْدَ ذٰلِكِ فَاجْزَعِیْ

ترجمہ:..... اگر میں عمدہ مال خرچ کروں تو آپ گھبرائیں نہیں (کیا آپ بے برداشت نہ ہوں) ہاں جب میں خود ہلاک ہو جاؤں تو اس وقت گھبرانا۔

تشریح المفردات:

(لاتجزعی) واحد مؤنث حاضر نہی معروف کا صیغہ ہے از جمع (جزع) اس کو کہتے ہیں کہ انسان اپنے اوپر آنے والی مصیبت کے برداشت کرنے سے عاجز ہو جائے۔ (منفس) نفیس اور عمدہ مال (اھلکتہ) باب افعال سے ماضی متکلم ہے بمعنی فانی کرنا، (فعند ذالک) میں ک مکسور ہے اس لئے کہ مؤنث کو خطاب ہے۔

شان ورود:...... شاعر نمر بن تولب رضی اللہ عنہ ایک بہادر اور سخی آدمی تھے ان کے ہاں زمانہ جاہلیت میں چند مہمان آئے انہوں نے ان کیلئے چار اونٹنیاں ذبح کر دیں اور پینے کیلئے شراب کا ایک مشکیزہ خریدا اس پر بیوی نے ان کو ملامت کی اور فضول خرچی پر ناراض ہوئی جس پر شاعر نے یہ شعر کہا کہ اگر عمدہ اور زیادہ مال میں خرچ کروں تو اس پر آپ جزع فزع نہ کریں ہاں میری اپنی ہلاکت ہو جائے تو اس پر آپ بے شک جزع فزع کر لیں۔ کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے

إِذَا مَا الْمَيْتُ... بِرَأْسِ الرَّجُلِ عَنِ الْأَذَى
فَتَعْنَا الشَّمَالَ الْأَمْثَلَ قَصَّ الْأَظَافِرِ

ترجمہ:...... جب آدمیوں کے سر تکلیف سے بچ جائیں تو مال کو خرچ کرنا ایسا ہے جیسے ناخنوں کو کاٹنا جس طرح ناخن کاٹنے سے ختم نہیں ہوتے بلکہ پھر بھی بڑھتے ہیں اسی طرح مال کی مثال ہے۔

محل استشہاد:

(إن منفسٌ) محل استشہاد ہے یہاں ادات شرط کے بعد اسم مرفوع آیا ہے اور اکثر ان ادات کے بعد فعل آتا ہے لہٰذا منصوب ہونا چاہیے تھا جمہور کے ہاں یہاں (منفسًا) نصب کے ساتھ بھی آیا ہے پھر تو کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ "منفِسًا" اهلکت فعل کے ساتھ منصوب ہوگا، اور بر تقدیر صحت (یعنی اگر مرفوع روایت تسلیم بھی کر لی جائے) منفسٌ فاعل واقع ہے هلک فعل محذوف کیلئے تو یہ مرفوع بنا بر فاعلیت ہے نہ بنا بر ابتداء۔ واللہ اعلم

وَإِنْ تَلاَ السَّابِقُ مَا بِالابتدا
يختص فالرفع التزمه أبدا
كذا إذا الفعل تلا مالم يرد
ماقبل معمولاً لِمَا بَعْدُ وُجِد

ترجمہ:...... اگر اسم سابق ایسے ادات کے بعد آجائے جو ابتداء کے ساتھ خاص ہو تو اس (اسم) کے ساتھ آپ رفع لازم کریں اسی طرح (آپ رفع لازم کریں) جب اسم سابق ایسے ادات کے بعد آجائے جس کا ماقبل مابعد کیلئے (جو موجود ہے) معمول نہ ہو۔

(ش) أشار بهذين البيتين إلى القسم الثاني، وهو مايجب فيه الرفع؛ فيجب رفع الاسم المشتغل عنه إذا وقع بعد أداة تختص بالابتداء، كإذا التي للمفاجأة، فتقول: "خرجت فإذا زيد يضربه عمرو" برفع "زيد" — ولا يجوز نصبه؛ لأن "إذا" هذه لا يقع بعدها الفعل: لا ظاهرًا، ولا مقدرًا.

وكذلك يجب رفع الاسم السابق إذا ولي الفعل المشتغل بالضمير أداة لا يعمل ما بعدها فيما قبلها، كأدوات الشرط، والاستفهام، و"ما" النافية، نحو: "زيد إنْ لقيته فأكرمه، وزيد هل تضربه، وزيد ما لقيته" فيجب رفع "زيد" في هذه الأمثلة ونحوها، ولا يجوز نصبه؛ لأن ما لا يصلح

یعمل فیماقبله لایصلح أن یفسر عاملا فیما قبله،وإلی هذاأشاربقوله:"كذاإذاالفعل تلا–إلی آخره"

أي: كـذلک يجب رفع الاسم السابق إذا تلاالفعل شيئًا لا يرد ماقبله معمولا لما بعده،

ومن اجـازعمل مابعدهذه الأدوات فیماقبلها،فقال:"زیداماالقیت" أجاز النصب مع الضمیر بعامل مقدر،فیقول:"زیدًاماالقیته"

ترجمہ وتشریح:

مَاأضمِرَعَاملُهٗ کی دوسری قسم:

ان دونوں اشعار سے مصنفؒ نے "مـاأضـمـر عـامله علی شریطة التفسیر" کی دوسری قسم کی طرف اشارہ کیا ہے جہاں رفع واجب ہے۔

لہٰذا ماقبل والے اسم کومرفوع پڑھنا واجب ہے جب وہ اسم ایسے ادات کے بعد آجائے جوابتداء کے ساتھ خاص ہوں جیسے إذا مفاجائیہ۔ چنانچہ آپ کہینگے "خرجت فإذازیدٌ یضربه عمرو" (زید کے رفع کے ساتھ) یہاں زید کومنصوب پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ إذا مفاجائیہ ایسے ادات میں سے ہے جن کے بعد فعل نہ ظاہرًا آتا ہے اور نہ تقدیرًا۔

(صاحب منحة الجليل نے یہاں کام کی بات لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مؤلفین کتب نحواس قسم کواشتغال (یعنی ماأضـمـر عـامله الخ) میں سے شمار کرنے میں مختلف ہیں ابن حاجب رحمہ اللہ نے توسرے سے اس کوذکر ہی نہیں کیااور ابن ہشام رحمہ اللہ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ اشتغال کے باب سے نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ عام کتب میں اشتغال کے باب میں یہ ضابطہ اور قاعدہ ہے کہ مشغول بہ (جس کی وجہ سے ماقبل اسم میں عمل سے مشغول ہے مثلاً زیدًا ضـربتـه میں (ہ) ضمیر مشغول بہ ہے) کا عامل اگرضمیر سے ہٹ کراسم سابق (مشغول عنه) پرمسلط ہوجائے تووہ اس میں عمل کرے چنانچہ اکثر کتابوں میں اس طرح ذکر کیا ہے "بحیث لوسلّط علیه هواومناسبه لنصبه" لیکن اس دوسری قسم پر یہ قاعدہ برابر نہیں آتا مثلاً خرجت فاذا زیدٌیضربه عمرو" والی پیش کردہ مثال میں اگر یضرب کے بعد آپ ضمیر کوحذف کر کے یضرب کوماقبل زید پرمسلط کریں (لے آئیں) تووہ اس میں عمل نہیں کرے گا اسلئے کہ زیدٌ (جوکہ متقدم ہے) مرفوع ہے اوریضرب (جومؤخرہے) منصوب معمول چاہتا ہے نہ کہ مرفوع۔

البتہ جن حضرات نے اس قسم کو اشتغال کے باب میں شمار کیا ہے انہوں نے اس ضابطہ کی پرواہ نہیں کی۔ والحق هو الاوّل لما ذكرناه)

وكذلك يجب رفع الاسم السابق الخ:

اسی طرح پہلے والے اسم کو مرفوع پڑھنا واجب ہے جب فعل مشغل بالضمیر کے ساتھ ایسے ادات آجائیں جن کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا ہو جیسے ادات شرط، ادات استفہام، ما نافیہ (محشی نے اس طرح کی دس قسمیں ذکر کی ہیں) جیسے ''زيد إن لقيته فاكرمه، زيدٌ هل تضربه، زيد مالقيته'' ان مثالوں میں زید کو مرفوع پڑھنا واجب ہے منصوب جائز نہیں اس لئے کہ جو ماقبل میں عمل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے تو وہ ماقبل عامل کی تفسیر کی بھی صلاحیت نہیں رکھ سکتا ہے، کذا إذاما الفعل تلا سے مصنفؒ اسی کی طرف اشارہ کردیتے ہیں۔

بعض ایسے حضرات جنہوں نے اس قسم کے ادات کے مابعد کا ماقبل میں عمل کرنے کو جائز کہا ہے انہوں نے یہاں نصب کو جائز قرار دیا ہے اور اسی کیلئے عامل کو مقدر مانا ہے ''فيقول زيدًا مالقيته''

وَاخْتِيرَ نَصْبٌ قَبْلَ فِعْلٍ ذِي طَلَبْ
وَبَعْدَ مَا إِيلَاؤُهُ الْفِعْلَ غَلَبْ

وَبَعْدَ عَاطِفٍ بِلَا فَصْلٍ عَلَى
مَعْمُولِ فِعْلٍ مُسْتَقِرٍّ أَوَّلَا

ترجمہ:...... اور اسم سابق کا نصب مختار ہے جب وہ طلب والے فعل سے پہلے ہو یا ان ادات کے بعد ہو جن کا فعل کے ساتھ متصل آنا زیادہ ہو، اور اسی طرح اس اسم کا نصب بھی مختار ہے جب وہ واقع ہو ایسے اسم کے بعد جو بغیر فاصلہ کے ایسے فعل کے معمول پر عطف ہو جو پہلے مستقر (موجود) ہو۔

(ش) هذا هو القسم الثالث، وهو مايختار فيه النصب.

وذلك إذا وقع بعد الاسم فعل دال على طلب — كالأمر، والنهي، والدعاء — نحو: "زيدًا اضربه، وزيدًا لا تضربه، وزيدًا رحمه الله"، فيجوز رفع "زيد" ونصبه، والمختار النصب.

وكذلك يختار النصب إذا وقع الاسم بعد أداة يغلب أن يليها الفعل كهمزة الاستفهام، نحو: "أزيدًا ضربته" بالنصب والرفع، والمختار النصب.

وكذلك يختار النصب إذا وقع الاسم المشتغل عنه بعد عاطف تقدمته جملة فعلية ولم يفصل بين العاطف والاسم، نحو: "قام زيد وعَمْرًا أكرمته"؟ فيجوز رفع "عمرو" ونصبه، والمختار النصب؛ لتعطف جملة فعلية على جملة فعلية.

فلو فصل بين العاطف والاسم كان الاسم كما لو لم يتقدمه شيء، نحو: "قام زيد وأما عمرو فأكرمته" فيجوز رفع "عمرو" ونصبه، والمختار الرفع كما سيأتي، وتقول: "قام زيد وأما عمرًا فأكرمه" فيختار النصب كما تقدم؛ لأنه وقع قبل فعل دالٍّ على طلب.

ترجمہ وتشریح:

یہاں سے مصنفؒ تیسری قسم کو ذکر فرما رہے ہیں جہاں نصب مختار ہے۔ یہاں تین جگہیں اس طرح کی ذکر کی ہیں۔

(۱) نصب مختار ہے جب اسم کے بعد ایسا فعل ہو جو طلب پر دلالت کرتا ہو جیسے امر نہی (نہی میں نہ کرنے کو طلب کیا جاتا ہے) دُعاء، جیسے "زيدًا اضربه، زيدًا لا تضربه، زيدًا رحمه الله ان میں رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی لیکن مختار نصب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مثالوں میں رفع کی صورت میں زید مرفوع بنا برابتداء ہے اور پھر جملہ طلبیہ کے ذریعہ سے مبتدا سے خبر دی جاتی ہے جو کہ خلاف الاصل ہے اس لئے کہ جملہ طلبیہ انشاء ہے اور اس میں صدق اور کذب کا احتمال نہیں ہوتا جبکہ جملہ خبریہ میں ہوتا ہے، اور رفع جائز اس لئے ہے کہ حضرات نحویین نے اس کو جائز بھی قرار دیا ہے، اس لئے یہاں نصب مختار ہے کہ تا کہ زید مبتدا ہی نہ ہو اور مذکورہ بالا اشکال وارد نہ ہو۔

وكذلك الخ:

اسی طرح جب اسم ایسے ادات کے بعد واقع ہو جن کے بعد اکثر و بیشتر لسان عرب میں فعل ہی آتا ہو جیسے ہمزہ استفہام مثال جیسے "أزيدًا ضربته (زید کے رفع اور نصب کے ساتھ لیکن مختار نصب ہے)

وکذلک الخ:

اسی طرح نصب مختار ہے جب اسم سابق (مشتغل عنه) ایسے عاطف کے بعد ہو جس سے پہلے جملہ فعلیہ ہو اور عاطف اور اسم میں فاصلہ بھی نہ ہو جیسے "قامَ زیدٌ وعمرًا اکرمته" یہاں اکرمته عمرًا کے بعد واقع ہے اور اس سے پہلے جملہ فعلیہ ہے لہٰذا عمر کا رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی لیکن نصب مختار ہے اسلئے کہ نصب کی صورت میں عمرًا اکرمته جملہ فعلیہ ہو جائے گا اور اس سے پہلے بھی جملہ فعلیہ ہے جو معطوف علیہ ہے لہٰذا جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر آ جائے گا جو کہ موافق اصل ہے۔ مصنفؒ کے قول وبعد عاطف بلافصل الخ کا یہی مطلب ہے۔

فلو فصل الخ:

لیکن اگر عاطف اور اس اسم کے درمیان فاصلہ آ جائے تو پھر نصب مختار نہیں اور یہاں ایسا ہوگا گویا اسم سے پہلے کچھ نہیں ہے جیسے "قام زید وامّا عمرٌو فاکرمته" یہاں عمر اور زید میں امّا کا فاصلہ آیا ہے اس لئے رفع مختار ہے۔ اور قام زیدٌ وامّا عمرًا فاکرمته یہاں نصب مختار ہے اس لئے کہ یہ ایسے فعل سے پہلے ہے جو طلب پر دلالت کرتا ہے (بایں وجہ کہ اکرم امر کا صیغہ ہے اور امر میں طلب ہوا کرتی ہے)۔

وَإِنْ تَلَا الْمَعْطُوفُ فِعْلاً مُخْبِرًا
عَنِ اسْمٍ، فَاعْطِفَنْ مُخَيَّرًا

ترجمہ:......اور اگر معطوف ایسے فعل کے بعد آ جائے جس کے ذریعہ سے اسم سے خبر دی
جاتی ہو تو آپ عطف کریں اس حال میں کہ آپ کو رفع اور نصب میں اختیار ہے۔

(ش) أشار بقوله: "فاعطفن مخيرا" إلى جواز الأمرين على السواء، وهذا هو الذی تقدم أنه القسم الخامس۔

وضبط النحويون ذلک بأنّه إذا وقَعَ المشتغل عنه بعد عاطف تقدمته جملة ذات وجهين جاز الرفع والنصب على السواء، وفسروا الجملة ذات الوجهين بأنها جملة: صدرها اسم، وعجزها فعل، نحو: "زيد قام وعمرو أكرمته" فيجوز رفع "عمرو" مراعاة للصدر، ونصبه مراعاة للعجز.

ترجمہ وتشریح:

یہاں سے قسم خامس کوذکر کر رہے ہیں (شارح کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق یہ پانچویں قسم ہے۔اگر چہ ذکر کے اعتبار سے چوتھی ہے) جہاں رفع اور نصب دونوں جائز ہیں۔

نحویوں نے اس کیلئے ضابطہ یہ مقرر کیا ہے کہ جب اسم (مشغل عنه) ایسے عاطف کے بعد آ جائے کہ اس سے پہلے ذو وجہین جملہ ہو، یعنی ایسا جملہ کہ اس کا شروع اسم اور آخر فعل ہو تو اس صورت میں رفع اور نصب دونوں علی السّواء جائز ہیں جیسے "زيدٌ قامَ وعمرواً كرمته" عمرو کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں جملے کی صدارت کا لحاظ کرتے ہوئے (اس لئے کہ عمرو زید پر عطف ہو جائے گا زید مرفوع ہے تو عمرو بھی مرفوع ہو جائے گا ا) س وجہ سے کہ معطوف معطوف علیہ دونوں کا اعراب ایک ہوتا ہے) اور منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں جملے کے آخر کا لحاظ کرتے ہوئے۔

والرّفعُ في غيرِ الّذي مَرَّ رَجَحْ

فَمَا أُبيحَ افعَلْ وَدَعْ مَا لَمْ يُبَحْ

ترجمہ:......ان جگہوں کے علاوہ میں (جن کا ذکر ہو چکا) رفع راجح ہے پس جو مباح ہے آپ وہ کریں اور غیر مباح کو چھوڑ دیں۔

(ش) هذا هو الذى تقدم أنه القسم الرابع وهو مايجوز فيه الأمران ويختار الرفع، وذلك: كل اسم لم يوجد معه مايوجب نصبه، ولا مايوجب رفعه، ولا مايرجح نصبه، ولا مايجوز فيه الأمرين على السواء، وذلك نحو: "زيد ضربته" فيجوز رفع "زيد" ونصبه، والمختار رفعه؛ لأن عدم الإضمار أرجع من الإضمار.

وزعم بعضهم أنه لا يجوز النصب؛ لما فيه من كلفة الإضمار، وليس بشيء، فقد نقله سيبويه وغيره من أئمة العربية، وهو كثير، وأنشد أبو السعادات ابن الشجرى فى أماليه على النصب قوله:

١٥٨ - فَارِسًا مَا غَادَرُوهُ مُلْحَمًا

غَيْرَ زُمَّيْلٍ وَلاَ نِكْسٍ وَكِلْ

ومنه قوله تعالىٰ: ﴿جناتِ عدنٍ يدخلونها﴾ بكسر تاء "جنات"

ترجمہ وتشریح:

یہاں سے قسم رابع کو ذکر کر رہے ہیں۔ (ذکر کے اعتبار سے یہ پانچویں قسم ہے) جہاں رفع اور نصب دونوں جائز ہیں اور رفع مختار ہے اور اس سے مراد ہر وہ اسم ہے جس کے ساتھ موجب نصب اور رفع نہ ہوں اور نہ مرجح نصب اور تجویز الامرین والی صورت ہو۔ جیسے "زَیْدٌ ضَرَبْتُہٗ" یہاں زید کا رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی، اور مختار رفع ہے اس لئے کہ (رفع کی صورت میں اضمار نہیں ہوتا اور) اضمار کا نہ ہونا اضمار سے راجح ہے۔

بعض حضرات کے زعم کے مطابق نصب جائز ہی نہیں اس لئے کہ نصب کیلئے اضمار کی مشقت کرنی ہوگی۔ (شارح فرماتے ہیں) لیکن یہ کوئی خاص دلیل نہیں اس لئے کہ اس نصب کو اور اس کے اضمار کو سیبویہ رحمہ اللہ نے ائمہ عربیت سے نقل کیا ہے اور کلام عرب میں یہ کثیر بھی ہے۔ اور ابو السعادات ابن شجری نے اپنے امالی میں نصب کے ساتھ شاعر کا یہ قول نقل کیا ہے۔

۱۵۸- فَارِسًا مَا غَادَرُوْهُ مُلْحَمًا
غَیْرَ زُمَّیْلٍ وَلَا نِکْسٍ وَکِلْ

ترجمہ:...... انہوں نے بہادر آدمی کو (میدان جنگ میں) چھوڑا اس حال میں کہ وہ گھیرا ہوا تھا بزدل اور ایسا کمزور نہیں تھا جو اپنا کام (عاجزی کی وجہ سے) دوسروں کے حوالہ کرتا ہو۔

تشریح المفردات:

(فارسًا) کسی بھی شئ پر سوار کو کہا جاتا ہے چاہے گھوڑا ہو، اونٹ یا گدھا ہو۔ بعض کے نزدیک گھوڑا پر سوار ہی کو کہتے ہیں یہاں اس سے مراد بہادر ہے "ما" زائد ہے نافیہ نہیں ہے۔ (غادروا) غدر ترک چھوڑنے کے معنی میں ہے۔ (ملحما) اس کو کہتے ہیں جس کو میدان جنگ میں چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر لیا ہو۔ (زمّیل) زا کے ضمہ اور میم کی تشدید کے ساتھ بزدل (نکس) نون کے کسرہ اور کاف کے سکون کے ساتھ بمعنی ضعیف (وکل) بفتح الواو وکسر الکاف وَکَلَ یکل (ضرب یضرب) سے اسم فاعل ہے وہ آدمی جو عاجز ہونے کی وجہ سے اپنا کام خود نہ کر سکے اور اوروں کے حوالہ کرے، اس صورت میں یہ نکس کیلئے صفت ہے یا بفتح الواو والکاف ماضی کا صیغہ

ہے فعل با فاعل صفت۔

محل استشہاد:

(فارسًا ماغادروہ) محل استشہاد ہے۔ یہاں اسم سابق پر نصب آیا ہے حالانکہ نہ نصب کیلئے موجب موجود ہے اور نہ مرجح۔ اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ”جنّاتِ عَدْنٍ یدخلونَھا“ جنّات کی تاء کے کسرہ کے ساتھ، یہاں بھی (فارسًا) کی طرح نہ مرجح نصب ہے اور نہ موجب نصب پھر بھی نصب آیا ہے۔ (اگرچہ بظاہر کسرہ ہے۔ لیکن اس میں جمع مؤنث سالم کا اعراب جاری ہے اور نصب جر کے تابع ہے۔)

وَفَصْلُ مشغُولٍ بحَرْفِ جَرٍّ
أوْ بِإضَافَةٍ كَوَصْلٍ يَجْرِي

ترجمہ:......حرف جر یا اضافت کے ساتھ مشغول کا فاصلہ وصل (بغیر فاصلے والے) کی طرح چلتا ہے (یعنی فاصلہ ہو یا نہ ہو دونوں کا حکم ایک ہے)

(ش) يعنى أنه لا فرق فى الأحوال الخمسة السابقة بين أن يتصل الضمير بالفعل المشغول به نحو: ”زيدضربته“أوينفصل منه: بحرف جر، نحو ”زيدمررتُ بهٖ“أوباضافةٍ نحو: ”زيدٌ ضربتُ غلامَه أو ”غلامَ صَاحبهٖ“أو”مررت بغلامه، أو بغلام صاحبه]، فيجب النصب فى نحو: ”إن زيدًامررت به أكرمک“ كَمَايجب فى ”إن زيدًا لقيته أكرمک“ وكذلک يجب الرفع فى ”خرجت فإذازيدمربه عمرو“ويختارالنصب فى ”أزيدًامررت به؟“ويختارالرفع فى ”زيد مررت به“ويجوزالأمران على السواء فى ”زيد قام وعمرو مررت به“وكذلک الحكم فى ”زيد [ضربت غلامه،أو]مررت بغلامه“.

ترجمہ وتشریح:

یہاں یہ بتا رہے کہ پانچوں قسموں میں کوئی فرق نہیں کہ ضمیر فعل مشغول بہ کے ساتھ متصل ہو جیسے ”زیدٌ ضربتُه“ یا حرف جر کی وجہ سے منفصل ہو جیسے ”زیدٌ مررتُ به“ یا اضافت کی وجہ سے انفصال آیا ہو جیسے ”زیدٌ ضربتُ غلامَهٗ غلامَ صاحبه“ مررتُ بغُلامه“ بغُلام صاحبه“ الغرض فعل مشغول کے بعد فاصلہ ہو تو بھی اس

کا حکم بغیر فاصلہ والے کی طرح ہے۔ الیٰ آخرہ من الامثلة الباقية۔

وَسَوِّ فِي ذَا الْبَابِ وَصْفًا ذَا عَمَلْ
بِالْفِعْلِ إِنْ لَمْ يَكُ مَانِعٌ حَصَلْ

ترجمہ:......اس (اشتغال) کے باب میں عمل کرنے والے وصف کو فعل کے ساتھ احکام میں برابر کردیں اگر کوئی مانع حاصل نہ ہو۔

(ش) يعني أن الوصف العامل في هذا الباب يجري مجرى الفعل فيما تقدم، والمراد بالوصف العامل: اسم الفاعل، واسم المفعول.

واحترز بالوصف مما يعمل عمل الفعل وليس بوصف كاسم الفعل، نحو: "زيد دراكه" فلا يجوز نصب "زيد"؛ لأن أسماء الأفعال لا تعمل فيما قبلها؛ فلا تفسر عاملاً فيه.

واحترز بقوله "ذا عمل" من الوصف الذي لا يعمل، كاسم الفاعل إذا كان بمعنى الماضي، نحو: "زيد أنا ضاربه أمس" فلا يجوز نصب "زيد"؛ لأن ما لا يعمل لا يفسر عاملاً.

ومثال الوصف العامل "زيد أنا ضاربه: الآن، أو غدًا، والدرهم أنت معطاه" فيجوز نصب "زيد، والدرهم" ورفعهما كما كان يجوز ذلك مع الفعل.

واحترز بقوله: "إن لم يك مانع حصل" عما إذا دخل على الوصف مانع يمنعه من العمل فيما قبله، كما إذا دخلت عليه الألف واللام، نحو: "زيد أنا الضاربه"؛ فلا يجوز نصب "زيد"؛ لأن ما بعد الألف واللام لا يعمل فيما قبلهما؛ فلا يفسر عاملا فيه، والله أعلم.

ترجمہ وتشریح:

اشتغال کے باب میں عمل کرنے والے وصف کا حکم بھی فعل کی طرح ہے وصف عامل سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول ہیں۔ (وصف) کہکر احتراز کیا اس سے جو فعل کی طرح تو ہو لیکن وصف نہ ہو جیسے اسم فعل، زیدٌ دَرَاکِہ، یہاں زید کو منصوب پڑھنا صحیح نہیں اس لئے کہ " دَراکِ " اسم فعل ہے اور اسماء افعال ماقبل میں عمل نہیں کرتے تو ماقبل عامل کی تفسیر بھی نہیں کرتے۔

واحترزبقوله ذاعمل:

وصف عامل کہکر اس وصف سے احتراز کیا جو عامل نہ ہو مثلاً وہ اسم فاعل جو بمعنی ماضی ہو جیسے "زیدٌ أناضاربُہ أمسِ" یہاں بھی زید کو منصوب پڑھنا صحیح نہیں اس لئے جو عمل نہیں کرتا وہ عامل کی تفسیر بھی نہیں کرتا۔

وصف عامل کی مثال "زیداًاناضاربہ الآن،غداً،الدرھم انت معطاہ، یہاں زید' درھم کا نصب بھی جائز ہے اور رفع بھی جس طرح فعل کے ہوتے ہوئے نصب ہوتا ہے۔

واحترزبقوله ان لم یک الخ:

"ان لم یک مانع حصل" کہکر احتراز کیا اس وصف سے جس پر کوئی مانع داخل ہو جو وصف کو ماقبل کے اندر عمل سے روکتا ہو بایں طور کہ اس پر الف لام داخل ہو جیسے "زیدٌ أناالضاربہ" یہاں زید کا نصب جائز نہیں اس لئے کہ الف لام کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا "فلا یفسّر عاملاً فیه"

وَعُلْقَةٌ حَاصِلَةٌ بِتَابِعِ

كَعُلْقَةٍ بِنَفْسِ الاسمِ الواقِعِ

ترجمہ:...... جو علاقہ تابع کے ساتھ حاصل ہے وہ اس علاقہ کی طرح ہے جو نفس اسم کے ساتھ ہے (یعنی تابع کا حکم اور متعلق کا حکم اشتغال کے باب میں ایک ہے مثال سے اس کی وضاحت آ رہی ہے۔ انشاء اللہ)

(ش) تقدّم أنه لا فرق في هذاالباب بين مااتصل فيه الضميربالفعل ، نحو: "زيدًا ضربته" وبين ما انفصل بحرف جر،نحو: "زيدًامررت به"، أو بإضافة،نحو "زيدًا ضربت غلامه"

وذكرفي هذاالبيت أن الملابسة بالتابع كالملابسة بالسببي،ومعناه أنه إذاعمل الفعل في أجنبي، وأتبع بمااشتمل على ضمير الاسم السابق—من صفة،نحو: "زيدًاضربت رجلايحبه"،أو عطف بيان،نحو: "زيدًا ضربت عمرًا أباه"،أومعطوف بالواو خاصّة نحو: "زيدًاضربت عمرًا وأخاه"—حصلت الملابسة بذلك كما تحصل—بنفس السّببي،فينزل "زيدًاضربت رجلايحبه" منزلة "زيدًاضربت غلامه"، وكذلك الباقي.

وحاصله أن الأجنبي إذا أتبع بما فيه ضمير الاسم السابق جرى مجرى السّببي، والله أعلم.

ترجمہ وتشریح:

پہلے یہ بات گزرگئی کہ اشتغال کے باب میں اس بارے میں کوئی فرق نہیں کہ ضمیر فعل کے ساتھ متصل ہو جیسے: زیدًا ضربتُه یا منفصل ہو حرف جر کے ساتھ جیسے "زیدًا مررتُ به" یا اضافت کے ساتھ جیسے "زیدًا ضربْتُ غلامَه" یہاں یہ بتارہے ہیں کہ تابع کے ساتھ ملابست (ملنا، متعلق ہونا) اس طرح ہے گویا اسم کے متعلق کے ساتھ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ فعل جب اجنبی میں عمل کرے اور اس اجنبی کے بعد تابع آجائے جو اسم سابق کی ضمیر پر مشتمل ہو صفت ہو جیسے زیدًا ضربتُ رجلاً یحبّه (یہاں ضربتُ نے عمل کیا ہے رجلاً میں جو کہ اجنبی ہے اور اس کے بعد یحبّه تابع صفت آیا ہے) یا عطف بیان ہو جیسے زیدًا ضربتُ عمرًا أباه (یہاں ضربتُ نے عمرًا اجنبی میں عمل کیا ہے اور اس کے بعد تابع أباه عطف بیان کی صورت میں آیا ہے) یا عطف بالحرف ہو جیسے زیدًا ضربتُ عمرًا وأخاه، ان تمام صورتوں میں نفس متعلق (جیسے زیدًا ضربتُ غلامَه) کی طرح یہاں بھی ملابست حاصل ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ تابع کے آنے کا حکم بھی زیدًا ضربتُ غلامه کی طرح ہے یعنی متعلق اسم کی طرح ہے۔

واضح رہے کہ ان تمام مثالوں میں (یعنی زیدًا ضربتُ غلامَه، یا زیدًا ضربتُ رجلاً یُحبّه" میں اسم سابق یعنی زید پر مسلط ہونے والا عامل ضربتُ براہ راست نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ مقصود متکلم کے خلاف ہے کیونکہ اس میں زید کی مضروبیت لازم آتی ہے ہاں اس کا مناسب فعل (مثلاً اهنتُ کو لایا جائیگا۔ فیقال اهنتُ زیدًا ضربتُ غلامه والخ میں نے زید کی توہین کی یعنی میں نے اس کے غلام کو مارا، چنانچہ غلام کو مارنا درحقیقت زید ہی کی توہین ہے۔

وصلتُ الیٰ هذا المقام یوم الثلاثاء

فی ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ فللّٰه الحمد

تعدّی الفعل ولزومه

عَلامَةُ الفِعلِ المُعدّی اَنْ تَصِلْ
"هَا" غیرِ مَصْدرٍبه نَحْوُ "عَمِلْ"

ترجمہ:...... فعل متعدّی کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ مصدر کے علاوہ کی ہاء متصل ہو جیسے "عَمِلَ" (یہ فعل متعدّی کی مثال ہے)

ش) ینقسم الفعل إلی متعد، ولازم؛ فالمتعدی: هو الذی یصل ألی مفعوله بغیر حرف جر، [نحو: ضربت زیدًا] واللازم: مالیس کذلک، وهو: مالایصل إلی مفعوله إلابحرف جر نحو: "مررت بزید" أولا مفعول له نحو: "قام زیدٌ" ویسمی مایصل إلی مفعوله بنفسه: فعلامتعدیا، وواقعًا، ومجاوزًا، وما لیس کذلک یسمی: لازمًا، وقاصرًا، وغیر متعدّ، و[یسمی] متعدیابحرف جر.

وعلامة الفعل المتعدی: أن تتصل به هاءٌ تعود علی غیر المصدر، وهی هاء المفعول به، نحو: "الباب أغلقتهُ"

واحترز بهاء غیر المصدر من هاء المصدر؛ فإنها تتصل بالمتعدی واللازم؛ فلا تدل علی تعدی الفعل؛ فمثال المتصلة بالمتعدی "الضرب ضربته زیدًا" أی ضربت الضرب [زیدًا] ومثال المتصلة باللازم "القیام قمته" أی: قمت القیام.

ترجمہ وتشریح:

فعل لازمی اور متعدی کی تعریف اوران کی علامتیں:

فعل کی دو قسمیں ہیں، (۱) متعدّی، (۲) لازم

متعدی اس کو کہتے ہیں جو اپنے مفعول تک بغیر واسطہ حرف جر کے پہنچتا ہو جیسے "ضـربـتُ زیـدًا" اور لازم وہ ہے جو اپنے مفعول کی طرف بغیر واسطہ حرف جر کے نہ پہنچتا ہو جیسے "مـررتُ بـزیـدٍ" یا اس کیلئے مفعول ہی نہ ہو جیسے "قـامَ زیدٌ"، فعل متعدی کو متعدی کے علاوہ واقع اور مجاوز بھی کہتے ہیں اور لازم کو قاصر، غیر متعدّی اور متعدی بحرف جر

بھی کہتے ہیں۔

فعل متعدّی کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایسی ہاء متصل ہو جو غیر مصدر کی طرف لوٹتی ہو اور یہ مفعول بہ کی ہاء ہوگی جیسے "البابُ اغلقتُه" یہاں اغلَقتُ فعل متعدی ہے اس کے ساتھ ہاضمیر بباب کی طرف لوٹ رہی ہے جو مصدر نہیں ہے۔ ہاء غیر مصدر کہکر ہاء مصدر یہ سے احتراز کیا اس لئے کہ یہ فعل لازم ومتعدّی دونوں کے ساتھ آتی ہے۔ لہٰذا یہ فعل کے متعدّی ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ متصل بالمتعدّی کی مثال" الضربُ ضربتُه زیدًا ای ضربت الضرب زیدًا ، متصل باللازم کی مثال" القیام قمعه ای قمت القیام "

فَانصِبْ بِهٖ مفعولَه إنْ لَمْ يَنُبْ
عَنْ فاعِلٍ نحوُ تَدَبَّرْتُ الكُتُب

ترجمہ:...... پس آپ فعل متعدّی کے ذریعہ سے اس کے مفعول کو نصب دیدیں اگر وہ مفعول فاعل سے نائب ہو۔

(ش) شأن الفعل المتعدى أن ينصب مفعوله إن لم ينب عن فاعله نحو: "تدبرت الكتب" فإن ناب عنه وجب رفعه كما تقدم، نحو:" تدبرت الكتب"

وقد يرفع المفعول وينصب الفاعل عندأمن اللبس، كقولهم: "خَرَقَ الثوب المسمار" ولا ينقاس ذلک، بل يقتصر فيه على السماع.

والأفعال المتعدية على ثلاثة أقسام:

أحدها:مايتعدى إلى مفعولين، وهى قسمان؛ أحدهما: ما أصل المفعولين فيه المبتدأوالخبر، كظن وأخواتها، والثانى:ماليس أصلهماذلک، كأعطى وكسا.

والقسم الثانى:مايتعدى إلى ثلاثة مفاعيل، كأعلم وأرى.

والقسم الثالث:مايتعدى إلى مفعول واحد، كضرب، ونحوه.

ترجمہ وتشریح:

فعل متعدی کا عمل:

فعل متعدی اپنے مفعول کو نصب دیتا ہے اگر وہ مفعول فاعل سے نائب نہ ہو جیسے تَدَبَّرْتُ الکتبَ (میں نے کتابوں میں غور وفکر کیا)

اگر مفعول فاعل سے نائب ہو کر آئے تو اس کا مرفوع پڑھنا ضروری ہے جیسے تُدُبِّرَتْ الکتب۔

اگر التباس کا خطرہ نہ ہو تو مفعول کو رفع اور فاعل کو نصب بھی دے سکتے ہیں جیسے یہ قول "خَرَقَ الثوبُ المسمارَ" لیکن یہ قیاسی نہیں بلکہ اس میں سماع پر اکتفاء کیا جائے گا۔

فعل متعدی کی قسمیں

جو افعال متعدی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔

۱:......دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوں پھر ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جس میں دونوں مفعول اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر، ہوں جیسے ظنَّ اور اس کے اخوات (مثلاً ظننتُ زیدًا قائمًا میں زیدا اور قائم اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر تھے۔ چنانچہ "زیدٌ قائمٌ" کہا جاتا تھا) دوسری قسم جو اصل کے اعتبار سے مبتدا خبر نہ ہوں جیسے اعطیٰ اور کَسَا کا باب (مثلاً اعطیٰ زیدٌ جُبّةً میں زیدٌ جبّةٌ نہیں کہہ سکتے)

۲:......تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوں جیسے "اَعلَمَ اَرٰی"۔

۳:......ایک مفعول کی طرف متعدی ہوں جیسے ضَرَبَ وغیرہ۔

وَلاَزِمٌ غیرُ المُعَدّی، وَحُتِمْ
لُزومُ افعالَ السَّجَایَا کَنَهِمْ

کَذا افعَلَلَّ، وَالمُضَاهِي اقْعَنْسَسَا
وَمَا اقْتَضَى: نَظَافَةً، اَوْ دَنَسَا

اَوْ عَرَضًا، اَوْ طَاوَعَ المُعَدّی
لِوَاحِدٍ، کَمَدَّهُ فَامْتَدَّا

ترجمہ:..... اورلازم فعل وہ ہے جو متعدّی کے علاوہ ہواور طبیعت پر دلالت کرنے والے افعال کولازم بنانا یقین ہے جیسے نَہِمَ، اسی طرح افعللّ اور جو اقعَنْسَسَ کے مشابہ ہو یا جو نظافت اور دناست (میلاپن) کا تقاضا کرتا ہو یا عرض کا (عرض یہاں ذات کے مقابلہ میں ہے) اوروہ جو ایک مفعول کی طرف متعدّی ہونے والے کا مطاوع ہو جیسے مَدّہ فامتدّا (یہاں امتدّ فعل لازم ہے اور مطاوع ہے مَدّ کیلئے جو کہ ایک مفعول کی طرف متعدّی ہے)

(ش)اللازم:هو ماليس بمتعد،وهو:مالايتصل به هاء[ضمير]غير المصدر،ويتحتم اللزوم لكل فعل دال على سجية–وهي الطبيعة–نحو:"شرف،وكرم،وظرف،ونهم"وكذا كل فعل على ون افعلل، نحو:"اقشعر،واطمأن"أوعلى وزن افعنلل،نحو:"اقعنسس،واحرنجم"أودلّ على نظافة ك"طهر الثوب،ونظف"أوعلى دنس ك"دنس الثوب،ووسخ"أودل على عرض نحو:"مرض زيد،واحمر" أوكان مطاوعًالِمَاتعدى إلى مفعول واحدنحو:"مددت الحديدفامتد،ودحرجت زيدًافتدحرج"

واحترز بقوله:" لواحد"مماطاوع المتعدى إلى اثنين؛فإنه لايكون لازمًا،بل يكون متعديًا إلى مفعول واحدٍ،نحو:"فهمت زيدًاالمسألة ففهمهاوعلمته النحو فتعلّمه"

لازمی افعال:

فعل لازم وہ ہے جو متعدّی نہ ہو یعنی اس کے ساتھ غیر مصدر کی ہا ضمیر متصل نہ ہو۔لزوم ان تمام افعال میں آتا ہے جو طبیعت پر دلالت کرتے ہوں جیسے ظرُف، شرُفَ، کرُمَ، ظرُفَ، نَہِمَ، کہ یہ سارے افعال (شرافت ظرافت) طبیعت پر دلالت کرتے ہیں۔

اسی طرح ہر وہ فعل جو افْعَلَلّ کے وزن پر ہو جیسے اقشَعَرَّ، اطمأنَّ یا افْعَنْلَلَ کے وزن پر ہو جیسے إقْعَنْسَسَ، احرنجم، یا نظافت پر دلالت کرتا ہو جیسے "طَهُرَ الثوب ونظُفَ" یا میلاپن پر جیسے "دَنِسَ الثوبُ ووسِخَ، یا عرض" (قائم بالغیر) پر جیسے مَرِضَ زیدٌ، احمَرّ۔ یا وہ مطاوع ہو اس مفعول کا جو کہ ایک مفعول کی طرف متعدّی ہو جیسے مَدَدتُ الحدِیْدَ فامتدّ، دَحْرَجتُ زیدًا فتدحرَجَ ایسے تمام افعال لازم ہوتے ہیں۔

واحترز بقوله الخ:

(لِــوَاجِــدٍ) کہکر اس فعل سے احتراز کیا جو دو مفعولوں کی طرف متعدّی ہونے والے فعل کا مطاوع ہو اس صورت میں فعل لازی نہیں ہوگا بلکہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوگا جیسے فَهَّـمْتُ زيدًا المسالة ففهمَهَا، علَّمْتُه النحو فتعلَّم.

فائدہ:......عبارت میں بعض مشکل الفاظ کے معانی یہ ہیں۔

(نهـم)(س)ونهـمَ نَهَـمًـا ونهـامةفي الاكل کھانے میں حریص ہونا فـلان فـي الشيء مشتاق ہونا۔ (ظرف) ظـرفـا وظـرافة از کرم ، دانا اور خوش شکل ہونا، ذہین ہونا، ماہر ہونا، صفت ظریف جمع ظـرفـاء مؤنث ظريفة۔(اقشعر جلده) لرزنا، سکڑنا، سخت کھردرا ہونا، رنگ متغیر ہونا، صفت مقشعرّ (اقعنسَسَ) پیدائشی طور پر سینہ آگے کو نکلا ہوا اور پیٹھ اندر کو جھکی ہوئی ہونا، یہ حَـدْب (کبڑا پن) کے برخلاف ہے۔(احْـرنـجـم) القـوم والابل اکٹھا ہونا (دحْرَجَ لڑھکانا، تَدَحْرَجَ لڑھکنا)

وَعَــدِّ لازِمًــا بِــحَــرْفِ جَــرّ
وَإنْ حُــذِف فَــالــنَّـصْــبُ لـلــمُـنْـجَـرّ
نَــقْلاً، وَفِــي أنَّ وَأنْ يَــطَّــرِدُ
مَــعَ أمْــن لبْــسٍ كَــعَـجِبْـتُ أن يَـدُوا

ترجمہ:......آپ فعل لازم کو حرف جر کے ساتھ متعدّی کریں اور اگر حرف جر کو حذف کیا گیا ہو تو منجر (جس پر جر داخل ہے) کے لئے نصب ہے سـمـاعًـا اور أنَّ اور أنْ میں حذف قیاسی ہے جب التباس کا خطرہ نہ ہو جیسے عجبتُ أن يدُوا۔

ش) تـقـدَّمَ أن الـفـعـل المتعدّى يصل إلى مفعوله بنفسه، وذكرناأن الفعل اللازم يصل إلى مفعوله بحـرف جـر، نـحـو: "مـررت بزيدٍ" وقديحذف حرف الجرفيصل إلى مفعوله بنفسه، نحو: "مررت زيدًا" قال الشاعر:

١٥٩-تَمُرُّوْنَ الدِّيَارَ وَلَمْ تَعُوجُوا
كَلامُكُم عَلَيَّ اذًا حَرَامُ

أی:تمرّون بالديار،ومذهب الجمهورأنه لاينقاس حذف حرف الجرمع غير"أن"و"أن" بل يقتصرفيه على السماع،وذهب[أبوالحسن علی بن سليمان البغدادی وهو]الأخفش الصغيرإلى أنه يجوزالحذف مع غيرهماقياسًا،بشرط تعين الحرف،ومكان الحذف، نحو:"بريت القلم بالسكين" فيجوزعنده حذف الباء؛فتقول:"بريت القلم السكين"فإن لم يتعين الحرف لم يجزالحذف، نحو:"رغبت فی زيد"فلا يجوزحذف "فی"؛لأنه لايدری حينئذ:هل التقدير:"رغبت عن زيد" أو" فی زيد"وكذلک إن لم يتعين مكان الحذف لم يجز،نحو:اخترت القوم من بنی تميم" فلا يجوزالحذف؛ فلا تقول:"اخترت القوم بنی تميم"؛إذلايدری:هل الأصل"اخترت القوم من بنی تميم " أو"اخترت من القوم بنی تميم"

وأما"أنّ،وأن"فيجوزحذف حرف الجرمعهماقياسًامطردًا، بشرط أمن اللبس، كقولک: "عجبت أن يدوا"والأصل"عجبت من أن يدوا"أی:من أن يعطوا الدية، ومثال ذلک مع أن-بالتشديد -"عجبت من أنّک قائم"فيجوزحذف"من" فتقول:"عجبت أنّک قائمٌ؛فإن حصل لبس لم يجزالحذف،نحو:"رغبت فی أن تقوم"أو"[رغبت]فی أنک قائم"فلا يجوزحذف"فی"لا حتمال أن يكون المحذوف"عن"فيحصل اللبس.

واختلف فی محل"أن،وأن" عندحذف حرف الجر-فذهب الأخفش إلى أنهمافی محل جر،وذهب الكسائی إلى أنهما فی محل نصب،وذهب سيبويه إلى تجويزالوجهين.

وحاصله:أن الفعل اللازم يصل إلى المفعول بحرف الجر،ثم إن كان المجرورغير"أنّ، وأن"لم يجزحذف حرف الجرإلاسماعًا،وإن كان"أن،وأن"جاز [ذلک]قياسًا عندأمن اللبس، وهذاهو الصحيح.

ترجمہ وتشریح:

کبھی فعل لازمی بغیر واسطہ حرف جر متعدی ہو جاتا ہے:

پہلے یہ بات گزر گئی کہ فعل متعدی اپنے مفعول کی طرف براہ راست پہنچتا ہے اور یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ فعل لازم بواسطہ حرف جر اپنے مفعول کی طرف پہنچتا ہے جیسے مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، کبھی اس فعل لازم میں حرف جر حذف بھی ہو جاتا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۵۹-تَمُرُّوْنَ الدِّیَارَ وَلَمْ تَعُوْجُوا

کَلَامُکُمْ عَلَیَّ اِذًا حَرَامُ

ترجمہ:......تم لوگ میرے محبوب کے گھروں پر گزرتے ہو اور اندر نہیں جاتے

(اگر آئندہ اس طرح کیا تو) تم سے بات کرنا میرے اوپر حرام ہے۔

تشریح المفردات:

(الدیار) شاعر کے محبوب کے گھر مراد ہیں' یہاں شاعر دوران سفر اپنے ساتھیوں سے گلہ شکوہ کر رہا ہے کہ میرے محبوب کے گھر پر جب سب کا گزر ہوتا ہے تو تم وہاں ٹھہرتے نہیں حالانکہ ٹھہرنا چاہیے کہ یہی ساتھی ہونے کا حق ہے۔

(لم تعوجوا) عاج یعوج نصر سے ٹھہرنا، عاج بمکان کذا، نیز داخل ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

محل استشہاد:

(تمرّون الدیار) محل استشہاد ہے یہاں (تمرّون) فعل لازم بلا واسطہ حرف جر (الدیار) مفعول کی طرف متعدی ہوا ہے۔

ومذھب الجمھور (فعل لازم پر داخل حرف جر کے حذف کرنے میں شارح کی عبارت کی تقدیم تاخیر کرکے وضاحت کی جاتی ہے) اس پر تو اتفاق ہے کہ جب انّ حرف مشبہ بالفعل اور أن مصدریہ اپنے مابعد کے جملہ کو مصدر کی تاویل میں کر دے تو ان پر داخل حرف جر کو حذف کرنا قیاسی ہے۔ بشرطیکہ التباس کا خطرہ نہ ہو جیسے "عجبت أن یدوا" اصل میں تھا "عجبت من أن یدوا ای من أن یعطوا الدیة" اور أنّ کی مثال عجبت من أنک

قائمٌ یہاں دونوں میں حرف جر مِنْ کو حذف کرنا جائز ہے اگر التباس آ رہا ہو تو حذف جائز نہیں جیسے "رَغبتُ فی أنْ تقوم، رَغَبتُ فی أنّک قائم" یہاں فی کا حذف جائز نہیں اس لئے کہ احتمال ہوگا کہ شاید یہاں "عَنْ" کو حذف کیا گیا ہے (فی کی صورت میں بمعنی رغبت اور عَنْ کی صورت میں بمعنی اعراض)

اور جب أنّ اور أن سے حرف جر کو حذف کیا جائے تو اس کے محل میں اعراب کے اعتبار سے اختلاف ہے اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ محلاً مجرور ہونگے ان کی دلیل عرب سے سماع ہے۔

چنانچہ مشہور شاعر فرزدق عبدالمطلب بن عبداللہ مخزومی کی مدح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وَمَا زُرْتُ لیلیٰ أنْ تکُونَ حبیبةً

إلیَّ وَلادَینٍ بِهَا أنا طالبُه

یہاں فرزدق نے من کو حذف کیا ہے ای من أن تکون حبیبةً اور (لادین) اس پر عطف ہے ای و لامن دینٍ، دین کا مجرور ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ أن تکون بھی محلاً مجرور ہے اس لئے کہ معطوف معطوف علیہ دونوں کا اعراب ایک ہوتا ہے۔

اور کسائی رحمہ اللہ کا مسلک ہے کہ یہ محلاً منصوب ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حرف جر ضعیف عامل ہے اس کی علامت یہ ہے کہ یہ ایک ہی نوع (اسم) کے ساتھ خاص ہے اور ضعیف عامل اس وقت عمل کرتا ہے جب اس کا معمول کمزور ہو حذف کی صورت میں عمل نہیں کرتا، اور سیبویہ رحمہ اللہ کے ہاں دونوں صحیح ہیں یعنی محلاً منصوب ہونا یا محلا مجرور ہونا۔

أنّ اور أنْ کے علاوہ حرف جر کے حذف کرنے میں اختلاف ہے۔

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ان دونوں کے علاوہ میں حرف جر کو حذف کرنا قیاسی نہیں ہے بلکہ سماع پر موقوف ہے۔ اور ابوالحسن علی بن سلیمان البغدادی (جو کہ اخفش صغیر ہیں، واضح رہے کہ حاشیۃ الخضری میں ہے کہ یہاں شارح کو صغیر کے بجائے اصغر کہنا چاہئے تھا اس لئے کہ علی بن سلیمان اخفش اصغر ہیں جو امام ثعلبؒ اور مبردؒ کے شاگرد گزرے ہیں۔ اور اخفش صغیر دوسرے ہیں جن کا نام ابوالحسن سعید بن مسعدۃ ہے۔ اخفش کے نام سے گیارہ حضرات گزرے ہیں جس طرح کہ پہلے مقدمۃ النحو میں گزر گیا پہلی جلد کے شروع میں ملاحظہ فرمالیں) فرماتے ہیں کہ ان دونوں (أنّ اور أنْ) کے علاوہ بھی حرف جر کا حذف کرنا قیاسی ہے لیکن اس کیلئے دو شرطیں ہیں۔

(۱)......اوّل یہ کہ حذف ہونے والا حرف متعین ہو۔

(۲)......دوم یہ کہ حذف کا مکان متعین ہو جیسے "بَرَیتُ القلمَ بالسکین" (میں نے قلم کو چھری سے تراشا) یہاں باء کو حذف کر کے بَرَیتُ القلمَ السکین کہہ سکتے ہیں لیکن اگر حرف متعین نہ ہو تو پھر حذف جائز نہیں جیسے "رَغبتُ فی زیدٍ" یہاں فی کا حذف جائز نہیں۔ اس لئے کہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہاں عبارت میں (فی) حذف ہے یا عَنْ حذف ہے۔ (فی کی صورت میں رغبت کا اور عن کی صورت میں اعراض کا معنی ہوگا)

اسی طرح اگر حذف کا مکان متعین نہ ہو پھر بھی حذف حرف جر کا جائز نہیں جیسے "اخترتُ القوم من بنی تمیم، یہاں حذف کر کے اخترتُ القوم بنی تمیم نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ پتہ نہیں چلے گا کہ اصل میں اخترتُ القوم من بنی تمیم تھا یا اخترتُ من القوم بنی تمیم تھا (پہلے میں معنی ہوگا میں نے بنو تمیم سے قوم کو پسند کیا اور دوسرے میں معنی ہوگا میں نے قوم سے بنو تمیم کو پسند کیا) وبینھما الفرق کثیر۔

خلاصہ:

شارح کی پوری عبارت کا خلاصہ یہ ہوا کہ فعل لازم اپنے مفعول کی طرف حرف جر کے ذریعے متعدی ہوتا ہے اب اگر مجرور أنّ یا أنْ ہے تو التباس نہ ہونے کی صورت میں حرف جر کا حذف قیاسًا جائز ہے اور اگر أنّ اور أنْ کے بغیر ہے تو پھر حرف جر کا حذف جائز نہیں مگر سماعًا۔ وھذا ھو الصحیح۔

وَالاصلُ سَبْقُ فاعِلٍ معنیً کَمَنْ

مِنْ "اَلبِسَنْ مَنْ زارَکُمْ نَسجَ الیَمَنْ

ترجمہ:......اصل یہ ہے کہ (دو مفعولوں میں سے) اس کو مقدم کیا جائے گا جو معنی کے اعتبار سے فاعل (لینے والا) ہو جیسے "اَلبِسَنْ مَنْ زَارَکُمْ نَسْجَ الیَمَنْ میں مَنْ کو مقدم کیا جائے گا۔ ترجمہ پہنا دو اس کو جو تمہاری زیارت کرے یمن کا بنا ہوا کپڑا۔ یہاں چونکہ کپڑا پہننے والا زائر ہی ہے لہٰذا اس کو پہلے ذکر کیا جائے اور نسج الیمن مفعول ثانی کو بعد میں)

(ش)إذاتعدّی الفعل إلی مفعولین الثانی منهمالیس خبرًافی الأصل؛فالأصل تقدیم ماهو فاعل فی المعنی،نحو:"أعطیت زیدًا درهمًا"فالأصل تقدیم"زید"علی"درهم"لأنه فاعل فی المعنی؛لأنه الآخذللدرهم،وکذا"کسوت زیدًاجبة"و"ألبسن من زارکم نسج الیمن"ف"من":مفعول أول، و"نسج":مفعول ثان،والأصل تقدیم"من"علی"نسج الیمن"لأنه اللابس،ویجوزتقدیم مالیس فاعلامعنًی،لکنه خلاف الأصل.

ترجمہ وتشریح:

جو معنًی فاعل ہوتا ہے وہ مقدم ہوتا ہے:

جب فعل دو مفعولوں کی طرف متعدّی ہواور دوسرا مفعول اصل کے اعتبار سے خبر نہ ہوتو اس صورت میں اس مفعول کو مقدم کیا جائے گا جو معنی کے اعتبار سے فاعل ہو جیسے "اعطیتُ زیدًا درهمًا" یہاں زید کو درہم پر مقدم کیا جائیگا اس لئے کہ زید درہم کو لینے والا ہے اسی طرح "کَسوتُ زیدًا جُبَّةً" البسَنَ مَنْ زارکُم نَسْجَ الیمن میں بھی ہے۔کبھی اس مفعول کو بھی مقدم کیا جا سکتا ہے جو معنی کے اعتبار سے فاعل نہیں ہوتا لیکن یہ اصل کے خلاف ہے۔

وَیَلْزَمُ الاصلُ لِمُوجِبٍ عَرَیٰ
وَتَرْکُ ذَاکَ الاَصلِ حتمًا قدیُرٰی

ترجمہ:......اور(مذکورہ بالا)اصل لازم ہوتی ہے کسی واجب کرنے والی دلیل کی وجہ سے جوموجود ہو،اور کبھی اس اصل کو یقینی طور پر چھوڑا بھی جاتا ہے(عَرٰی بمعنی نَزَلَ وَبَعُدَ کے ہیں)

(ش)أی:یلزم الأصل-وهوتقدیم الفاعل فی المعنی-إذاطرأمایوجب ذلک،وهوخوف اللبس نحو:"أعطیت زیدًاعمرًا"فیجب تقدیم الآخذمنهما،ولایجوزتقدیم غیره،لأجل اللبس؛إذیحتمل أن یکون هوالفاعل.

وقدیجب تقدیم مالیس فاعلًافی المعنی،وتأخیرماهوفاعل فی المعنی،نحو:"أعطیت الدرهم صاحبه"فلایجوزتقدیم صاحبه وإن کان فاعلافی المعنی؛فلاتقول:"أعطیت صاحبه

الدرهم" لئلا يعود الضمير على متاخر لفظا ورتبة [وهو ممتنع] والله اعلم.

ترجمہ وتشریح:

پہلے گزر گیا کہ اصل یہی ہے کہ دو مفعولوں میں سے جو معنی کے اعتبار سے فاعل ہوگا اسی کو مقدم کیا جائے گا اب یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اس اصل پر بعض مرتبہ عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب التباس کا خطرہ ہو جیسے "أعطيتُ زيدًا عمرًا" یہاں زید اور عمرو دونوں میں آخذ کی صلاحیت ہے تو جس کو معنی کے اعتبار سے فاعل بنانا ہو تو اس کی تقدیم ضروری ہے تاکہ التباس نہ آئے۔

اور کبھی اس کے برعکس معنیً فاعل کو مؤخر کیا جائے گا جیسا کہ "أعطيتُ الدّرهمَ صَاحبَه" یہاں اگرچہ صاحب معنی کے اعتبار سے فاعل ہے لیکن پھر بھی اس کی تقدیم صحیح نہیں ورنہ تقدیم کی صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آئے گا لفظًا اور رتبةً جو کہ جائز نہیں۔

وَحَذْفَ فَضْلَةٍ أَجِزْ إِنْ لَمْ يَضُرّْ
كَحَذْفِ مَا سِيقَ جَوَابًا أَوْ حُصِرْ

ترجمہ:...... فضلہ (مفعول بہ) کے حذف کو جائز قرار دیں اگر ضرر نہ ہو جس طرح اس مفعول بہ کا حذف جو جواب کیلئے چلایا گیا ہو یا وہ محصور ہو۔

(ش) الفضلة: خلاف العمدة، والعمدة: مالايستغنى عنه كالفاعل، والفضلة: ماىمكن الاستغناء عنه كالمفعول به، فيجوز حذف الفُضْلَة أن لم يضر، كقولك في "ضربت زيدًا" "ضربت" بحذف المفعول به، وكقولك في "أعطيت زيدًادرهما": "أعطيت" ومنه قوله تعالىٰ: ﴿فامّامن أعطى واتقى﴾، و"أعطيت"، ومنه قوله تعالىٰ: ﴿ولسوف يعطيك ربك فترضى﴾، و"أعطيت درهمًا، قيل: ومنه قوله تعالىٰ: ﴿حتى يعطوا الجزية﴾ التقدير — والله اعلم — حتى يعطوكم الجزية.

فإن ضر حذف الفضلة لم يجز حذفها، كماإذاوقع المفعول به في جواب سؤال، نحو أن يقال: "من ضربت" فتقول: "ضربت زيدًا" أو وقع محصورًا، نحو "ماضربت إلازيدًا" فلايجوز حذف "زيدًا" في الموضعين، إذ لايحصل في الأول الجواب، ويبقى الكلام في الثاني دالاعلى نفي

الضرب مطلقًا، والمقصود نفيه عن غير "زيد" فلا يفهم المقصود عند حذفه.

ترجمہ وتشریح:

فضلہ کا حذف جائز ہے:

فضلہ وہ ہے جو عمدہ کے برخلاف ہو، اور اس سے استغناء (بے احتیاجی) ممکن ہو جیسے مفعول بہ اور عمدہ وہ ہے جس سے استغناء ممکن نہ ہو جیسے فاعل۔

لہٰذا عمدہ کا حذف جائز نہیں اور فضلہ کا حذف جائز ہے اگر ضرر نہ ہو جیسے " ضَرَبْتُ زیدًا " میں "ضربتُ" کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح "اعطیتُ زیدًا درهمًا" میں بھی "اعطیت درهمًا" کہا جاتا ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى" یہاں مفعول ثانی حذف ہے، اعطیت درهمًا بھی کہا جاتا ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے " حتّٰى يُعطُوا الجزيَةَ ، ای حتّٰى يُعطُوكُم الجزيَةَ ۔

اگر فضلہ کا حذف مضر ہو تو اس کا حذف جائز نہیں۔ مثلاً جب مفعول بہ سوال کے جواب میں واقع ہو جیسے مَنْ ضَرَبْتَ کے جواب میں "ضربتُ زیدًا" کہا جائے گا یا حصور واقع ہو جیسے "مَاضَرَبْتُ الازیدًا" یہاں دونوں جگہوں میں زید کا حذف صحیح نہیں اس لئے کہ اگر پہلی مثال میں حذف ہو تو جواب حاصل نہیں ہوتا (اس لئے کہ سائل مضروب (جو کہ مفعول بہ ہے) ہی کے بارے میں سوال کر رہا ہے حذف کی صورت میں یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا، اور دوسری مثال میں حذف اس لئے صحیح نہیں کہ مقصود زید کے علاوہ اوروں سے ضرب کی نفی ہے حذف کی صورت میں مطلقاً ضرب کی نفی ہوگی۔

وَيُحْذَفُ النَّاصِبُهَا، إِنْ عُلِمَا
وَقَدْ يَكُونُ حَذْفُهُ مُلْتَزَمَا

ترجمہ:.....فضلہ کے ناصب کو حذف کیا جاتا ہے جب معلوم ہو اور کبھی اس کا حذف لازم ہوتا ہے۔

(ش) يجوز حذف ناصب الفضلة إذا دل عليه دليل، نحو أن يقال: "من ضربت؟" فتقول: "زيدًا" التقدير: "ضربت زيدًا" فحذف "ضربت" لدلالة ماقبله عليه، وهذا الحذف جائز، وقد يكون

واجبًا كما تقدم في باب الاشتغال، نحو: "زيدًا ضربته" التقدير: "ضربت زيدًا ضربته" فحذف "ضربت" وجوبا كما تقدم، والله اعلم.

ترجمہ وتشریح:

فضلہ یعنی مفعول بہ کے ناصب کا حذف جائز ہے جب اس پر دلیل دلالت کرے مثلا سوال کیا جائے "مَنْ ضَرَبْتَ" اور جواب میں کہا جائے زیدًا چونکہ سوال میں فعل (ناصب) کا ذکر ہے اس لئے جواب میں اس کو حذف کر سکتے ہیں۔ اور یہ حذف جائز ہے لیکن کبھی اس کا حذف واجب بھی ہوتا ہے جس طرح اشتغال کے باب میں گزر گیا جیسے "زیدًا ضربتُه" تقدیر عبارت "ضربت زیدًا ضربته" ہے ضربتُ اوّل کو حذف کیا وجوبًا تا کہ مفسَّر اور مفسِّر کے درمیان جمع لازم نہ آئے۔ كَمَا تَقَدَّمَ. والله اعلم۔

وصلت الیٰ هذا المقام فی ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

التنازُعُ فی العَمَل

دوفعلوں کاعمل میں تنازع کرنا

إنْ عَامِلاَ ن اقتضيا في اسمٍ عمل
قبلُ فللواحدِ منهما العمل
والثانِ أولى عند أهل البصرة
واختار عكسًا غيرهم ذا أسرة

ترجمہ:.....اگردوعامل ایک اسم میں عمل کرنا چاہیں اس حال میں کہ وہ عامل پہلے ہوں تو ان میں سے ایک کے لئے عمل ہوگا اور دوسرے کو عمل دینا بصرہ والوں کے ہاں اولیٰ ہے اور دیگر حضرات (کوفیین) نے عکس کو پسند کیا ہے (یعنی ان کے ہاں پہلے کو عمل دینا چاہئے) جو کہ قوت والے ہیں۔(أسرة) ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ قوت کو کہتے ہیں اور اصل کے اعتبار سے مضبوط زرہ، خاندان کو کہا جاتا ہے، ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھنا جائز ہے اس کے معنی قوی جماعت کے ہیں)

(ش)التنازع عبارة عن:توجه عاملين إلى معمول واحد،نحو:"ضربت وأكرمت زيدًا"فكل واحد من"ضربت"و"اكرمت"يطلب"زيدًا"بالمفعولية،وهذامعنى قوله:"إن عاملان–إلى اخره".

وقوله:"قبل" معناه أن العاملين يكونان قبل المعمول كمامثلنا،ومقتضاه أنه لوتأخر العاملان لم تكن المسألة من باب التنازع.

وقوله:"فللواحد منهماالعمل"معناه أن أحدالعاملين يعمل في ذلک الاسم الظاهر والآخريهمل عنه ويعمل في ضميره،كماسيذكره.

ولاخلاف بين البصريين والكوفيين أنه يجوزإعمال كل واحدمن العاملين في ذلک الاسم الظاهر،ولكن اختلفوافي الأولى منهما.

فذهب البصريون إلى أن الثاني أولى به لقربه منه.

وذهب الكوفيون إلى أن الأول أولى به لتقدمه.

ترجمہ وتشریح:

تنازع کی بحث:

یہاں سے تنازع الفعلین کو ذکر کر رہے ہیں۔

واضح رہے کہ تنازع سے یہاں حقیقی جھگڑا مراد نہیں جو ذوی العقول میں ہوتا ہے بلکہ مراد دو عاملوں کا ایک معمول کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ ہدایۃ النحو و دیگر کتابوں میں تنازع کی چار صورتیں عموماً ذکر کی جاتی ہیں۔

۱:......دونوں کا تنازع فاعلیت میں ہو یعنی ہر ایک اس اسم ظاہر کو اپنے لئے فاعل بناتا ہو۔

۲:......مفعولیت میں ہو۔

۳:......ایک اس کو اپنے لئے فاعل اور دوسرا اس کو اپنے لئے مفعول چاہتا ہوں۔

۴:......تیسری صورت کے برعکس۔

(قبل) کہکر اس بات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ تنازع تب ہوگا جب دونوں عامل معمول سے پہلے ہوں مثلاً ضربتُ واکرمتُ زیداً، اگر عامل مؤخر ہوں تو تنازع کے باب سے نہیں ہوگا۔

(فللواحد منهما العمل) اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں عاملوں میں سے صرف ایک اس اسم ظاہر میں عمل کرے گا اور دوسرا اس اسم ظاہر سے مہمل ہوگا اور پہلے اسم ظاہر کی ضمیر میں عمل کرے گا۔ (واضح رہے کہ آگے کی پوری بحث میں اہمال کا لفظ بار بار آئے گا جس کا مطلب مہمل ہونا یعنی عمل نہ کرنا ہے اور اعمال کا مطلب عمل دینا ہے)

تنازع میں اختلاف کی پوری تفصیل

بصریین اور کوفیین کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ دونوں کو عمل دینا جائز ہے البتہ اولویّت میں اختلاف ہے بصریین فرماتے ہیں کہ دوسرے فعل کو عمل دینا اولیٰ ہے اسلئے کہ وہ معمول کے قریب ہے۔

اور کوفیین فرماتے ہیں کہ پہلے کو عمل دینا اولیٰ ہے اس لئے کہ وہ ذکر کے اعتبار سے مقدم ہے " والفضل للمتقدّم" اور عرب سے سماع بھی دونوں پر وارد ہے۔

وَأَعْمِلِ الْمُهْمَلَ فِي ضَمِيرِ مَا
تَنَازَعَاهُ وَالْتَزِمْ مَا الْتُزِمَا
كَيُحْسِنَانِ وَيُسِيءُ ابْنَاكَا
وَقَدْ بَغَى وَاعْتَدَيَا عَبْدَاكَا

ترجمہ:...... جو فعل مہمل ہے (یعنی اس کو عمل نہیں دیا گیا ہے) اس کو آپ عمل دیں اس اسم کی ضمیر جس میں ان دونوں نے تنازع کیا ہے اور جو لازم کیا گیا ہے اس کو آپ لازم کریں جیسے یحسنان ویسیئ ابناک، بغی واعتدیا عبداک (یہاں ابناک' عبداک میں دونوں فعلوں کا تنازع ہے ہر ایک اس کو اپنے لئے فاعل بناتا ہے۔ ترجمہ اچھائی کرتے ہیں اور برائی کرتے ہیں تمہارے دونوں بیٹے۔ بغاوت اور تجاوز کیا تمہارے دونوں غلاموں نے)

(ش) أي: إذا أعملت أحد العاملين في الظاهر وأهملت الآخر عنه، فأعمل المهمل في ضمير الظاهر، والتزم الإضمار إن كان مطلوب العامل مما يلزم ذكره ولا يجوز حذفه، كالفاعل، وذلك كقولك: "يحسن ويسيئ ابناك" فكل واحد من "يحسن" و"يسيئ" يطلب "ابناك" بالفاعلية، فإن أعملت الثاني وجب أن تضمر في الأول فاعله، فتقول "يحسنان ويسيئ ابناك" وكذلك إن أعملت الأول وجب الإضمار في الثاني، فتقول: "يحسن ويسيئان ابناك" ومثله "بغى واعتديا عبداك" وإن أعملت الثاني في هذا المثال قلت: "بغيا واعتدى عبداك" ولا يجوز ترك الإضمار، فلا تقول "يحسن ويسيئ ابناك" ولا "بغى واعتدى عبداك" لأن تركه يؤدي إلى حذف الفاعل، والفاعل ملتزم الذكر، وأجاز الكسائي ذلك على الحذف، بناء على مذهبه في جواز حذف الفاعل، وأجاز الفراء على توجه العاملين معًا إلى الاسم الظاهر، وهذا بناء منهما على منع الإضمار في الأول عند إعمال الثاني، فلا تقول: "يحسنان ويسيئ ابناك"، وهذا الذي ذكرناه عنهما هو المشهور من مذهبهما في هذه المسألة.

ترجمہ وتشریح:

(ہدایۃ النحو وغیرہ میں بصریین اور کوفیین کے مسلک کی وضاحت اور رفع تنازع کو الگ الگ واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے یہاں دونوں فعلوں کے تنازع اور اس کے دفع کرنے کو ساتھ ساتھ ذکر کر رہے ہیں غالبا ماتن اور شارح کا طریقہ قریب الی الفہم ہے)

متن کی تشریح کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ جب آپ دو عاملوں میں سے ایک کو اسم ظاہر میں عمل دیں اور دوسرے کو عمل نہ دیں اور اس کو مہمل چھوڑ دیں تو اس صورت میں جس کو عمل دے دیا گیا وہ تو صحیح ہے۔ اور جس فعل کو عمل نہیں دیا گیا تو اس کو آپ عمل اسم ظاہر کی ضمیر میں دیں بشرطیکہ فاعل میں تنازع ہو۔

آسانی سے یوں سمجھیں کہ فاعلیت میں اگر دونوں فعلوں کا تنازع ہو تو دفع تنازع کیلئے تین طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ:...... ایک یہ کہ ایک کو عمل اسم ظاہر میں دینے کے بعد دوسرے کے فاعل کو حذف کریں لیکن یہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ فاعل عمدہ ہے اور عمدہ کا حذف جائز نہیں۔

دوسرا طریقہ:...... ذکر کا ہے اگر مہمل فعل کے فاعل کو ذکر کریں تو تکرار لازم آتا ہے نیز یہ تنازع کے باب سے نہیں ہوگا۔

تیسرا طریقہ:...... یہ ہے کہ مہمل فعل کے فاعل کو آپ مضمر لائیں بایں طور کہ وہ اسم ظاہر کے ساتھ مفرد تثنیہ جمع میں موافق ہو شارح اسی تیسرے طریقہ کو یہاں ذکر فرما رہے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ اگر بصریین کے مسلک کے مطابق دوسرے فعل کو عمل دیا جائے اور پہلے فعل کے فاعل کو مضمر لائیں جیسے يُحْسِنَانِ وَيُسِيءُ ابناك۔ ضربنی واکرمنی زیدٌ اس میں ضمیر مابعد میں فاعل ''ابناک'' زید کی طرف لوٹ رہی ہے۔ لہٰذا اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو جائز نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں بشرط تفسیر جائز ہے اور یہاں بھی فاعل عمدہ ہے، اور کوفیین کے مسلک کے مطابق پہلے کو عمل دینے کی صورت میں بھی اگرچہ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے لیکن وہ لفظا ہے رُتبۃً نہیں اور اضمار قبل الذکر وہ ناجائز ہے جو لفظا بھی ہو اور رتبۃً بھی اور فاعل مرتبہ کے اعتبار سے مفعول پر مقدم ہوتا ہے۔ (جیسے ضربنی واکرمنی زیدٌ یا يُحْسِنُ ويسيئان ابناک)

اسی طرح بغی واعتدیا عبداک، بغی واعتدٰی عبداک.

وأجاز الكسائي الخ:

تنازع کے وقت دوسرے فعل کو عمل دینے کی صورت میں پہلے فعل میں کسائی رحمہ اللہ کے نزدیک فاعل کو حذف کرنا جائز ہے اس لئے ان کے ہاں ترک اضمار صحیح ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ اگر دوسرے کو عمل دیا جائے اور پہلے فعل کے فاعل کو مضمر لایا جائے۔جیسے یحسنان ویسیء ابناک،بغیاو اعتدی عبداک تواس میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے(اگرچہ اس کا جواب پہلے ہم نے ذکر کیا کہ اضمار قبل الذکر یہاں لفظاً ہے مگر رتبۃً نہیں اور اضمار قبل الذکر نا جائز وہ ہے جو لفظاً اور رتبۃً دونوں ہوں۔یعنی کسائی رحمہ اللہ اپنے مسلک کے مطابق اضمار قبل الذکر سے بچنے کیلئے فاعل کو حذف کررہے ہیں حالانکہ فاعل عمدہ ہے اور عمدہ کو حذف کرنا اضمار قبل الذکر سے بھی زیادہ شنیع ہے اس کی مثال یوں ہوئی" وَقَفَ تحتَ الميزاب وَفَرَّ مِنَ المطر"(بارش سے بھاگا پرنالہ کے نیچے جا کھڑا ہوا)لیکن حاشية الخضري میں شرح الایضاح سے نقل کیا ہے کہ امام کسائی رحمہ اللہ سے فاعل کو حذف کرنے کی جو بات منقول ہے یہ صحیح نہیں ہے۔واللہ اعلم۔

اور فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوسرے کو عمل دینے کی صورت میں پہلے میں ترک اضمار جائز ہے وہ دونوں عامل کو ایک اسم ظاہر کی طرف متوجہ فرماتے ہیں ان کے مسلک کے مطابق آپ یُحسِنَانِ وَیُسِيءُ ابناک نہیں کہہ سکتے۔

وَلَا تَجِئْ مَعَ أَوَّلٍ قَدْ أُهْمِلَا
بِمُضْمَرٍ لِغَيْرِ رَفْعٍ أُوْهِلَا
بَلْ حَذْفَهُ الْزَمْ إِنْ يَكُنْ غَيْرَ خَبَرْ
وَأَخِّرَنْهُ إِنْ يَكُنْ هُوَ الْخَبَرْ

ترجمہ:......اور پہلے فعل کے ساتھ جو مہمل ہے (یعنی جس کو عمل نہیں دیا گیا ہے) اس کی ضمیر نہ لائیں جو کہ اہل بنائی گئی ہو رفع کے علاوہ کیلئے (یعنی جو مرفوع نہ ہو مفعول بہ ہو) بلکہ اس کے حذف کرنے کو لازم کردیں اگر وہ اصل کے اعتبار سے خبر نہ ہو اور اگر خبر ہو تو اس کو مؤخر کردیں۔

(ش) تقدم أنه إذا أعمل أحد العاملين في الظاهر وأهمل الآخر عنه أعمل في ضميره، ويلزم الإضمار إن كان مطلوب الفعل مما يلزم ذكره: كالفاعل، أو نائبه، ولا فرق في وجوب الإضمار – حينئذٍ – بين أن يكون المهمل الأوّل أو الثاني، فتقول: "يحسنان ويسيء ابناك، ويحسن ويسيئان ابناك"

وذكر هنا أنه إذا كان مطلوب الفعل المهمل غير مرفوع فلا يخلو: إما أن يكون عمدة في الأصل– وهو مفعول "ظن" وأخواتها؛ لأنه مبتدأ في الأصل أو خبر، وهو المراد بقوله: "إن يكن هو الخبر"– أو لا، فإن لم يكن كذلك: فإما أن يكون الطالب له هو الأول، أو الثاني، فإن كان الأول لم يجز الإضمار؛ فتقول: "ضربت وضربني زيدٌ، ومررت ومرَّبي زيدٌ"، ولا تضمر فلا تقول: "ضربته، وضربني زيد" ولا "مررت به ومرَّ بي زيد"، وقد جاء في الشعر، كقوله:

١٦٠– إذَا كُنْتَ تُرْضِيه وَيُرْضِيكَ صَاحِبٌ
جِهَارًا فَكُنْ فِي الغَيْبِ احفَظَ لِلْعَهدِ
وَالْغِ أحَادِيثَ الْوُشَاة، فَقَلَّمَا
يُحَاوِلُ وَاشٍ غَيرَ هِجرَانِ ذِي وُدِّ

وإن كان الطالب له هو الثاني وجب الإضمار؛ فتقول: "ضربني وضربته زيد، ومرَّ بي ومررت به زيدٌ" ولا يجوز الحذف فلا تقول "ضَرَبَني وَضَرَبْتُ زَيدٌ" وقد جاء في الشعر، كقوله:

١٦١– بِعُكَاظَ يُعْشِي النَّاظِرِينَ
إذَا هُمُ لَمَحُوا شُعَاعُه

والأصل "لمحوه" فحذف الضمير ضرورةً، وهو شاذ؛ كما شذ عمل المهمل الأول في المفعول المضمر الذي ليس بعمدة في الأصل.

هذا كلّه إذا كان غير المرفوع ليس بعمدة في الأصل، فإن كان عمدة في الأصل فلا يخلو: إما أن يكون الطالب له هو الأول، أو الثاني؛ فإن كان الطالب له هو الأول وجب إضماره مؤخرًا؛ فتقول: "ظَنَّنِي وظننتُ زيدًا قائمًا إيَّاهُ"، وإن كان الطالب له هو الثاني أضمرته: متصلا كان أو منفصلاً؛ فتقول: "ظننت وظننيه زيدًا قائمًا، وظننت وظنني إياه زيدًا قائمًا".

ومعنى البيتين أنك إذا أعملت الأول لم تأت معه بضمير غير مرفوع –وهو المنصوب والمجرور– فلا تقول: "ضربته وضربني زيدٌ" ولا "مررت به ومرَّ بي زيدٌ" بل يلزم الحذف، فتقول: "ضربت وضربني زيدٌ، ومررت ومرَّ بي زيدٌ" إلا إذا كان المفعول خبرًا في الأصل؛ فإنه

لایجوز حذفه بل یجب الإتیان به مؤخرًا، فتقول: "ظنّنی وظننت زیدًا قائمًا إیّاه".

ومفهومه أن الثانی یؤتی معه بالضمیر مطلقًا: مرفوعًا کان، أو مجرورًا، أو منصوبًا، عمدة فی الأصل أو غیر عمدة.

ترجمہ وتشریح:

یہاں یہ ذکر کر رہے ہیں کہ جس فعل کو عمل نہیں دیا گیا وہ اگر مفعول چاہتا ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں یا اصل کے اعتبار سے وہ مفعول خبر ہوگا (جیسے ظنّ کا مفعول ظننتُ زیدًا قائمًا میں قائمًا مفعول اصل میں خبر ہے۔ چنانچہ زیدٌ قائمٌ کہا جاتا ہے) یا نہیں اگر اصل کے اعتبار سے خبر ہے تو پہلا فعل اس مفعول کو طلب کرے گا یا دوسرا، اگر پہلا طلب کرتا ہے (اور عمل دوسرے کو دیتا ہے) تو پہلے فعل کے مفعول کو ذکر کرنا صحیح نہیں کیونکہ تکرار لازم آتا ہے اور اس میں اضمار صحیح نہیں اس لئے کہ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔ لہٰذا تیسری صورت حذف کی ہے مفعول کو حذف کریں گے۔ اس لئے کہ مفعول فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے۔ اور اضمار قبل الذکر فضلہ میں جائز نہیں جیسے "ضربت وضربنی زیدٌ" مررتُ ومرَّ بی زیدٌ اور اضمار صحیح نہیں چنانچہ "ضربت وضربنی زیدٌ" "مررتُ به ومرّ بی زیدٌ" کہنا غلط ہے۔

بعض مرتبہ شعر میں اس کا جواز آیا ہے جیسے شاعر کا قول ہے۔

۱۶۰-إذا کُنتُ تُرضِیه ویُرضِیکَ صاحِبٌ
جِهَارًا فکُنْ فی الغیبِ احفظَ لِلْعَهْدِ
وَالْغِ أحادیثَ الوُشَاةِ، فقَلَّمَا
یُحَاوِلُ وَاشٍ غیرَ هجرانِ ذی وُدِّ

ترجمہ:...... جب آپ اپنے ساتھی کو آمنے سامنے پسند کرتے ہیں اور وہ آپ کو پسند کرتا ہے تو عدم موجودگی میں آپ عہد وپیماں کی زیادہ حفاظت کرنے والے ہوجائیں اور چغلخوروں کی باتوں کو چھوڑ دیں اس لئے کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ چغلخور محبت والے کی جدائی کے علاوہ کا قصد کرتا ہو (یعنی چغلخوروں کا زیادہ تر قصد یہ ہوتا ہے کہ وہ محبت والوں کو جدا کرتے ہیں اس کے برعکس بہت کم ہی ہوا کرتا ہے اس لئے آپ چغلخوروں کی باتوں میں نہ آئیں)

تشریح المفردات:

(ترضی) أرضی یرضی ارضاءً باب افعال سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ (جھارًا) آمنے سامنے کہا جاتا ہے لقیتہ جھارًا میں نے اس سے منہ در منہ ملاقات کی (الغیب) غائب و پوشیدہ چیز (احادیث) جمع ہے حدیث کی بات کو کہتے ہیں (الوشاۃ) واشٍ کی جمع ہے جیسے قضاۃ قاضٍ کی جمع ہے اس آدمی کو کہتے جو لوگوں کے درمیان فساد کی کوشش کرتا ہو یعنی چغلخوری کرتا ہو (قلّما) قلّ فعل ماضی ہے اس کا فاعل نہیں ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ماحرف زائدہ آیا ہے اور اس نے اس کے عمل کو روکا ہے اسی وجہ سے اس کو کافہ بھی کہتے ہیں "لانھا کفتھا عن العمل" اور خود یہ فاعل کے عوض ہوا، (قلّما) سے مقصود نفی ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ما مصدریہ ہے اس کا مابعد بتاویل مصدر ہو کر اس کا فاعل ہے ای قلّ محاولۃ (یحاول) باب مفاعلہ سے واحد مذکر غائب مضارع معلوم کا صیغہ ہے بمعنی قصد کرنا، کوشش کرنا، محاولۃ اصل کے اعتبار سے حیلہ کے ذریعہ کسی چیز کے ارادہ کرنے کو کہتے ہیں۔ (ھجران) جدائی قطع تعلق (ودّ) واؤ کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بمعنی محبت۔

محل استشہاد:

(ترضیہ ویرضیک صاحب) محل استشہاد ہے یہاں صاحبٌ میں تُرضِی اور یُرضِی دونوں فعلوں نے تنازع کیا ہے پہلا فعل اس کو اپنے لئے مفعول اور دوسرا اس کو فاعل بنانا چاہتا ہے شاعر نے یہاں دوسرے فعل کو عمل دیا ہے اور پہلے کے مفعول کیلئے (ہ) ضمیر کو لایا جو جمہور کے مسلک کے خلاف ہے، جمہور کے نزدیک اس کا حذف کرنا صحیح تھا اس لئے کہ یہ مفعول ہے اور مفعول فضلہ ہوتا ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے مفعول کیلئے ضمیر لانے کی صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو جائز نہیں صرف فاعل میں اضمار قبل الذکر بشرط تفسیر جائز ہے جس کی تفصیل گذر گئی۔ اس شعر کا جواب جمہور کی طرف سے یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ شاذ ہے۔

وان کان الطالب لہ ھو الثانی الخ:

اگر اس مفعول کو دوسرا فعل طلب کرتا ہے (اور عمل پہلے فعل کو دینا ہے) تو اس صورت میں دوسرے فعل کو ضمیر میں عمل دینا ضروری ہے اور حذف صحیح نہیں۔

چنانچہ ضربنی و ضربته زیدٌ کہا جائے گا اور ضربنی و ضربت زیدٌ صحیح نہیں بعض حضرات یہاں بھی یہ فرماتے ہیں کہ مفعول کی ضمیر حذف کرنے میں کوئی حرج نہیں بایں وجہ کہ یہ فضلہ ہے اور فضلہ کو ذکر کرنا واجب نہیں۔

کبھی شعر میں اس کا جواز بھی آیا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۶۱ - بِعُکَاظَ یُعْشِی النَّاظِرِیْنَ

اِذَاهُمْ لَمَحُوْا شُعَاعُه

ترجمہ:...... عکاظ بازار میں دیکھنے والوں کی بینائی کو اسلحوں کی شعاعیں کمزور کرتی تھیں جب وہ ان کی طرف دیکھتے (شاعر اپنی قوم کی بہادری اور ان کے زیادہ اسلحوں کی چمک دمک کی تعریف کر رہی ہے۔)

تشریح المفردات:

(عکاظ) مکہ مکرمہ کے قریب ایام جاہلیت میں بازار لگتا تھا جس کا نام عکاظ تھا لوگ اس میں جمع ہو کر شعر وشاعری، عزت وشرف نسب وغیرہ میں فخر کیا کرتے تھے ذی القعدہ سے شروع ہو کر ۱۵/۲۰ دن تک یہ بازار لگتا تھا اسلام نے آکر اس کو ختم کر دیا۔ (یعشی) اعشی یعشی اعشاءً باب افعال سے نگاہ کو کمزور کر دینا، (لمحوا) جلدی سے دیکھ لینا، (شعاع) کرن اس کی جمع اشعۃ، شُعُعٌ (بضمتین) شعاع بالکسر آتی ہیں (شعاعه) میں (ہ) ضمیر سلاح (اسلحہ) کی طرف راجع ہے جو ماقبل کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے۔

محل استشہاد:

(یعشی..... لمحوا شعاعه) محل استشہاد ہے یہاں (یعشی) اور (لمحوا) دونوں فعلوں نے (شعاعه) میں تنازع کیا ہے پہلا اس کو اپنے لئے فاعل اور دوسرا اس کو اپنے لئے مفعول بنانا چاہتا ہے شاعر نے پہلے کو عمل دیا ہے اس لئے کہ شعاعه مرفوع ہے اور دوسرے کو ضمیر میں دینا چاہیے تھا ای لمحوه لیکن شاعر نے ضرورت شعریہ کی وجہ سے اس کو حذف کیا۔ جمہور کے نزدیک ضرورت کے علاوہ اس کا حذف صحیح نہیں بایں وجہ کہ بغیر کسی خاص علت کے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جبکہ ایک قوم کی رائے ہے کہ اس حالت میں بھی ضمیر کو حذف کر سکتے ہیں کیونکہ یہ ضمیر مفعول بہ واقع ہونے کی وجہ سے فضلہ ہے اور فضلہ کو ذکر کرنا واجب نہیں۔ جمہور اس طرح کے اشعار کا جواب دیتے ہیں کہ یہ شاذ ہیں۔ واللہ اعلم

هذا كله الخ:

یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب مفعول بہ اصل کے اعتبار سے عمدہ نہ ہو (یعنی خبر نہ ہو) اگر عمدہ ہو تو اگر پہلا فعل اس کو چاہے گا (اور عمل دوسرے کو دیتا ہے) تو اس کو بعد میں مضمر لانا واجب ہے اس لئے کہ ظنّ کے مفعول کا حذف جائز نہیں فتقول ظنّنی و ظننت زیدًا قائمًا ایّاہ اور اگر اس کو دوسرا فعل طلب کرتا ہے (اور عمل پہلے کو دیتا ہے) تو دوسرے کے مفعول کو آپ مضمر لائیں متصل ہو یا منفصل جیسے ظننت وظننیه زیدا قائما، ظننت وظنّنی ایاہ زیدا قائما دونوں شعروں کا مطلب یہ ہوا کہ جب پہلے فعل کو آپ مہمل بنائیں گے یعنی اس کو عمل نہیں دیں گے تو اس صورت میں اس کے ساتھ آپ غیر مرفوع (یعنی منصوب یا مجرور) کی ضمیر نہیں لائیں گے۔ چنانچہ ضربته و ضربنی زید، مررت به ومرّ بی زید صحیح نہیں بلکہ حذف ضروری ہے ہاں اگر مفعول اصل کے اعتبار سے خبر ہو تو اس کا حذف جائز نہیں بلکہ اس کو مؤخر لانا ضروری ہے، جیسے ظننی و ظننتُ زیدًا قائمًا ایّاہ۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دوسرے فعل کے ساتھ مطلقاً ضمیر کو لایا جائے گا۔ مرفوع واقع ہو یا منصوب یا مجرور، اصل کے اعتبار سے عمدہ ہو یا نہ ہو۔

(مزید وضاحت کیلئے ہدایۃ النحو بھی دیکھی جاسکتی ہے)

وَاظْهِرْ اِنْ يَكُنْ ضَمِيرٌ خبرا
لِغَيْرِ مَا يُطَابِقُ المفسّرا
نحو اَظُنُّ وَيَظُنَّانِي اَخَا
زيدًا وعمرًا أخوين في الرَّخَا

ترجمہ:...... آپ فعل مہمل کی ضمیر مفعول کو ظاہر کریں اگر وہ ضمیر اصل میں خبر ہو اور مفسّر کے مطابق نہ ہو جیسے اظنّ الخ (میں زید اور عمر کو فراخی اور خوشحالی میں بھائی سمجھتا ہوں اور وہ مجھے بھائی سمجھتے ہیں)

(ش) أی: یجب أن یؤتی بمفعول الفعل المهمل ظاهرًا إذا لزم من أضماره عدم مطابقته لِمَا یفسره؛ لکونه خبرًا فی الأصل عمّا لا یطابق المفسر، کما إذا کان فی الأصل خبرًا عن مفرد ومفسره مثنی، نحو: "أظن ویظناني زیدًا وعمرًا أخوین" ف"زیدا": مفعول أول لأظن، و"عمرًا": معطوف علیه، و"أخوین": مفعول ثان لأظن، والیاء: مفعول أول لیظنان؛ فیحتاج إلی مفعول ثان؛ فلو أتیت به ضمیرًا فقلت: "أظن ویظناني إیاه زیدًا أخوین" لکان "إیاه" مطابقًا للیاء، فی أنهما مفردان، ولکن لا یطابق ما یعود علیه وهو "أخوین"؛ لأنه مفرد، و"أخوین" مثنی؛ فتفوت مطابقة المفسر للمفسر، وذلک لا یجوز، وإن قلت "أظن ویظناني إیاهما زیدًا وعمرًا أخوین" حصلت مطابقة المفسَّر للمفسِّر؛ [وذلک] لکون "إیاهما" مثنی و"أخوین" کذلک، ولکن تفوت مطابقة المفعول الثانی -الذی هو خبر فی الأصل- للمفعول الأول -الذی هو مبتدأ فی الأصل- لکون المفعول الأول مفردًا، وهو الیاء، والمفعول الثانی غیر مفرد، وهو "إیاهما"، ولا بد من مطابقة الخبر للمبتدأ، فلما تعذرت [المطابقة] مع الإضمار وجب الإظهار؛ فتقول: "أظن ویظناني أخا زیدًا وعمرًا أخوین"؛ ف"زیدًا وعمرًا أخوین": مفعولا أظن، والیاء مفعول یظنان الأول، و"أخا" مفعوله الثانی، ولا تکون المسألة -حینئذ- من باب التنازع؛ لأن کلا من العاملین عمل فی ظاهر، وهذا مذهب البصریین.

وأجاز الکوفیون الإضمار مراعًی به جانب المخبر عنه؛ فتقول: "أظن ویظناني إیاه زیدًا وعمرًا أخوین" وأجازوا أیضا الحذف، فتقول: "أظن ویظناني زیدًا وعمرًا أخوین".

ترجمہ وتشریح:

یہاں یہ بتارہے ہیں کہ اگر فعل مہمل کے مفعول کو ضمیر لانے سے مفسّر کے ساتھ مطابقت فوت ہوتی ہو تو اس صورت میں اس مفعول کو ظاہر لانا ضروری ہے مثلاً وہ اصل میں مفرد کی خبر ہو اور اس کا مفسّر تثنیہ ہو (مثال مذکور میں ایک بندہ کے متعلق خبر دی جاتی ہے کہ وہ مجھے بھائی ہونے کا خیال کرتے ہیں) اور مفسّر اخوین تثنیہ ہے) جیسے "أظنّ ویظنّاني

وعمرًا اخوین" یہاں زیدًا أظن کیلئے مفعول اول ہے اور اخوین مفعول ثانی ہے پھر (یظنّانی) میں (ی) مفعول اول ہے یہاں پہلے فعل کو عمل دیا ہے" یظنانی کیلئے مفعول ثانی کی ضرورت ہے اگر اس کو مضمر لائیں اور کہیں "اظنّ ویظنّانی ایاہ زیدًا وعمرًا اخوین" تو اس صورت میں "ایّاہ" مفعول ثانی "ی" مفعول اوّل کے مطابق ہے لیکن "اخوین" جو اس کا مفسر ہے اس کے مطابق نہیں اس لئے کہ ایاہ مفرد ہے اور اخوین تثنیہ ہے مفسَّر اور مفسِّر کے درمیان مطابقت نہیں ہوئی جو کہ جائز نہیں۔ اور اگر ایاھما کہا جائے تو مفسَّر اور مفسِّر کی مطابقت آجائے گی لیکن مفعول اوّل (جو اصل کے اعتبار سے مبتدا ہے) اور مفعول ثانی (جو اصل کے اعتبار سے خبر ہے) کی مطابقت ختم ہو جائے گی لہٰذا اظہار ضروری ہوا چنانچہ آپ "أظنّ ویظنانی أخا زیدًا وعمرًا اخوین فی الرّخا" کہینگے لیکن اس صورت میں یہ تنازع کے باب سے نہیں ہوگا اس لئے کہ ہر ایک کو اس کا معمول الگ الگ مل گیا۔

کوفیین نے اس اضمار کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے مخبر عنہ (متکلم، جو کہ مفرد ہے) کی رعایت کی ہے اگرچہ مفسَّر اور مفسِّر کی مطابقت نہیں ہے۔ اور یہاں اضمار قبل الذکر اگرچہ لفظاً ہے رتبۃً نہیں اس لئے کہ اس کے مفسر کا رتبہ پہلے ہے لکونہ معمول الاوّل اس لئے ان کے ہاں یہ صحیح ہے نیز ان کے ہاں حذف بھی جائز ہے۔

المفعول المطلق

الــمــصــدراســمُ مــاسِــوَى الــزّمَــان مِــنْ
مَــدلُــولــى الــفــعــلِ كــامــنٍ مِــنْ امِــنْ

ترجمہ:...... مصدر فعل کے دو مدلول (حدث، زمان) میں زمانہ کے علاوہ کا نام ہے
جیسے امِنَ سے امن۔

(ش) الفعل يدل على شيئين: الحدث، والزمان؛ ف"قام"يدل على قيام في زمن ماضٍ، و"يقوم"يدل على قيام في الحال أو الاستقبال، و"قم"يدل على قيام في الاستقبال، والقيام هو الحدث-وهو أحد مدلولي الفعل-وهو المصدر، وهذا معنى قوله: "ما سوى الزمان من مدلولي الفعل" - وهو المصدر، "فكأنه قال: المصدر اسم الحدث كأمن؛ فإنه أحد مدلولي أمن.

والمفعول المطلق هو: المصدر، المنتصب: توكيدً العامله، أو بياناً لنوعه، أو عدده، نحو: "ضربت ضربًا، وسرت سير زيد، وضربت ضربتين".

وسمي مفعولا مطلقا لصدق "المفعول"عليه غير مقيد بحرف جر ونحوه، بخلاف غيره من المفعولات؛ فإنه لا يقع عليه اسم المفعول إلا مقيدًا، كالمفعول به، والمفعول فيه، والمفعول معه، والمفعول له.

مفعول مطلق کی تعریف:

اس سے پہلے فاعل، نائب فاعل، تنازع فعلین کا ذکر ہوا اب منصوبات میں سے مفاعیل کو ذکر کر رہے ہیں۔
(واضح رہے کہ فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے اور مفعول ہمیشہ منصوب اس کی وجہ یہ ہے کہ فاعل صرف ایک ہوتا ہے اور رفع ثقیل ہے اور مفعول کئی ہوتے ہیں اور نصب خفیف ہے قلیل کو ثقیل اور کثیر کو خفیف حرکت دی تا کہ برابری ہو جائے، مفعولات پانچ ہیں مفعول بہ جیسے ضربتُ زیدًا مفعول مطلق جیسے: ضربتُ ضربًا، مفعول فیہ جیسے صمت یوم الجمعة، مفعول له، جیسے ضربته تادیبًا مفعول معہ جیسے "جاء البرد والجبات"

یہاں سب سے پہلے مفعول مطلق کو ذکر کررہے ہیں اسلئے کہ اس پر علی الاطلاق مفعول کا لفظ بولا جاتا ہے بخلاف باقی مفاعیل کے ان میں بہ، لہ، معہ کے ساتھ تقیید ہوتی ہے، مفعول مطلق اور مصدر کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے ضربتہ ضربًا میں دونوں جمع ہیں ضربک ضربتُ الیَمّ میں صرف مصدر ہے اور جہاں مفعول مصدر سے نائب ہوکر آتا ہے وہاں صرف مفعول ہے۔ اگر مفعول کے نائب ہونے کو غیر معتبر قرار دیا جائے اور اصل کو دیکھتے ہوئے اس کو مصدر ہی کہا جائے تو پھر اس پر مصدر کا اطلاق بھی صحیح ہے۔ بہر حال مصدر عام مطلق ہے)

مفعول مطلق یعنی مصدر کی تعریف کرتے ہوئے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مصدر فعل کے دو مفعولوں (حدث، زمان) میں زمانہ کے علاوہ کا نام ہے یعنی حدث کا نام ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ فعل دو چیزوں پر دلالت کرتا ہے حدث، زمان، چنانچہ قَامَ زمانہ ماضی کے اندر اور یقوم حال یا استقبال اور قُمْ استقبال میں قیام پر دلالت کرتا ہے اور قیام ہی حدث ہے (اور یہ حدث فعل کے دو مدلولوں میں سے ایک ہے) مفعول مطلق اس مصدر کو کہتے ہیں جو منصوب ہو اور عامل کی تاکید یا نوع کے بیان یا عدد کیلئے ہو جیسے ضربتُ ضربًا، سرتُ سیرَ زید، ضربتُ ضربتین اس کو مفعول مطلق اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس پر مفعول صادق آتا ہے حرف جر وغیرہ کی تقیید کے بغیر بخلاف دیگر مفعولات کے کہ ان پر مفعول کے نام کا اطلاق نہیں ہوتا مگر مقید جیسے مفعول بہ، مفعول فیہ، مفعول معہ، مفعول لہ۔

بمثلہ أو فعلٍ أو وَصفٍ نُصِبْ
وكونُہُ أصلاً لِھٰذین انتُخِبْ

ترجمہ:...... مصدر کے مثل سے یا فعل یا وصف سے مصدر کو نصب دیا جاتا ہے
اور مصدر کا اصل ہونا فعل اور وصف کیلئے پسندیدہ ہے۔

(ش) ینتصب المصدر بمثلہ، أی بالمصدر، نحو: "عجبت من ضربک زیدًا ضربا شدیدًا"، أو بالفعل، نحو: "ضربت زیدًا ضربًا"، أو بالوصف، نحو: "أنا ضارب زیدًا ضربًا"

ومذھب البصریین أن المصدر أصل، والفعل والوصف مشتقان منہ؛ وھذا معنی قولہ: "وكونہ أصلا لھذین انتخب" أی: المختار أن المصدر أصل لھذین، أی: الفعل، والوصف.

ومذھب الكوفیین أن الفعل أصل، والمصدر مشتق منہ.

وذهب قوم إلى أن المصدر أصل، والفعل مُشتقٌ منه والوصف مُشتقٌ من الفعل وذهب ابن طلحة إلى أن كلًّا من المصدر والفعل أصل برأسه، وليس أحدهما مشتقًا من الآخر.

والصحيح المذهب الأول، لأن كل فرع يتضمن الأصل وزيادة، والفعل والوصف بالنسبة إلى المصدر كذلك؛ لأن كلا منهما يدل على المصدر وزيادة؛ فالفعل يدل على المصدر والزمان، والوصف يدل على المصدر والفاعل.

ترجمہ وتشریح:

مصدر کو نصب دینے والا عامل کونسا ہے اس کو یہاں بتا رہے ہیں، مصدر کو نصب دیا جاتا ہے مصدر سے جیسے عجبتُ مِنْ ضربک زیدًا ضربًا شدیدًا، یا فعل سے (فعل کیلئے بھی ضروری ہے کہ وہ متصرف اور تام ہو اور ایسا فعل نہ ہو جس میں الغاء ہوتا ہو۔ مثلاً ظــــنّ وغیرہ جب مفعولوں کے درمیان آ جائے ورنہ وہ مفعول مطلق کو نصب نہیں دے گا۔ جیسے ضربتُ زیدًا ضربًا۔ نیز مفعول مطلق کو نصب دیا جاتا ہے وصف سے (وصف کیلئے دو شرطیں ہیں متصرف ہو، اسم فاعل اسم مفعول یا مبالغہ کا صیغہ ہو) جیسے انا ضاربٌ زیدًا ضربًا۔

مصدر اصل ہے یا فعل؟

۱:......بصریین کا مسلک یہ ہے کہ مصدر اصل ہے اور فعل اور وصف ان سے مشتق ہیں و کونہ اصلاً الخ کا یہی مطلب ہے۔

۲:......کوفیین کا مسلک یہ ہے کہ فعل اصل ہے اور مصدر اس سے مشتق ہے اس لئے کہ فعل مصدر میں عمل کرتا ہے اور اس میں اثر کرتا ہے۔ اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ حرف بھی اسم پر داخل ہو کر اس میں اثر کرتا ہے۔ حالانکہ حرف اسم کیلئے اصل نہیں۔

۳:......بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مصدر اصل ہے اور فعل اس سے مشتق ہے پھر وصف فعل سے مشتق ہے گویا وصف فرع الفرع ہے۔

۴:......ابن طلحہ متوفی ۶۱۸ھ (جو زمخشری کے شیخ ہیں) فرماتے ہیں کہ مصدر اور فعل دونوں اصل ہیں اور ایک دوسرے سے مشتق نہیں۔

شارح فرماتے ہیں کہ صحیح پہلا مسلک ہے کہ مصدر ہی اصل ہے اس لئے کہ ہر فرع متضمن ہوتا ہے اصل کو اور زائد چیز کو یہاں بھی اسی طرح ہے چنانچہ فعل دلالت کرتا ہے مصدر اور زمان پر اور وصف دلالت کرتا ہے مصدر اور فاعل پر۔ ولکلٍّ وجه. واللہ اعلم۔

توكيدًا أو نوعًا يُبِينُ أوْ عَدَدْ
كَسِرْتُ سَيْرَتَيْنِ سَيْرَ ذِى رَشَدْ

ترجمہ:......تاکید یا نوع یا عدد کو مصدر بیان کرتا ہے جیسے سِرْتُ الخ (سیرتین عدد اور سیر ذی رشد نوع کی مثال ہے، میں دو دفعہ چلا ہدایت والے کی چال کی طرح)۔

(ش) المفعول المطلق يقع على ثلاثة أحوال كما تقدم:

أحدها: أن يكون مؤكدًا، نحو: "ضربت ضربًا"

الثاني: أن يكون مبينًا للنوع، نحو: "سرت سير ذى رشد" و"سرت سيرًا حسنًا"

الثالث: أن يكون مبينًا للعدد، نحو "ضربت ضربة، وضربتين، وضربات".

ترجمہ وتشریح:

مفعول مطلق کی تین حالتیں:

پہلے بھی گزر گیا ہے کہ مفعول مطلق کی تین حالتیں ہیں۔ (۱) تاکید کیلئے ہو۔ جیسے ضربتُ ضربًا (۲) نوع کو بیان کرتا ہو جیسے سِرْتُ سَيْرَ ذی رشد الخ (۳) عدد کو بیان کرنے والا ہو جیسے "ضربتُ ضربةً ضربتين، ضربَاتٍ"۔

وَقَدْ يَنُوبُ عَنْهُ مَا عَلَيْهِ دَلّ
كَجِدَّ كُلَّ الْجِدِّ، وَافْرَحِ الْجَذَلْ

ترجمہ:......اور کبھی مفعول مطلق سے نائب ہوکر آتی ہے وہ چیز جو اس پر دلالت کرے جیسے جد الخ (بھرپور کوشش کر، خوب خوش ہو جا)

(ش) قد ينوب عن المصدر ما يدل عليه، ككل وبعض مضافين إلى المصدر، نحو: "جد كل الجد"، وكقوله تعالى: ﴿فلا تميلوا كل الميل﴾ و"ضربته بعض الضرب"

وكالمصدر المرادف لمصدر الفعل المذكور، نحو: "قعدت جلوسًا، وافرح الجذل" فالجلوس: نائب مناب القعود لمرادفته له، والجذل: نائب مناب الفرح لمرادفته له.

وكذلك ينوب مناب المصدر اسم الإشارة، نحو: "ضربته ذلك الضرب" وزعم بعضهم أنه إذا ناب اسم الإشارة مناب المصدر فلا بد من وصفه بالمصدر، كما مثّلنا، وفيه نظر؛ فمن أمثلة سيبويه "ظننت ذاك" أي: ظننت ذاك الظنّ، فذاك إشارة إلى الظن، ولم يوصف به.

وينوب عن المصدر -أيضًا- ضميره، نحو: "ضربته زيدًا" أي: ضربت الضرب ومنه قوله تعالىٰ: ﴿لا أعذبه أحدًا من العالمين﴾ أي: لا أعذب العذاب.

وعدده، نحو: "ضربته [عشرين] ضربة" ومنه قوله تعالىٰ: ﴿فاجلدوهم ثمانين جلدة﴾

والآلة، نحو: "ضربته سوطًا" والأصل: ضربته ضرب سوط، فحذف المضاف وأقيم المضاف إليه مقامه، والله تعالىٰ أعلم.

ترجمہ وتشریح:

مفعول مطلق سے نائب ہونے والی چیزیں:

کبھی کبھار مصدر یعنی مفعول مطلق سے وہ چیز نائب ہو کر آتی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے جیسے " کلّ " اور بعض "، جب وہ مصدر کی طرف مضاف ہوں جیسے "جدّ کلّ الجدّ" اور باری تعالیٰ کا یہ قول فَلا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيل ضربته بعض الضرب۔

اسی طرح وہ مصدر بھی نائب ہو کر آتا ہے جو فعل مذکور کے مصدر کا مرادف ہو جیسے قَعَدْتُ جلوسًا، افرح الجذل 'یہاں جلوس' قعود کے قائم مقام ہے اور جذل 'فرح کا ہے اسلئے کہ یہ دوسرے کے مرادف ہیں (الفاظ الگ ہیں اور معنی ایک ہیں)

اسی طرح مصدر کے قائم مقام اسم اشارہ بھی آتا ہے جیسے ضربته ذالک الضرب ۔ بعض حضرات کا زعم ہے کہ جب اسم اشارہ مصدر کے قائم مقام آتا ہے تو اس صورت میں اس کو مصدر سے موصوف کرنا ضروری ہے یعنی مصدر کو اس کیلئے صفت لایا جائے گا۔ (شارح فرماتے ہیں) لیکن اس میں نظر ہے اس لئے کہ سیبویہ رحمہ اللہ کی ذکر کردہ مثالوں

ظننتُ ذاکَ ای ظننتُ ذاک الظنَّ بھی آیا ہے۔ چنانچہ ذاک میں ظنّ کی طرف اشارہ ہے جبکہ وہ کسی شیٔ سے موصوف نہیں، نیز مصدر سے اس کی ضمیر بھی نائب ہوکر آتی ہے جیسے ضربته زیدًا ای ضربتُ الضرب اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے "لاأعذّبه اَحَدًا من العالمين ای "لااعذّبُ العَذابَ"

عدد بھی نائب ہوکر آتا ہے جیسے ضربته (عشرين) ضربةً اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "فاجلدوهم ثمانين جلدة" یہاں بھی عدد نائب ہوکر آیا ہے۔ آلہ بھی نائب ہوتا ہے جیسے "ضربته سوطًا" مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام بنایا۔ واللہ اعلم۔

وَمَا لتوكيدٍ فَوَحِّدْ اَبَدًا
وَثَنِّ وَاجْمَعْ غيرَهُ وَاَفْرِدَا

ترجمہ:...... جو مصدر تاکید کیلئے ہو اس کو ہمیشہ کیلئے مفرد لائیں اور اس کے علاوہ (یعنی نوع، یا عدد) کو تثنیہ جمع لائیں یا مفرد۔

(ش) لايجوز تثنية المصدر المؤكد لعامله، ولا جمعه، بل يجب إفراده، فتقول "ضربت ضربًا"، وذلك لأنه بمثابة تكرر الفعل، والفعل لا يثنى ولا يجمع.

وأما غير المؤكد -وهو المبين للعدد، والنوع- فذكر المصنف أنه يجوز تثنيته وجمعه.

فأما المبين للعدد فلا خلاف في جواز تثنيته وجمعه، نحو: "ضربت ضربتين وضربات"

[وأما المبين للنوع فالمشهور أنه يجوز تثنيته وجمعه، إذا اختلفت أنواعه، نحو: "سرت سيرى زيد الحسن والقبيح]

وظاهر كلام سيبويه أنه لايجوز تثنيته ولا جمعه قياسًا، بل يقتصر فيه على السماع، وهذا اختيار الشلوبين.

ترجمہ وتشریح:

مصدر مؤکد صرف مفرد ہوگا:

جو مصدر مؤکد للعامل ہو اس کا تثنیہ جمع جائز نہیں بلکہ اس کا مفرد ہونا واجب ہے جیسے "ضربتُ ضربًا" اس کی وجہ

یہ ہے کہ مفعول مطلق بمنزلہ تکرار فعل ہے اور فعل تثنیہ جمع نہیں ہوتا۔

اور جو مبیّن للعدد یا للنوع ہو تو اس کا تثنیہ جمع جائز ہے۔

مبیّن للعدد کے تثنیہ جمع بنانے کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جیسے ضربتُ ضربتین ، ضرباتٍ .

مبیّن للنوع کے بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ مختلف انواع ہونے کی صورت میں اس کا تثنیہ جمع بنانا جائز ہے جیسے سِرتُ سَیْرَی زیدالحسنَ و القبیح (یہاں دو قسم کی رفتار حسن اور قبیح ہونے کی وجہ سے تثنیہ آیا ہے) اور سیبویہ رحمہ اللہ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ قیاسًا اس کا تثنیہ جمع جائز نہیں بلکہ سماع پر موقوف ہے شلوبین رحمہ اللہ کا مختار مسلک بھی یہی ہے۔

وَحَذْفُ عَامِلِ الْمُؤَكِّدِ امْتَنَعْ

وَفِي سِوَاهُ لِدَلِيلٍ مُتَّسَعْ

ترجمہ:...... تاکید والے مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا منع ہے اور اس کے علاوہ (نوع اور عدد والے) میں دلیل کی وجہ سے حذف کی گنجائش ہے۔

(ش) المصدرالمؤكد لايجوزحذف عامله؛لأنه مسوق لتقرير عامله وتقويته،والحذف منافٍ لذلک.

وأماغيرالمؤكدفيحذف عامله للدلالة عليه:جوازًا،ووجوبًا.

فالمحذوف جوازًا، كقولک: "سيرَ زيدٍ"لمن قال: "أي سير سرت" وضربتين" لمن قال: "كم ضربت زيدًا؟"والتقدير: "سرت سيرزيد،وضربته ضربتين"

وقول ابن المصنف:إن قوله:"وحذف عامل المؤكد امتنع" سهو منه؛ لأن قولک "ضربًازيدًا"مصدرمؤكد،وعامله محذوف وجوبًا-كماسيأتي ليس بصحيح،وماستدل به على دعواه من وجوب حذف عامل المؤكد[بما سيأتي]ليس منه،وذلک لأن"ضربًازيدًا"ليس من التاكيد في شئ بل هوامرٌخالٍ من التاكيدبمثابة "اضرب زيدًا"لأنه واقع موقعه،فكماأن"اضرب زيدًا" لاتاكيد فيه، كذلک:"ضربًازيدًا"،وكذلک جميع الأمثلة التي ذكرهاليست من التاكيد في شئ؛لأن المصدرفيهانائب مناب العامل،دال على مايدل عليه،وهوعوض منه،و

على ذلك عدم جواز الجمع بينهما، ولا شئ من المؤكدات يمتنع الجمع بينها وبين المؤكد.

وممايدل أيضا على أن "ضربًا زيدًا" ونحوه ليس من المصدر المؤكد لعامله أن المصدر المؤكد لاخلاف في أنه لا يعمل، واختلفوا في المصدر الواقع موقع الفعل: هل يعمل أو لا؟ والصحيح أنه يعمل، ف"زيدًا" في قولك: "ضربًا زيدًا" منصوب ب"ضربًا" على الأصح، وقيل: منصوب بالفعل المحذوف، وهو: "اضرب"، فعلى القول الاوّل ناب "ضربًا" عن "اضرب" في الدلالة على معناه وفي العمل، وعلى القول الثاني ناب عنه في الدلالة على المعنى دون العمل.

ترجمہ وتشریح:

مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا:

تاکید والے مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا جائز نہیں ہے اسلئے کہ یہ عامل کی تاکید اور اس کو ثابت کرنے کیلئے آتا ہے حذف کی صورت میں یہ مقصد فوت ہوجاتا ہے اور غیر مؤکد میں قرینہ اور دلالت کی وجہ سے عامل کو حذف کرنا جائز ہے اور بعض جگہوں میں واجب بھی ہے۔

جوازًا محذوف کی مثال" سَیرَ زَیدٍ" ای سِرتَ سَیرَ زَیدٍ کے جواب میں چونکہ سوال میں عامل سِرتُ ذکر ہے اس وجہ سے جواب میں اس کو حذف کر سکتے ہیں "وَضَربتین" لمن قال کَمْ ضربتَ زیدًا" والتقدير سِرتُ سَيرَ زيدٍ، وَضربتُه ضربتين.

وقول ابن المصنف الخ:

شارح نے یہاں مصنفؒ پر ان کے بیٹے کے اعتراض کو نقل کر کے ردّ کیا ہے۔

مصنفؒ کے بیٹے نے کہا ہے کہ والد صاحب سے "وحذف عامل المؤكد امتنع" کہنے میں سہو ہوا ہے اس لئے کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ مؤکد مصدر کے عامل کو حذف کرنا ممنوع ہے حالانکہ "ضربًا زیدًا" تاکید والا مصدر ہے اس کے باوجود اس کا عامل وجوبًا محذوف ہے، شارح فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کے بیٹے کا یہ کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ ضربًا زیدًا تاکید کے باب سے نہیں بلکہ وہ ایک مستقل قسم ہے (اس لئے کہ مفعول مطلق تاکیدی بھی ہوتا ہے نوعی اور عددی بھی، اور وہ بھی ہوتا ہے جو اپنے فعل سے نائب ہو کر آتا ہے) اضرِبْ زیدًا کے قائم مقام ہے۔ پس جس طرح اضربْ زیدًا

میں تاکید نہیں اسی طرح ضربًا زیدًا میں بھی نہیں۔

اسی طرح دیگر مثالیں جو مصنفؒ کے بیٹے نے ذکر کی ہیں یہ سب تاکید کے باب سے نہیں اسلئے کہ ان میں مصدر عامل (فعل) کی جگہ قائم ہے اور فعل جس پر دلالت کرتا ہے اس پر مصدر بھی کرتا ہے الغرض یہ فعل کے عوض ہے یہی وجہ ہے کہ اس عامل اور مصدر میں جمع جائز نہیں۔ چنانچہ "اضربْ ضربًا زیدًا" نہیں کہا جاتا حالانکہ مؤکدات میں مؤکَّد اور مؤکِّد کے درمیان جمع ممتنع نہیں یعنی جائز ہے دوسری دلیل پیش کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ ایک قرینہ اس پر یہ بھی ہے کہ تاکید والے مصدر میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ یہ عمل نہیں کرتا اور جو مصدر فعل کی جگہ قائم ہے اس میں اختلاف ہے کہ عمل کرتا ہے یا نہیں؟ صحیح قول کے مطابق عمل کرتا ہے۔ چنانچہ "ضربًا زیدًا" میں زیدًا ضربًا کی وجہ سے منصوب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ فعل محذوف (اضربْ) کی وجہ سے منصوب ہے پہلے قول کے مطابق مصدر معنی پر دلالت کرنے اور عمل دونوں میں فعل کے نائب ہے اور دوسرے کے مطابق صرف معنی پر دلالت کرنے میں فعل کا نائب ہے۔ اگر ضربًا زیدًا میں تاکید ہوتی تو عمل وغیرہ میں کسی کا اختلاف نہ ہوتا" إذ لَيْسَ فَلَيْسَ"

وَالْحَذْفُ حَتْمٌ مَعَ آتٍ بَدَلاً

مِنْ فِعْلِهِ كَنَدْلاً اللَّذْ كَانْدُلاَ

ترجمہ:...... اور عامل کا حذف کرنا یقینی ہے اس مصدر کے ساتھ جو اپنے فعل سے بدل ہو کر آئے جیسے نَدْلاً جو اُنْدُلْ فعل کی طرح ہے (ندلاً مثال کی پوری تشریح شرح میں آرہی ہے)

(ش) يحذف عامل المصدر وجوبًا في مواضع:

منها: إذا وقع المصدر بدلا من فعله، وهو مقيس في الأمر والنهي، نحو: " قيامًا لا قعودًا" أي [قيامًا] ولا تقعد [قعودًا]، والدعاء، نحو: "سقيًا لك" أي: سقاك الله.

وكذلك: يحذف عامل المصدر وجوبا إذا وقع المصدر بعد الاستفهام المقصود به التوبيخ، نحو: "أتوانيًا وقد علاك المشيبُ؟" أي: أتتواني وقد علاك.

ويقل حذف عامل المصدر وإقامة المصدر مقامه في الفعل المقصود به الخبر، نحو: "أفعلُ وكرامة" أي: وأكرمك.

فالمصدر في هذه الأمثلة ونحوها منصوب بفعل محذوف وجوبًا، والمصدر نائب منابه في الدلالة على معناه.

وأشار بقوله: "كندلا" إلى ما أنشده سيبويه، وهو قول الشاعر:

۱٦٢ - يَمُرُّونَ بِالدَّهْنَا خِفَافًا عِيَابُهُمْ
وَيَرْجِعْنَ مِنْ دَارِينَ بُجْرَ الحَقَائِبِ
عَلَى حِينَ أَلْهَى النَّاسَ جُلُّ أُمُورِهِم
فَنَدْلاً زُرَيْقُ المَالَ نَدْلَ الثَّعَالِبِ

ف"ندلا" نائب مناب فعل الأمر، وهو اندل، والندل: خطف الشيء بسرعة، و"زريق" منادى، والتقدير: ندلًا يا زريق [المال]، وزريق اسم رجل، وأجاز المصنف أن يكون مرفوعا بندلا، وفيه نظر؛ لأنه إن جعل "ندلا" نائبًا مناب فعل الأمر للمخاطب، والتقدير "اندل" لم يصح أن يكون مرفوعًا به، لأن فعل الأمر إذا كان للمخاطب لا يرفع ظاهرًا، فكذلك ما ناب منابه، وإن جعل نائبًا مناب فعل الأمر للغائب، والتقدير: "ليندل" صح أن يكون مرفوعًا به، لكن المنقول أن المصدر لا ينوب مناب فعل الأمر للغائب، وإنما ينوب مناب فعل الأمر للمخاطب، نحو: "ضربًا زيدًا" أي: اضرب زيدًا، والله أعلم.

جہاں مصدر کے عامل کو حذف کرنا ضروری ہے:

چند جگہیں ایسی ہیں جہاں مصدر کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔

(۱) جب مصدر فعل سے بدل ہو کر آئے (اور یہ امر ونہی اور دعا میں قیاسی ہے) تو وہاں عامل کو وجوبًا حذف کیا جائے گا جیسے

قيامًا لا قعودًا اي قم قيامًا ولا تقعد قعودًا۔

دعا کی مثال جیسے "سقيًا لک اي سقاک الله .

(۲) مصدر کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے جب مصدر ایسے استفہام کے بعد واقع ہو جس سے توبیخ مقصود ہو جیسے أتوانيًا وَقَدْ علاکَ المشيب" اي أتتواني الخ (کیا آپ اب بھی سستی کر رہے ہیں حالانکہ آپ پر بڑھاپا آ گیا ہے)

اور جس فعل سے خبر دینا مقصود ہو اس میں عامل کو حذف کرکے مصدر کو قائم مقام بنانا قلیل ہے جیسے افعل وکرامةً" ای واکرمک" ان مثالوں میں مصدر فعل محذوف (وجوبًا) کی وجہ سے منصوب ہے۔

وأشارَ بقوله کندلاً الخ:

"کَنْدَلًا" کہہ کر مصنفؒ نے سیبویہ رحمہ اللہ کے پیش کردہ شعر کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۶۲- یَمُرُّوْنَ بالدهنا خِفافًا عِيابُهُمْ
وَيَرْجِعْنَ مِنْ دارِينَ بُجْرَ الحَقائبِ
عَلى حِينَ أَلْهَى النَّاسَ جُلُّ أُمُورِهِم
فَنَدْلًا زُرَيقُ المَالَ نَدْلَ الثَّعالِبِ

ترجمہ:...... یہ چور لوگ دھناء نامی مقام سے گزرتے ہیں اس حال میں کہ ان کے تھیلے ہلکے اور خالی ہوتے ہیں اور دارین مقام سے لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کے تھیلے بھرے ہوتے ہیں (اور یہ چوری ایسے وقت پر کرتے ہیں) جب لوگوں کو ان کے بڑے کاموں نے غافل کیا ہوتا ہے (تو ایک دوسرے سے) کہتے ہیں اچک لے اے زریق مال کو جیسے کہ لومڑیاں بے خبری میں کرتی ہیں۔

تشریح المفردات:

یہ اعشیٰ شاعر کا قول ہے اس میں وہ چوروں کی مذمت بیان کررہے ہیں) (یَمُرُّوْنَ) نصر سے جمع مذکر غائب، چوروں کی طرف اشارہ ہے (الدهناء) نجد میں واقع بنوتمیم کا علاقہ ہے مدّ کے ساتھ بھی ہے اور بغیر مدّ کے بھی آتا ہے۔ یہاں بغیر مدّ کے ہے۔ (خفافًا) خفیف کی جمع ہے ہلکے پھلکے قرآن کریم میں ہے "انفروا خفافًا وثقالاً" (عیاب) عیبة کی جمع ہے وہ تھیلا جس میں کپڑا یا کوئی اور توشہ رکھا جاتا ہے۔ (یرجعن) میں جمع مؤنث کی ضمیر لصوص (چوروں) کی طرف بتاویل جماعة" کے راجع ہے یا چوروں کو عورتوں کے ساتھ حقارت کی وجہ سے مشابہت دینے کیلئے مؤنث کا صیغہ لایا گیا، یا یہ کہ جمع مؤنث کا نون مذکر میں بھی مجازًا استعمال ہوتا ہے (دارین) بحرین میں ایک جگہ ہے جہاں ہندوستانی مشک کو بیچا جاتا ہے (بجر) بجراء کی جمع ہے جیسے حمر حمراء بمعنی بھرا ہوا (الحقائب)

حقیبة کی جمع ہے عیاب اور حقائب ایک ہیں (جلّ) ہر چیز کا بڑا حصہ جُلّ کل شیء ای معظمه (فندلا) ای فیقولون ندلاً۔

محل استشہاد:

(ندلاً) محل استشہاد ہے اس کے عامل "اندل" کو وجوباً حذف کیا گیا ہے اس لئے کہ مصدر اس کے قائم مقام ہے۔ اور زریق منادیٰ ہے تقدیر عبارت ہے نَدْلاً یازُرَیقُ المالَ"

قوله وأجاز الخ:

مصنفؒ نے جائز قرار دیا ہے کہ زریق، ندلاً کی وجہ سے مرفوع ہو (شارح فرماتے ہیں) لیکن اس میں نظر ہے اسلئے کہ اگر ندلاً فعل امر مخاطب کی وجہ سے مرفوع ہے اور تقدیر عبارت اندل ہے تو پھر اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں اس لئے کہ فعل امر مخاطب اسم ظاہر کو رفع نہیں دیتا لہذا اس کا نائب بھی نہیں دے گا، اور اگر فعل امر غائب کی وجہ سے مرفوع ہے تو صحیح ہے لیکن منقول یہ ہے کہ مصدر فعل امر غائب کے قائم مقام آتا ہی نہیں بلکہ فعل امر مخاطب کے قائم مقام ہوتا ہے جیسے "ضربًا زیدًا" ای اضربْ زیدًا"

وَمَـــا لِتَـــفْـــصِـــيـــلٍ كَـــإِمَّـــا مَـــنًّـــا
عَـــامِـــلُـــهُ يُـــحْـــذَفُ حَـــيْـــثُ عَـــنَّـــا

ترجمہ:...... جو مصدر تفصیل کیلئے ہو جیسے امّا منّاً (قرآن کریم کی آیت کی طرف اشارہ ہے) تو اس کے عامل کو حذف کیا جاتا ہے جہاں آجائے۔ (عــنَّ ای عرَضَ)

(ش) يحذف أيضاً عامل المصدر وجوبًا إذا وقع تفصيلا لعاقبة ما تقدمه، كقوله تعالى ﴿حتّٰى إذا أثخنتموهم فشدوا الوثاق فإما منًّا بعدُ وإما فداءً﴾ فمنًّا، وفداءً مصدران منصوبان بفعل محذوف وجوبا، والتقدير — والله أعلم — فإما تمنون منا، وإما تفدون فداءً، وهذا معنى قوله: "وما لتفصيل — إلى آخره" أي يحذف عامل المصدر المسوق للتفصيل، حيث عن، أي: عرض،

ترجمہ وتشریح:

مصدر کے عامل کو وجوباً حذف کیا جائے گا جب وہ ماقبل کی تفصیل واقع ہو جیسے "حتّٰی إذا أثخنتُموھُم فشُدوا الوثاق فامّامَنًّا بَعْدُ وَإمّا فِداءً" آیت کریمہ میں "منًّا" اور "فداءً" دونوں مصدر فعل محذوف کے ساتھ منصوب ہیں ای تمنون منًّا وإمّا تفدون فداء، (ومالتفصیل الخ) سے مصنفؒ کی یہی مراد ہے۔

كَــذَا مُــكَــرَّرٌ وَذُو حَــصْــرٍ وَرَد
نَــائِــبَ فِــعْــلٍ لاسْــمِ عَيْــنٍ اسْتَــنَــد

ترجمہ:......اسی طرح (اس مصدر کا عامل بھی محذوف ہوگا) جو مکرر آئے یا حصر والا آئے اس حال میں کہ وہ ایسے فعل کے قائم مقام ہو جو اسم ذات کی طرف مسند ہو۔

(ش) أی: كذلك يحذف عامل المصدر وجوبًا، إذا ناب المصدر عن فعل استند لاسم عين -أی اخبر به عنه- وكان المصدر مكررًا أو محصورًا، فمثال المكرر: "زيد سيرًا سيرًا" والتقدير: زيد يسير سيرًا، فحذف "يسير" وجوبًا لقيام التكرير مقامه، ومثال المحصور: "ما زيد إلا سيرًا"، و"إنّما زيد سيرًا" والتقدير: إلا يسير سيرًا، فحذف "يسير" وجوبًا لما في الحصر من التأكيد القائم مقام التكرير.

فإن لم يكرر ولم يحصر لم يجب الحذف، نحو: "زيد سيرًا" التقدير: زيد يسير سيرًا، فإن شئت حذفت "يسير" وإن شئت صرّحت به، والله أعلم.

ترجمہ وتشریح:

اس مصدر کے عامل کو بھی وجوباً حذف کیا جاتا ہے جو مصدر نائب ہو کر آئے ایسے فعل سے جو اسم ذات کی طرف مسند ہو۔ یعنی اس فعل کے ذریعے اسم ذات سے خبر دی گئی ہو اور مصدر مکرر یا محصور ہو۔ مکرر کی مثال "زید سَیْرًا سَیْرًا" یہاں تقدیر عبارت "زید یسیر سیرًا" تھی یسیر کو حذف کیا وجوبًا اس لئے کہ تکریر اس کے قائم مقام ہے۔ یہاں مصدر خبر واقع ہے زید سے (جو کہ اسم ذات ہے)

محصور کی مثال ما زیدٌ الا سیرًا، انّما زیدٌ سیرًا ہے والتقدیر الا یسیر سیرًا، یسیر کو حذف کیا اس لئے کہ حصر میں تاکید ہوتی ہے جو تکریر کے قائم مقام ہے۔

اگر مصدر مکرّر اور محصور نہ ہو تو حذف واجب نہیں جیسے "زیدٌ سیرًا" ای یَسِیْرُ سَیرًا" آپ یَسِیْرُ کو حذف بھی کر سکتے ہیں اور ذکر بھی کر سکتے ہیں۔

وَمِنْهُ مَا يَدْعُونَهُ مُؤَكِّدَا
لِنَفْسِهِ، أوْ غَيْرِهِ، فَالْمُبْتَدَا
نَحْوُ لَهُ عَلَيَّ ألفٌ عُرْفَا
وَالثَّانِ كَـ" ابْنِي أنتَ حَقًّا صِرْفَا

ترجمہ:...... مصدر میں سے (جس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے) وہ بھی ہے جس کو نحوی حضرات مؤکد لنفسہ یا لغیرہ کہتے ہیں۔ پس پہلی قسم جیسے "لَهُ عَلَيَّ الفٌ عُرفًا" اور دوسری کی مثال جیسے "ابنی انتَ حقًّا صرفًا"

(ش) أي: من المصدر المحذوف عامله وجوبًا ما يسمى: المؤكد لنفسه، والمؤكد لغيره.

فالمؤكد لنفسه: الواقع بعد جملة لا تحتمل غيره، نحو: "له علي ألف [عرفًا] أي: أعترافًا، فاعترافًا: مصدر منصوب بفعل محذوف وجوبًا، والتقدير: "أعترِفُ اعترافًا، ويسمى مؤكدًا لنفسه: لأنه مؤكد للجملة قبله، وهي نفس المصدر، بمعنى أنها لا تحتمل سواه، وهذا هو المراد بقوله: "فالمبتدا" أي: فالأول من القسمين المذكورين في البيت الأول.

والمؤكد لغيره: هو الواقع بعد جملة تحتمله وتحتمل غيره؛ فتصير بذكره نصافيه، نحو: "أنت ابني حقًّا" فحقًّا مصدر منصوب بفعل محذوف وجوبًا، والتقدير: "أحقُّه حقًّا، وسمي مؤكدًا لغيره؛ لأن الجملة قبله تصلح له ولغيره؛ لأن قولك "أنت ابني" يحتمل أن يكون حقيقة، وأن يكون مجازًا على معنى: أنت عندي في الحنو بمنزلة ابني، فلما قال "حقًّا" صارت الجملة نصافي أن المراد البنوة حقيقة، فتأثرت الجملة بالمصدر؛ لأنها صارت به نصا، فكان مؤكدًا لغيره؛ لوجوب مغايرة المؤثر للمؤثر فيه.

ترجمہ وتشریح:

مؤکدلنفسہ، ومؤکّدلغیرہ کی تعریف

وہ مصدر جس کے عامل کو حذف کرنا ضروری ہے ان میں بعض کو مؤکد لنفسہ اور بعض کو مؤکدلغیرہ کہا جاتا ہے۔

مؤکد لنفسہ اس کو کہتے ہیں جو ایسے جملے کے بعد واقع ہو جو اس کے علاوہ غیر کا احتمال نہ رکھتا ہو جیسے " لهٗ علیَّ الفٌ عرفًا" (اس کے میرے اوپر ایک ہزار ہیں جس کا میں اعتراف کرتا ہوں) اعترافًا مصدر ہے اور فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت یوں ہے۔ "أعترف اعترافًا" اور اس کو مؤکد لنفسہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ پہلے جملہ کی تاکید ہے اور جملہ بعینہٖ نفس مصدر کے معنی میں ہے یعنی اعترافًا کا مطلب لهٗ علیَّ الفٌ ہی ہے یعنی ایک ہزار کا اعتراف کرنا۔(فالمعدا) سے یہی مراد ہے۔

مؤکدلغیرہ اس کو کہتے ہیں جو ایسے جملہ کے بعد واقع ہو جس میں اس جملہ کا بھی احتمال ہو اور غیر کا بھی ہو۔ جیسے "انت ابنی حقًا" حقًا مصدر منصوب ہے فعل محذوف کی وجہ سے ای احقه حقًا" اور اس کو مؤکدلغیرہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے پہلے جملہ میں اس کا بھی احتمال ہے اور غیر کا بھی اس لئے کہ انت ابنی حقًا (آپ میرے بیٹے ہیں اور میں اس کو ثابت کرتا ہوں) میں یہ بھی احتمال ہے کہ حقیقی بیٹا مراد ہو اور مجازی بیٹا بھی مراد ہو سکتا ہے معنی یہ ہوگا آپ قریب ہونے میں میرے بیٹے کی طرح ہیں جب "حقًا" کہا تو جملہ صریح ہوا اس میں کہ مراد حقیقی بیٹا ہونا ہے اسی کو مؤکدلغیرہ کہتے ہیں اسلئے کہ مؤثر اور مؤثر میں مغایرت ہوا کرتی ہے۔ (چونکہ حقًا نے انت ابنی میں اثر کیا ہے تو حقًا مؤثر (بصیغہ اسم فاعل) اور انت ابنی مؤثر (بصیغہ اسم مفعول) ہوا اور مؤثر اور مؤثر میں مغایرت ہوتی ہے تو حقًا مؤکدلغیرہ ہوا)

كــذاكَ ذو التشبيــــه بــعــد جــمــلـــه

كـ"لـي بُـكًــا بـكــاء ذات عـضـلــه

ترجمہ:......اسی طرح تشبیہ والا مصدر ہے جو جملہ کے بعد واقع ہو جیسے لی بکاً الخ

(ش) أی كـذلـك يـجـب حـذف عـامـل الـمـصـدر إذا قـصـد بـه التشبيه بعد جملة مشتملة على فاعل المـصـدر فی الـمـعـنی، نحو: " لزيد صوت صوت حمار، وله بكاء بكاء الثكلى" ف"صوت حمار"

مصدر تشبيهيّ، وهو منصوب بفعل محذوف وجوبًا، والتقدير: يصوت صوت حمارٍ، وقبله جملة وهي "لزيد صوت" وهي مشتملة على الفاعل في المعنى وكذلك "بكاء الثكلى" منصوب بفعل محذوف وجوبًا، والتقدير: يبكي بكاء الثكلى.

فلو لم يكن قبل هذا المصدر جملة وجب الرفع نحو: "صوته صوت حمارٍ، وبكاؤه بكاء الثكلى" وكذا لو كان قبله جملة [و] ليست مشتملة على الفاعل في المعنى نحو: "هذا بكاء بكاء الثكلى، وهذا صوت صوت حمار"

ولم يتعرض المصنف لهذا الشرط، ولكنه مفهوم من تمثيله.

ترجمہ وتشریح:

اسی طرح (اس مصدر کے عامل کو حذف کیا جاتا ہے) جو تشبیہ والا ہو اور ایسے جملے کے بعد واقع ہو جو معنی میں مصدر کے فاعل پر مشتمل ہو جیسے "لِزَيْدٍ صَوْتٌ صوْتَ حِمَارٍ، لَهُ بُكَاءٌ بكاء الثكلىٰ (ثکلیٰ اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے بچے کے گم ہو جانے کی وجہ سے پریشان ہو حدیث شریف میں بھی ہے "من عزّى ثكلىٰ كسي بردًا في الجنّة)

یہاں صوت حمارٍ مصدر تشبیہ والا ہے اور فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے ای يصوّتُ صوتَ حمارٍ اور اس سے پہلے "لزيد صوتٌ" کا جملہ معنی میں فاعل پر مشتمل ہے۔ (اس لئے کہ يُصَوّتُ صوتَ حمارٍ کا معنی ہے زید گدھے کی طرح آواز نکالتا ہے اور لزيد صوتٌ میں بھی زید کیلئے گدھے کی طرح آواز نکالنا ثابت ہو رہا ہے کو لزيد صوتٌ معنی میں فاعل (زید) پر مشتمل ہے۔

اسی طرح بكاء الثكلىٰ میں بھی فعل وجوبًا حذف ہے والتقدیر "يبكي بكاء الثكلى"

اس مصدر سے پہلے اگر مستقل جملہ نہ ہو تو پھر اس کا رفع واجب ہے جیسے صوته صوت حمارٍ الخ۔ اسی طرح اگر پہلے جملہ تو ہو لیکن وہ فاعل کے معنی پر مشتمل نہ ہو تو پھر بھی رفع واجب ہے جیسے هذا بكاء الخ (یہاں هذا بكاء میں معنی فاعل نہیں ہے)

مصنفؒ نے اس شرط کی طرف اگرچہ اشارہ نہیں کیا تاہم مصنف کی پیش کردہ مثال " لي بكا بكاء ذات عضلة (میرا رونا ایسا ہے جس طرح اس عورت کا ہے جو روک دی گئی ہے) سے یہ شرط مفہوم ہوتی ہے۔

وصلت الى هذا المقام قبيل فجر ۲۹ رمضان ۱۴۲۵ھ

المفعول له

يُنْصَبُ مَفْعُولاً لَهُ الْمَصْدَرُ إنْ

أَبَانَ تَعْلِيلاً كَـ"جُدْ شُكْراً وَدِنْ"

وَهْوَ بِمَا يَعْمَلُ فِيهِ مُتَّحِدْ

وَقْتاً وَفَاعِلاً، وَإنْ شَرْطٌ فُقِدْ

فَاجْرُرْهُ بِالْحَرْفِ، وَلَيْسَ يَمْتَنِعْ

مَعَ الشُّرُوطِ كَلِزُهْدٍ ذَا قَنِعْ

ترجمہ..... مصدر کو نصب دیا جاتا ہے اس حال میں کہ وہ مفعول لہ ہو اگر وہ علت کے معنی کو ظاہر کرے جیسے جد شکرًا (شکرًا مفعول لہ ہے، آپ سخاوت کریں شکر کیلئے اور بدلہ دیں) نیز یہ اپنے عامل کے ساتھ وقت اور فاعل میں متحد ہو، اور ان میں سے کوئی بھی شرط مفقود ہو تو پھر اس کو آپ حرف کے ذریعہ مجرور کریں۔ اور ان شروط کے ہوتے ہوئے بھی جر ممنوع نہیں، جیسے لِزُهْدٍ ذا قنع (اس نے اس زہد کی وجہ سے قناعت اختیار کی)

(ش) المفعول له: هو المصدر، المفهم علة، المشارك لعامله: في الوقت، والفاعل، نحو: "جد شكرًا" فشكرًا: مصدر، وهو مفهم للتعليل؛ لأن المعني جد لأجل الشكر، ومشارك لعامله - وهو "جد" - في الوقت؛ لأن زمن الشكر هو زمن الجود، وفي الفاعل؛ لأن فاعل الجود هو المخاطب وهو فاعل الشكر، وكذلك: "ضربت ابني تاديبًا" فتاديبًا: مصدر، وهو مفهم للتعليل؛ إذ يصح أن يقع في جواب "لم فعلت الضرب؟" وهو مشارك لضربت؛ في الوقت، والفاعل.

وحكمه جواز النصب إن وجدت فيه هذه الشروط الثلاثة - أعني المصدرية، وإبانة التعليل، واتحاده مع عامله في الوقت والفاعل.

فإن فقد شرط من هذه الشروط تعين جره بحرف التعليل، وهو اللام، أو "من" أو "في" أو الباء.

فمثال ماعدمت فيه المصدرية قولك: "جئتك للسمن".

ومثال مالم يتحد مع عامله في الوقت: "جئتك اليوم للإكرام غدًا" ومثال مالم يتحد مع عامله في الفاعل: "جاء زيد لإكرام عمرو له"

ولايمتنع الجر بالحرف مع استكمال الشروط، نحو: "هذا قنع لزهد".

وزعم قوم أنه لايشترط في نصبه إلا كونه مصدرًا، ولايشترط اتحاده مع عامله في الوقت ولا في الفاعل، فجوزوا نصب "إكرام" في المثالين السابقين، والله أعلم.

ترجمہ وتشریح

مفعول لہ کی تعریف اوراس کے نصب کی شرطیں:

مفعول لہ وہ ہے جو مصدر ہو، علت کو بتانے والا ہو، اپنے عامل کے ساتھ وقت فاعل میں شریک ہو، مصنفؒ نے یہاں مفعول لہ کی مثال "جُدْ شُکرًا وَدِنْ" کے ساتھ دی ہی اس لئے کہ شکرًا مصدر ہے اور شکر ادا کرنے کی علت سخاوت ذکر ہے اور یہ مصدر اپنے عامل کے ساتھ (جو کہ جُد ہے) بھی مشترک ہے اور فاعل کے ساتھ بھی اس لئے کہ سخاوت کا فاعل اور شکر کرنے کا فاعل مخاطب ہی ہے۔ اسی طرح ضربت ابنی تادیبًا بھی ہے۔

وحکم الخ:

اگر مذکورہ بالا تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں تو مفعول لہ مصدر کی وجہ سے منصوب ہوگا اور ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو جائے تو حرف کے ذریعہ اس کا مجرور ہونا متعین ہوگا۔

۱:.....مصدریت والی شرط مفقود ہو اس کی مثال جئتک للسمن ہے۔

۲:.....عامل کے ساتھ وقت میں متحد نہ ہونے کی مثال جئتک الیوم للاکرام غدًا یہاں (مجیئ آنے کا وقت آج اور اکرام کا وقت کل ہے)

۳:.....عامل کے ساتھ فاعل میں متحد نہ ہونے کی مثال "جاء زید لاکرام عمرو لہ" (جاء کا فاعل زید اور اکرام کا فاعل

عمرو ہے)

نیز اس طرح بھی ہوتا ہے کہ یہ تینوں شرائط موجود ہوتی ہیں پھر بھی جرآ جاتا ہے جیسے "ھذا قنبعَ للزھدِ" (زھد) میں تینوں شرطیں موجود ہیں پھر بھی حرف جر سے مجرور ہو گیا۔

بعض حضرات کے نزدیک نصب کیلئے ایک ہی شرط ہے جو کہ مصدریت ہے۔چنانچہ مندرجہ بالا دومثالوں میں انہوں نے اکرام کے نصب کو جائز قرار دیا ہے۔

وَقَلَّ أنْ يصحبَهَا المجرّدُ
والعكسُ في مَصْحوبِ " أل" وَأنْشَدوا
لاَ أقْعُدُ الجُبنَ عَنِ الهيجاء
وِلَوْ تَوَالَتْ زُمَرُ الاعداء

ترجمہ:......اور یہ قلیل ہے کہ الف لام کے ساتھ وہ مصدر آ جائے جو الف لام کے بغیر ہو (مجرد کا معنی خالی) اور جس مصدر کے ساتھ الف لام ہے اس میں عکس ہے (یعنی ضربت ابنی لتادیب قلیل ہے یہاں لام کے ساتھ تادیب مصدر آیا ہے جو کہ لام سے خالی ہے اور ضربت ابنی للتادیب کثیر ہے یہاں لام کے ساتھ التادیب الف لام والا مصدر آیا ہے)

(ش) المفعول له المستكمل للشروط المتقدمة له ثلاثة أحوال: أحدها: أن يكون مجردًا عن الألف واللام والإضافة، والثاني: أن يكون محلّى بالألف واللام، والثالث: أن يكون مضافًا، وكلها يجوز أن تجر بحرف التعليل، لكن الأكثر فيما تجرد عن الألف واللام والإضافة النصب نحو: "ضربت ابني تأديبًا"، ويجوز جرّه، فتقول: "ضربت ابني لتأديب"، وزعم الجزولي أنه لا يجوز جره، وهو خلاف ما صرّح به النحويون، وما صحب الألف واللام بعكس المجرد، فالأكثر جره، ويجوز النصب، ف"ضربت ابني للتأديب" أكثر من "ضربت ابني التأديب"، ومما جاء فيه منصوبًا ما أنشده المصنف:

١٦٣ - لا أقْعُدُ الجبنَ عَنِ الهَيْجَاءِ

البيت، ف"الجبن" مفعول له، أي: لا أقعد لأجل الجبن، ومثله قوله:

۱۶۴-فَلَيْتَ لِی بِهِم قومًا إذا رکبوا
شَنُّو الاغارۃ فرسَانًا ورکبانا

واما المضاف فیجوز فیه الأمران -النصب والجر- علی السواء؛ فتقول: "ضربت ابنی تادیبه، ولتادیبه" وهذا [قد] یفهم من کلام المصنف، لأنه لما ذکر أنه یقل جر المجرد ونصب المصاحب للألف واللام علم أن المضاف لایقل فیه واحدمنهما، بل یکثر فیه الأمران، ومماجاء منصوبًا قوله تعالیٰ: ﴿یجعلون أصابعهم فی آذانهم من الصواعق حذر الموت﴾، ومنه قوله:

۱۶۵-وَأغْفِرُ عَوراءَ الکریمِ اذّخارَہ
وَأُعْرِضُ عَنْ شَتْمِ اللئیمِ تکرُّمَا

ترجمہ وتشریح:

مفعول لہ جس میں مذکورہ بالا تین شرطیں پائی جائیں تو اس کے تین احوال ہیں ایک یہ کہ الف لام اوراضافت سے خالی ہو۔ دوم یہ کہ الف لام کے ساتھ ہو۔ سوم یہ کہ مضاف ہوان میں سے ہرایک میں حرف تعلیل کو داخل کرکے جر پڑھ سکتے ہیں۔ یعنی یہ تینوں شرطیں نصب کیلئے ہیں مفعول لہ ہونے کیلئے نہیں اس مسلک کے مطابق حرف جر کے داخل ہونے کے بعد منصوب اگرچہ نہیں ہوگا لیکن مفعول لہٗ ہی کہلائے گا جبکہ جمہور کے مسلک کے مطابق یہ تینوں شرطیں پائی جائیں اور مجرور بحرف التعلیل ہوتو وہ مفعول لہٗ نہیں کہلائے گا بلکہ مفعول بہ ہوگا۔

لیکن جومصدر الف لام سے خالی ہو اس میں نصب کثیر ہے جیسے ضربتُ ابنی تادیبًا اوراس کا جر بھی جائز ہے لیکن قلیل ہے مصنفؒ کے قول "وَقَلَّ ان یصحبها المجرّد" کا یہی مطلب ہے جزولی رحمہ اللہ کے نزدیک جر جائز نہیں لیکن یہ قول نحویوں کی تصریح کے خلاف ہے۔ البتہ جس مصدر کے ساتھ الف ہے وہ ماقبل کے برعکس ہے یعنی اس میں جر کثیر اورنصب قلیل ہے مصنفؒ کے قول "والعکس فی مصحوب ال" کا یہی مطلب ہے۔

منصوب کی مثال مصنفؒ کا پیش کردہ یہ شعر ہے۔

۱۶۳-لاأقْعُدُ الجُبْنَ عَنِ الهَیْجَاء
وَلَوْ تَوَالَتْ زُمَرُ الأعداء

ترجمہ:...... میں بزدلی کی وجہ سے لڑائی سے پیچھے نہیں ہٹوں گا اگر چہ دشمنوں کی جماعتیں
پے درپے آجائیں۔

تشریح المفردات:

(لا اقعد) کہا جاتا ہے قعد عن الحرب جنگ سے پیچھے ہٹنا، سستی کرنا، انکار کرنا (الجبن) بزدلی (ھیجاء) جنگ (زمر) زاء کے ضمہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ زمرۃ کی جمع ہے بمعنی جماعت جیسے غرف جمع ہے غرفۃ کی۔

محل استشهاد:

(الجبن) محل استشہاد ہے یہ مفعول لہ واقع ہے الف لام کے ساتھ للجبن ہونا چاہیے تھا لیکن الف لام کے ساتھ پھر بھی منصوب آیا ہے۔

فائدہ:...... مفعول لہ معرفہ واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ جرمی رحمہ اللہ کے ہاں چونکہ یہ حال اور تمیز کی طرح ہے اس لئے نکرہ ہی واقع ہوگا معرفہ واقع ہونا صحیح نہیں۔

جبکہ سیبویہ رحمہ اللہ کے ہاں مفعول لہ کا معرفہ واقع ہونا صحیح ہے وہ عرب کے اشعار سے استدلال کرتے ہیں بحر آن کریم میں معرفہ آیا ہے "من الصواعق حذر الموت" (اگر چہ جمہور کے نزدیک چونکہ یہ حرف تعلیل کی وجہ سے مجرور ہے اس وجہ سے اس کو مفعول لہ کہنا صحیح نہیں) بظاہر سیبویہ رحمہ اللہ کا مسلک قوی معلوم ہوتا ہے "والحق احق أن يتبع" اوراسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۶۳ - فليت لي بهم قوما إذا ركبوا
شنوا الاغارة فرسانا وركبانا

ترجمہ:...... کاش میرے لئے اپنی قوم کے بدلے ایک اور قوم ہوتی جب وہ سوار ہوتی تو
لوٹ مار اور حملہ کیلئے ادھرادھر تقسیم ہوجاتی گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر۔

تشریح المفردات:

(بھم) میں باء بدل کے لئے ہے ای بدلھم (شنوا) ضرب سے تقسیم کرنا، حملہ کرنا (الاغارة) لوٹ مار حملہ کرنا (فرسانا) فارس کی اور رکبان راکب کی جمع ہے گھوڑے پر سوار کو فارس کہتے ہیں اور راکب عام ہے کسی

سواری پر سوار کو کہا جا سکتا ہے یہاں اونٹ پر سوار ہونے والا مراد ہے۔

شان ورود:...... قریط بن انیف کا شعر ہے ذھل بن شیبان کی قوم کے ایک شخص نے شاعر سے اس کے اونٹ زبردستی لئے' شاعر نے اپنی قوم سے مدد مانگی لیکن وہ مقابلہ سے عاجز آ گئی اپنی قوم کو چھوڑ کر بنو مازن سے مدد مانگی تو بنو مازن نے اس کی مدد کر کے اس کے اونٹ چھڑا لئے شاعر نے یہ شاعر کہے' دیوان حماسہ کی ابتداء ہی ان کے اشعار سے ہوتی ہے پہلا شعر صرف ملاحظہ فرمالیں۔

لو كنت من مازن لم تستبح ابلي
بنو اللقيطة من ذهل بن شيبانا

الیٰ آخر هذه الابيات:-

ان اشعار میں یہ بنو مازن کی تعریف اور اپنی قوم کی مذمت بیان کر رہا ہے۔

محل استشہاد:

(الاغارة) محل استشہاد ہے یہاں مفعول لہ منصوب ہے باوجود اس کے کہ اس کے ساتھ الف لام بھی ہے۔

واضح رہے کہ جرمی رحمہ اللہ کے خلاف اس شعر کو پیش کیا جا سکتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مفعول لہ معرفہ واقع نہیں ہوتا اسلئے کہ یہاں (الاغارة) معرفہ ہے پھر اس کے جواب میں ان کا یہ کہنا کہ الف لام زائد ہے کمزور قول ہے فلا یلتفت الیہ۔

و أما المضاف الخ:

جو مفعول لہ مضاف استعمال ہو اس میں نصب، جر دونوں جائز ہیں۔ چنانچہ ضربت ابنی تادیبه، لتادیبه دونوں پڑھ سکتے ہیں، مصنفؒ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ مصنفؒ نے جب یہ ذکر کیا کہ الف لام سے خالی مصدر کا جر اور الف لام والے کا نصب قلیل ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ مضاف میں دونوں قلیل نہیں ہیں۔ منصوب آنے کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

"یجعلون اصابعهم في آذانهم من الصواعق حذر الموت (حذر الموت) محل استشہاد۔
اوراسی سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۶۵ -وَاَغْفِرُ عَوراءَ الكريمِ ادّخارَه
وَأُعْرِضُ عَنْ شَتْمِ اللئيمِ تكرُّمَا

ترجمہ:...... اور میں درگزر کرتا ہوں شریف آدمی کی بری بات سے تا کہ اس کو اپنے لئے ذخیرہ بنادوں (یعنی ضرورت کے وقت اس سے فائدہ اٹھالوں، یا اس کی دوستی کو برقرار رکھوں) اور میں اعراض کرتا ہوں کمینہ کی گالی سے مہربانی کرتے ہوئے۔
یہ شعر مشہور زمانہ سخی حاتم طائی کا ہے۔

تشریح المفردات:

(اغفر) ضرب سے بخشنا، درگزر کرنا (عوراء) بری اور غیر مناسب بات (اللئیم) کمینہ خبیث النفس (تکرّما) مہربانی کرنا۔

محل استشہاد:

(ادّخاره) محل استشہاد ہے مفعول لہ واقع ہے اور منصوب ہے باوجودیکہ مضاف ہے۔

المفعول فيه وهو المسمّٰى ظرفًا

الـظـرف وقـتٌ أومـكـانٌ ،ضُـمِّـنَـا
"فِـي" بـاطـراد، كَهُـنَـا امْـكُـثْ أزْمُـنَـا

ترجمہ:......ظرف وہ وقت یا مکان ہے جو فی کے معنی کو متضمن ہو قیاسی طور پر جیسے
هُنا الخ (یہاں تھوڑی دیر کیلئے ٹھہر جا، هُنَا ظرف مکان اور اَزمنا ظرف زمان کی
مثال ہے)

(ش) عَرّف المصنف الظرف بانه: زمان أومكان ضمن معنى "في" باطراد، نحو: "امكث هناأزمنًا" فهنا: ظرف مكان، وازمنا: ظرف زمان، وكل منهماتضمن معنى "في"؛ لأن المعنى: امكث في هذا الموضع [و] في أزمن واحترز بقوله: "ضمن معنى في" ممالم يتضمن من أسماء الزمان أوالمكان معنى "في" كماإذا جعل اسم الزمان أو المكان مبتدأ، أوخبرًا، نحو: "يوم الجمعة يوم مبارك، ويوم عرفة يوم مبارك، والدار لزيد" فإنه لايسمى ظرفًا والحالة هذه، وكذلك ماوقع منهما مجرورًا، نحو: "سرت في يوم الجمعة" و"جلست في الدار" على أن في هذاونحوه خلافًافي تسميته ظرفًا في الاصطلاح، وذلك مانصب منهمامفعولًا به، نحو: "بنيت الدار، وشهدت يوم الجمل"

واحترزبقوله: "باطراد" من نحو: "دخلت البيت، وسكنت الدار، وذهبت الشام" فإن كل واحد من "البيت، والدار، والشأم" متضمن معنى "في" ولكن تضمنه معنى "في" ليس مطردًا؛ لأن أسماء المكان المختصة لا يجوزحذف "في" معها؛ فليس "البيت، والدار، والشأم" في المثل منصوبة على الظرفية، وإنما هي منصوبة على التشبيه بالمفعول به؛ لأن الظرف هو: ماتضمن معنى "في" باطراد، وهذه متضمنة معنى "في" لاباطراد.

هذاتقرير كلام المصنف، وفيه نظر؛ لأنه إذاجعلت هذه الثلاثة ونحوهامنصوبة على التشبيه بالمفعول به لم تكن متضمنة معنى "في"؛ لأن المفعول به غيرمتضمن معنى "في"؛ فكذلك ماشبه

به؛ فلايحتاج إلى قوله: "باطراد" ليخرجها؛ فإنها خرجت بقوله "ماضمن معنى فى" والله تعالىٰ أعلم.

ظرف "مفعول فیہ" کی تعریف:

مصنفؒ نے ظرف کی تعریف کی ہے کہ ظرف وہ زمان یا مکان ہے جو "فـــی" کے معنی کو قیاسی طور پر متضمن ہو جیسے "امکث هُنَا ازمنا" (هنا) ظرف مکان اور (ازمنا) ظرف زمان ہے۔ یہ دونوں فی کے معنی کو متضمن ہیں اس لئے کہ تقدیر عبارت یوں ہے "امکث فی هذا الموضع. فی ازمن" "ضمن معنی فی" کہکر ان اسمائے زمان ومکان سے احتراز کیا جو "فـــی" کے معنی کو متضمن نہ ہو۔ مثلاً یہ کہ اسم زمان یا مکان کو مبتدا خبر بنایا جائے جیسے: یـــوم الـجـمعة یوم مبارک 'یوم عرفة یوم مبارک، الدار لمدید اس حالت میں ان کو ظرف نہیں کہا جاتا اس لئے کہ یہ "فی" کے معنی کو متضمن نہیں ہیں۔

اسی طرح "سرت فی یوم الجمعة، جلست فی الدار" بھی ہے۔ (شارح فرماتے ہیں) معلوماً اس کو ظرف کہنے میں نحویوں کا کچھ اختلاف بھی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں "فی" ذکر ہے اس لئے تضمّن معنی فی نہ پائے جانے کی وجہ سے ظرف نہیں اور بعض اس کو مجازاً ظرف کہتے ہیں۔ وکـذلک مـانـصب منهمامفعولاً به الخ۔ (باطراد) کہکر "دخلت البیت" سکنت الدار، ذهبت الشام سے احتراز کیا اس لئے کہ بیت، دار، شام اگرچہ "فی" کے معنی کو متضمن ہیں۔ لیکن یہ تضمن قیاسی نہیں اس لئے کہ یہ (بیـت، دار، شـام) اسماء مکان مختص ہیں اور اسمائے مکان مختص سے "فی" کو حذف کرنا صحیح نہیں۔

پس بیـت، دار، شام منصوب بنا بر ظرفیت نہیں بلکہ اس وجہ سے منصوب ہیں کہ یہ مفعول بہ کے مشابہ ہیں اس لئے کہ ظرف وہ ہوتا ہے جو "فی" کے معنی کو قیاسی طور پر متضمن ہو جبکہ ان کا تضمن قیاسی نہیں۔

شارح فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کے کلام کا یہی حاصل ہے لیکن اس میں اشکال ہے اسلئے کہ ان تینوں کو اگر مفعول بہ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب قرار دیا جائے تو یہ "فی" کے معنی کو متضمن ہی نہیں ہونگے۔ اس لئے کہ مفعول خود "فـــی" کے معنی کو متضمن نہیں ہوتا تو اس کا مشابہ بھی نہیں ہوگا۔ تو اطـــراد کی قید کی ضرورت نہیں تھی کہ ان تینوں کو نکالا جاسکے "ماضمّن معنی فی" کے ساتھ خود بخود یہ نکل گئے۔ واللہ اعلم۔

فَانْصِبْهُ بِالْوَاقِعِ فِيْهِ مُظْهَرًا

كَانَ وَإِلَّا فَانْوِهِ مُقَدَّرًا

ترجمہ:...... پس آپ مفعول فیہ کو نصب دیں اس عامل سے جو اس میں واقع ہو ظاہر

ہو، ورنہ آپ اس کو مقدر مان لیں۔

(ش) حكم ما تضمن معنى "في" من أسماء الزمان والمكان النصب، والناصب له ما وقع فيه، وهو المصدر، نحو: "عجبت من ضربك زيدًا، يوم الجمعة، عند الأمير"، أو الفعل، نحو: "ضربت زيدًا يوم الجمعة، أمام الأمير"، أو الوصف، نحو: "أنا ضارب زيدًا، اليوم، عندك".

وظاهر كلام المصنف أنه لا ينصبه إلا الواقع فيه فقط، وهو المصدر، وليس كذلك، بل ينصبه هو وغيره: كالفعل، والوصف.

والناصب له إما مذكور كما مثل، أو محذوف: جوازًا، نحو أن يقال: "متى جئت؟" فتقول: "يوم الجمعة"، و"كم سرت؟" فتقول: "فرسخين" والتقدير: "جئت يوم الجمعة، وسرت فرسخين".

أو وجوبًا، كما إذا وقع الظرف صفة، نحو: "مررت برجل عندك"، أو صلة، نحو: "جاء الذي عندك"، أو حالًا، نحو: "مررت بزيد عندك"، أو خبرًا في الحال أو في الأصل، نحو: "زيد عندك، وظننت زيدًا عندك"

فالعامل في هذه الظروف محذوف وجوبًا في هذه المواضع كلها، والتقدير في غير الصلة "استقر" أو "مستقر"، وفي الصلة "استقر"؛ لأن الصلة لا تكون إلا جملة، والفعل مع فاعله جملة، واسم الفاعل مع فاعله ليس بجملة، والله أعلم.

ترجمہ وتشریح:

ظرف کا عامل:

جو "فِي" کے معنی کو متضمن ہو اسمائے زمان یا مکان میں سے، تو اس کا حکم منصوب ہونا ہے۔ اس کا ناصب یا تو مصدر ہوگا۔ جیسے "عجبت من ضربك زيدًا يوم الجمعة عند الامير" یا فعل ہوگا جیسے "ضربت زيدًا يوم الجمعة أمام الامير" یا وصف ہوگا جیسے "أنا ضاربٌ زيدًا اليوم عندك"۔

شارح مصنفؒ پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو نصب د
والا صرف مصدر ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ فعل اور وصف بھی اس کیلئے ناصب ہیں جس طرح مثالوں میں گزر گیا۔

حاشیہ میں اس کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ظرف میں جو واقع ہوتا ہے وہ حدث ہے اور مص
حدث پر دلالت کرتا ہے مطابقۃً اور فعل اور وصف دلالت کرتے ہیں حدث پر بطریقہ تضمّن، تو مصنفؒ کے کلام کو اس
محمول کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مطابقی اور تضمنی دونوں پر ظرف کو حمل کیا ہے۔ اسی طرح اس میں فعل اور وصف دونو
آ جاتے ہیں۔ لہٰذا شارح کے اعتراض کی کوئی خاص وجہ نہیں۔

والناصب له امّا مذکورٌ الخ:

مفعول فیہ یعنی ظرف کو نصب دینے والا عامل یا مذکور ہوگا جس طرح گزر گیا اور یا جوازاً محذوف ہوگا جیسے ک
جائے "مَتٰی جئتَ" اور آپ کہیں یومَ الجمعة، اسی طرح "فرسخین" کہا جائے گا کَمْ سِرْتَ کے جوا
میں۔

کبھی اس کا حذف وجوبی ہوتا ہے بایں طور کہ ظرف صفت واقع ہو جائے جیسے "مررتُ برجلٍ عندکَ
یا صلہ واقع ہو جیسے "جاءَ الّذی عندک" یا حال ہو جیسے "مررت بزید عندک" یا فی الحال خبر ہو جیسے "ز
عندک" یا اصل کے اعتبار سے خبر ہو جیسے "ظننتُ زیدًا عندک"۔

عامل ان تمام ظروف میں وجوباً حذف ہے صلہ کے علاوہ میں فعل (استقرَّ) اور اسم (مستقرٌّ) دونوں
مقدر مانا جا سکتا ہے۔ لیکن صلہ میں ضروری ہے کہ ان کا ناصب فعل (استقرَّ) ہو اس لئے کہ فعل فاعل مل کر جملہ ہوتا
اور صلہ کیلئے جملہ ہونا ضروری ہے۔ اور اسم فاعل فاعل کے ساتھ پورا جملہ نہیں ہوتا۔

وَكُلُّ وَقْتٍ قَابِلٌ ذاکَ، وَمَا
يَقْبَلُهُ الْمَكَانُ الْأُمُبهَمَا
نَحْوُ الْجِهَاتِ وَمَا
صِيغَ مِنَ الْفِعْلِ كَمَرْمًى مِنْ رَمٰى

ترجمہ:...... اور ہر اسم زمان نصب کو قبول کرتا ہے، اور اسم مکان نصب کو قبول نہیں کرتا
مگر اس وقت جب وہ مبہم ہو جیسے جہات اور مقدار اور وہ جو فعل سے بنائے گئے جیسے
مَرْمٰی جو رمی سے ماخوذ ہے۔

ی) یعنی أن اسم الزمان يقبل النصب على الظرفية: مبهماكان، نحو: "سرت لحظة، وساعة" أو مختصًا: إما بإضافة، نحو: "سرت يوم الجمعة"، أو بوصف نحو: "سرت يوما طويلا" أو بعدد، نحو: "سرت يومين"

وأما اسم المكان فلا يقبل النصب منه إلا نوعان؛ أحدهما: المبهم،

والثاني: ما صيغ من المصدر بشرطه الذي سنذكره، والمبهم كالجهات [الست]، نحو: "فوق، وتحت، [ويمين، وشمال] وأمام، وخلف" ونحو هذا، كالمقادير، نحو: "غلوة، وميل، وفرسخ، وبريد" تقول: "جلست فوق الدار، وسرت غلوة" فتنصبهما على الظرفية.

وأما ما صيغ من المصدر، نحو: "مجلس زيد، ومقعده" فشرط نصبه - قياسًا - أن يكون عامله من لفظه، نحو: "قعدت مقعد زيد، وجلست مجلس عمرو" فلو كان عامله من غير لفظه تعين جرّه بفي، نحو: "جلست في مرمى زيد"؛ فلا تقول: "جلست مرمى زيد" إلا شذوذًا.

ومما ورد من ذلك قولهم: "هو مني مقعد القابلة، ومزجر الكلب، ومناط الثريا" أي: كائن مقعد القابلة، ومزجر الكلب، ومناط الثريا، والقياس: "هو مني في مقعد القابلة، وفي مزجر الكلب، وفي مناط الثريا" ولكن نصب شذوذًا، ولا يقاس عليه، خلافًا للكسائي، وإلى هذا أشار بقوله:

وَشَرْطُ كَوْنِ ذَا مَقِيسًا أَنْ يَقَعْ
ظَرْفًا لِمَا فِي أَصْلِهِ مَعَهُ اجْتَمَعْ

أي: وشرط كون نصب ما اشتق من المصدر مقيسًا: أن يقع ظرفًا لما اجتمع معه في أصله، أي: أن ينتصب بما يجامعه في الاشتقاق من أصل واحد، كمجامعة: "جلست" ب"مجلس" في الاشتقاق من الجلوس؛ فأصلهما واحد، وهو: "الجلوس"

وظاهر كلام المصنف أن المقادير وما صيغ من المصدر مبهمان؛ أما المقادير فمذهب الجمهور أنها من الظروف المبهمة، لأنها -وإن كانت معلومة المقدار- فهي مجهولة الصفة، وذهب الأستاذ أبو علي الشلوبين إلى أنها ليست من [الظروف] المبهمة؛ لأنها معلومة المقدار، وأما ما صيغ من المصدر فيكون مبهمًا نحو: "جلست مجلسًا" ومختصًا نحو: "جلست مجلس زيد".

وظاهر كلامه أيضًا أن "مرمى" مشتق من رمى، وليس هذا على مذهب البصريين؛ لأن مذهبهم أنه مشتق من المصدر، لا من الفعل.

وإذا تقرر أن المكان المختص -وهو: ما له أقطار تحويه- لا ينصب ظرفًا، فاعلم أنه سمع نصب كل مكان مختص مع "دخل، وسكن" ونصب "الشام" مع "ذهب" نحو: دخلت البيت، وسكنت الدار، وذهبت الشام"، واختلف الناس في ذلك: فقيل: هي منصوبة على الظرفية شذوذًا، وقيل: منصوبة على إسقاط حرف الجر، والأصل "دخلت في الدار" فحذف حرف الجر فانتصب الدار، نحو: "مررت زيدًا" وقيل: منصوبة على التشبيه بالمفعول به.

ترجمہ وتشریح:

اسم زمان اور اسم مکان کے نصب کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ اسم زمان مطلقًا نصب بنا بر ظرفیت کو قبول کرتا ہے چاہے مبہم ہو یا مختص، مبہم کی مثال "سرت لحظة وساعة" (میں تھوڑی دیر چلا، اس تھوڑی دیر میں ابہام ہے)

مختص بالاضافة کی مثال "سرت يوم الجمعة"، مختص بالوصف کی مثال "سرت يومًا طويلاً"، مختص بالعدد کی مثال "سرت يومين" اسم مکان میں سے نصب بنا بر ظرفیت کو صرف دو قسمیں قبول کرتی ہیں۔ ایک قسم مبہم ہے جیسے جہات ست (چھ جہتیں) فوق، تحت، يمين، شمال، أمام، خلف۔ اور مقادیر (یہ بھی مبہمات میں داخل ہیں مزید وضاحت آگے آرہی ہے) جیسے غلوة، ميل، فرسخ، بريد، چنانچہ آپ کہینگے جلست فوق الدار، سرت غلوة۔ (غلوة تین سو گز، میل دس غلوے اور فرسخ تین میل اور برید چار فرسخ کہلاتے ہیں و فیہ اقوال آخر کما فی الحاشیة)

ب۔ اسم مکان مشتق: نصب بنابر ظرفیت کو قبول کرنے والی دوسری قسم وہ اسم مکان ہے جو مصدر سے بنائے گئے ہوں جیسے مَجلِس، مَقعَد یہ اسم مکان ہیں منصوب بنابر ظرفیت ہیں۔ (چنانچہ جلستُ مجلسَ زیدٍ، قعدتُ مقعدَ زیدٍ کہا جاتا ہے)

لیکن اس قسم کیلئے شرط یہ ہے کہ ان کا عامل ان کے لفظ ہی سے ہو جیسے مذکورہ دونوں مثالوں میں ہے اگر عامل ان کے لفظ سے نہ ہو تو ان کا مجرور ہونا "فی" کے ساتھ متعین ہوگا جیسے "جلستُ فی مرمی زیدٍ" (یہاں چونکہ مرمی کا عامل جلستُ من غیر لفظه ہے لہٰذا اس کا مجرور ہونا "فی" کے ذریعے متعین ہے)

یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ "هو منی مقعدَ القابلة، مزجرَ الکلب، مناطَ الثریا" جیسی مثالوں میں عامل من لفظه نہ ہونے کے باوجود نصب آیا ہے۔ علماء نحو اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں نصب شاذ ہے لہٰذا اس پر باقی کو قیاس نہیں کیا جاتا اگرچہ امام کسائی رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔

فلان منی مقعدَ القابلة، جو ابتداء استعمال کئے جاتے ہیں اور ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں میرے اتنے قریب ہیں جس طرح بچہ کی ولادت کے وقت ساتھ بیٹھنے والی عورت قریب ہوتی ہے اور "هو منی مزجرَ الکلب" کہہ کر ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں مجھ سے اتنا دور ہے جس طرح وہ جگہ دور ہوتی ہے جہاں کتے کو بھگایا جاتا ہے مقصود اس کا ہے ممتنع ہے اور "فلان منی مناطَ الثریا" (ثریا ستاروں کا نام ہے) سے بھی بعد کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے)

اس شرط کی طرف مصنفؒ نے اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا ہے

وَشَرْطُ كَوْنِ ذَا مَقِيسًا أَنْ يَقَعْ
ظَرْفًا لِمَا فِي أَصْلِهِ مَعَهُ اجْتَمَعْ

ترجمہ:...... جو مصدر سے مشتق ہوں ان کے نصب کی شرط قیاساً یہ ہے کہ وہ ظرف واقع ہو ایسے فعل (عامل) کیلئے جس کے ساتھ یہ اصل میں جمع ہو۔

(ش) أی: وشرط كون نصب ما اشتق من المصدر مقيسًا: أن يقع ظرفًا لما اجتمع معه في أصله، أي: أن ينتصب بما يجامعه في الاشتقاق من أصل واحد، كمجامعة "جلست" لـ"مجلس" في الاشتقاق من الجلوس؛ فأصلهما واحد، وهو "الجلوس"

وظاهر كلام المصنف أن المقادير وما صيغ من المصدر مبهمان، أما المقادير فمذهب الجمهور أنها من الظروف المبهمة، لأنها -وإن كانت معلومة المقدار- فهي مجهولة الصفة، وذهب الأستاذ أبو علي الشلوبين إلى أنها ليست من [الظروف] المبهمة؛ لأنها معلومة المقدار، وأما ما صيغ من المصدر فيكون مبهمًا، نحو: "جلست مجلسًا" ومختصًا، نحو: "جلست مجلس زيد"

وظاهر كلامه أيضًا أن "مرمى" مشتق من رمى، وليس هذا على مذهب البصريين؛ فإن مذهبهم أنه مشتق من المصدر، لا من الفعل.

وإذا تقرر أن المكان المختص -وهو: ماله أقطار تحويه- لا ينتصب ظرفًا، فاعلم أنه سمع نصب كل مكان مختص مع "دخل، وسكن" ونصب "الشام" مع "ذهب" نحو: "دخلت البيت، وسكنت الدار، وذهبت الشام" واختلف الناس في ذلك، فقيل: هي منصوبة على الظرفية شذوذًا، وقيل: منصوبة على إسقاط حرف الجر، والأصل "دخلت في الدار" فحذف حرف الجر فانتصب الدار، نحو: "مررت زيدًا" وقيل: منصوبة على التشبيه بالمفعول به.

ترجمہ وتشریح:

یعنی مصدر سے مشتقات (جیسے مجلس، جلوس سے مشتق ہے) کے قیاسی طور پر نصب کیلئے شرط یہ ہے کہ یہ ایسے فعل (عامل) کے ذریعہ منصوب ہوں کہ جس کے ساتھ یہ ایک اصل (اصل سے مراد مادّہ ہے نہ کہ مصدر) سے مشتق ہونے میں جمع ہوں یعنی ان کا فعل اور خود یہ ایک مصدر سے مشتق ہوں (قعدت مقعد زید، جلست مجلس زید والی مثال میں بھی اس شرط کی طرف اشارہ ذکر ہوا) جیسے جلست مجلس کے ساتھ جلوس سے مشتق ہونے میں شریک (جمع) ہے)۔

وظاهر كلام المصنفؒ:

مصنفؒ نے متن میں "وما يقبله المكان الا مبهمًا نحو الجهات والمقادير وما صيغ من الفعل" کہا تھا شارح فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کے اس ظاہری کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقادیر اور جو مصدر سے بنائے جاتے ہیں دونوں قسم کے اسم مکان مبہمات میں داخل ہیں (اس لئے کہ ماصيغ من الفعل، المقادير پر عطف ہے

اور معطوف معطوف علیہ حکم میں برابر ہوتے ہیں) حالانکہ اس میں تحقیق کی تفصیل ہے وہ یہ کہ مقادیر میں اختلاف ہے جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ ظروف مبہم ہیں مقدار اگرچہ ان کی معلوم ہے (جو اس سے پہلے گزر گئی مثلاً غلوۃ تین سو گز ہے وغیرہ) لیکن یہ صفت کے اعتبار سے مجہول ہیں (اس لئے کہ ان کا محل متعین نہیں) لہذا استاذ ابو علی الشلوبین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ظروف مبہمہ میں سے ہیں اس لئے کہ ان کی مقدار معلوم ہے (مقدار کے معلوم ہونے کی وجہ سے مبہمات میں داخل نہیں صفت اگرچہ مجہول ہے لیکن اس کا اعتبار نہیں)

اور جو اسم مکان مصدر سے بنائے گئے ہیں وہ مبہم بھی ہوتے ہیں جیسے "جلست مجلساً" اور مختص بھی جیسے "جلست مجلس زید" الغرض (شارح فرماتے ہیں کہ) مصنفؒ کے کلام کا ظاہر مراد نہیں۔

وظاهر كلامه ايضاً:

مصنفؒ کے قول "کمرمی من رمی" کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ "مرمی" رمی فعل سے مشتق ہے حالانکہ بصریین کا یہ مسلک نہیں بلکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ یہ مصدر سے مشتق ہے فعل سے نہیں۔ (مصدر اصل ہے یا فعل اس کی تفصیل گزر چکی مع ما فيه من الاختلاف)

واذا تقرّر الخ:

اب جبکہ یہ بات معلوم ہوئی کہ اسم مکان میں صرف مبہم نصب بنا بر ظرفیت کو قبول کرتے ہیں اور وہ بھی قبول کرتے ہیں جو مصدر سے مشتق ہوں تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کے علاوہ مکان مختص منصوب بنا بر ظرفیت نہیں ہوتا۔ لیکن "دخلت البيتَ، سكنتُ الدارَ، ذهبتُ الشامَ" جیسی مثالوں میں بیت، دار، شام مکان مختص ہونے کے باوجود منصوب ہیں (شارح فرماتے ہیں) چنانچہ اس میں اختلاف ہوگیا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ منصوب بنا بر ظرفیت ہیں لیکن شاذ کے طور پر، اور بعض کے نزدیک منصوب ہیں حرف جر کے اسقاط کے ساتھ (یعنی منصوب بنزع الخافض) جیسا کہ مَرَرتُ زيداً اس ہوا ہے۔

اور بعض کے نزدیک اس وجہ سے ہیں کہ یہ مفعول بہ کے مشابہ ہیں۔ (اور بعض فرماتے ہیں کہ منصوب ہیں اس بنا پر کہ حقیقۃً مفعول بہ ہیں اس لئے کہ "دَخَلَ" کبھی بنفسہ متعدی ہوتا ہے اور کبھی بواسطہ حرف جر" تاہم یہ صرف "دخل" ہی میں ہے ذَهَبَ وغیرہ میں نہیں) ولكلٍّ وجهة

وَمَا يُرَى ظَرْفاً وَغَيْرَ ظَرْفِ
فَذَاكَ ذُو تَصَرُّفٍ فِي الْعُرْفِ
وَغَيْرُ ذِي التَّصَرُّفِ، الَّذِي لَزِمْ
ظَرْفِيَّةً أَوْ شِبْهَهَا مِنَ الْكَلِمْ

ترجمہ:......اور جو ظرف اور غیر ظرف دیکھا جاتا ہے تو نحویوں کے عرف (اصطلاح) میں وہ متصرف ہے اور غیر متصرف کلموں میں وہ ہے جو ظرفیت یا شبہ ظرفیت کے ساتھ لازم ہو۔

(ش) ينقسم اسم الزمان واسم المكان إلى: متصرف، وغير متصرف؛ فالمتصرف من ظرف الزمان أو المكان: ما استعمل ظرفًا وغير ظرف، كـ"يوم، ومكان" فإن كل واحد منهما يستعمل ظرفًا، نحو: "سرت يومًا، وجلست مكانًا"، ويستعمل مبتدأ، نحو: "يوم الجمعة يوم مبارك، ومكانك حسن" وفاعلا، نحو: "جاء يوم الجمعة، وارتفع مكانك"

وغير المتصرف: هو ما لا يستعمل إلا ظرفًا أو شبهه، نحو: "سحر" إذا أردته من يوم بعينه فإن لم ترده من يوم بعينه فهو متصرف، كقوله تعالى: ﴿إلا آل لوط نجيناهم بسحر﴾، و"فوق" نحو: "جلست فوق الدار" فكل واحد من "سحر وفوق" لا يكون إلا ظرفًا.

والذي لزم الظرفية أو شبهها "عند ولدن" والمراد بشبه الظرفية أنه لا يخرج عن الظرفية إلا باستعماله مجرورًا بـ"من" نحو: "خرجت من عند زيد" ولا تجر "عند" إلا بـ"من" فلا يقال "خرجت إلى عنده"، وقول العامة: "خرجت إلى عنده" خطأ.

اسم زمان و مکان کی قسمیں

اسم زمان اور اسم مکان ہر ایک کی دو قسمیں ہیں: متصرف اور غیر متصرف۔ متصرف وہ ہے جو ظرف اور غیر ظرف دونوں استعمال ہوتا ہے جیسے "یوم، مکان"۔ چنانچہ یہ ظرف بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے "سرتُ یومًا جلستُ مکانًا" اور مبتدا بھی جیسے "یوم الجمعة یوم مبارک، مکانک حسنٌ" اور فاعل بھی جیسے "جاء یوم الجمعة، ارتفع مکانک".

غیر متصرف کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو صرف نصب بنا ظرفیت کو لازم ہو۔ دوسری قسم وہ ہے جو ظرفیت کو یا شبہ ظرفیت کو لازم ہو۔ صرف ظرفیت کو لازم ہو اس کی شارح نے دو مثالیں دی ہیں ایک سحر جب معین سحر مراد نہ ہو ورنہ پھر متصرف ہوگا۔ جو باری تعالیٰ کے اس قول میں ہے "اِلَّا اٰلَ لُوْطٍ نَجَّیْنٰھُمْ بِسَحَرٍ" (بے شک ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی سوائے لوط علیہ السلام کے گھر والوں کے انہیں ہم نے سحر کے وقت نجات دے دی، سحر سے مراد رات کا آخری حصہ ہے) دوسری مثال "فوق" کی جیسے "جلستُ فوقَ الدار" ان دونوں مثالوں میں نصب بنا بر ظرفیت لازم ہے۔

ظرفیت یا شبہ ظرفیت کو لازم ہو اس کی مثال "عند" "لدیٰ" ہے ان میں یا تو نصب بنا بر ظرفیت ہے یا جر بوجہ مِنْ ہے یعنی ظرفیت سے نکلنے کیلئے "مِنْ" کے ساتھ اس کا مجرور ہونا ضروری ہے جیسے: خرجتُ مِنْ عند زیدٍ. (اِلیٰ کے ساتھ عند مجرور استعمال نہیں ہوگا۔ چنانچہ "خرجتُ الیٰ عندہ" کہنا صحیح نہیں عام حضرات کا اس طرح کہنا غلطی ہے)

فائدہ نمبر ا...... مصنفؒ کے قول "الذی لزِمَ ظرفیةً او شبھَھا" میں او شبھھا کو اگر متن میں مذکور "ظرفیةً" پر عطف کیا جائے تو اس سے غیر متصرف کی ایک ہی قسم معلوم ہوتی ہے جو ظرفیت کو اور شبہ ظرفیت کو لازم ہو حالانکہ ایسا نہیں بلکہ او شبھھا متن میں مذکور "ظرفیة" پر عطف نہیں بلکہ یہ محذوف عبارت پر عطف ہے الی لزم ظرفیة فقط او ظرفیة او شبھھا" اس صورت میں غیر متصرف کی دو قسمیں ہونگی ایک وہ قسم جو ظرفیت کو لازم ہو اور دوسری قسم جو ظرفیت یا شبہ ظرفیت کو لازم ہو لہذا متن اور شرح دونوں میں تقدیر عبارت وہی ہونی چاہیے جس کا ابھی ذکر ہوا۔

فائدہ نمبر ۲:...... شارح نے غیر متصرف کی اس قسم کی جو نصب بنا بر ظرفیت کو لازم ہے دو مثالوں پیش کی ہیں ایک

"سحر" کی جو کہ صحیح ہے اور دوسری "فوق" والی جو صحیح نہیں اس لئے کہ "فوق" غیر متصرف کی دوسری قسم "الذی لزم ظرفیة او شبهها" سے تعلق رکھتا ہے اس لئے کہ قرآن کریم میں یہ "مِنْ" کے ساتھ مجرور استعمال ہوا ہے کما فی قوله تعالٰی "فَخَرَّ عليهمُ السقفُ مِنْ فَوْقِهِمْ"

وَقَــدْ يَــنُــوبُ عَــنْ مَــكَــانٍ مَــصْــدَرُ
وَذَاكَ فِــي ظَــرْفِ الــزَّمَــانِ يَــكْــثُــرُ

ترجمہ:...... اور کبھی ظرف مکان کی جگہ مصدر نائب ہو کر آتا ہے اور یہ ظرف زمان میں اکثر ہوتا ہے۔

(ش) ينوب المصدر عن ظرف المكان قليلا، كقولك: "جلست قرب زيد" أي: مكان قرب زيد، فحذف المضاف وهو "مكان" وأقيم المضاف إليه مقامه فأعرب بإعرابه وهو النصب على الظرفية، ولا ينقاس ذلك، فلا تقول: "آتيك جلوس زيد" تريد مكان جلوسه.

ويكثر إقامة المصدر مقام ظرف الزمان، نحو: "آتيك طلوع الشمس، وقدوم الحاج، وخروج زيد" والأصل: وقت طلوع الشمس، ووقت قدوم الحاج، ووقت خروج زيد، فحذف المضاف، وأعرب المضاف إليه بإعرابه، وهو مقيس في كل مصدر.

ترجمہ وتشریح:

مصدر کبھی ظرف مکان کی جگہ پر آتا ہے جیسے "جَلَسْتُ قرب زيد" ای مکان قرب زید" مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو قائم مقام بنایا اور مضاف والا اعراب مضاف الیہ کو دیا جو کہ نصب بنا بر ظرفیت ہے لیکن قیاسی نہیں چنانچہ آپ "آتيك جلوس زيد" نہیں کہہ سکتے یہاں تریدُ مکانَ جلوسِه۔

ويكثر الخ:

مصدر کو ظرف زمان کی جگہ قائم مقام بنانا کثیر ہے جیسے "وقت طلوع الشمس، ووقت قدوم الحاج ووقت خروج زيد" مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام بنایا اور مضاف والا اعراب مضاف الیہ کو دیا، اور یہ ہر مصدر میں قیاسی ہے، الغرض مصدر کا ظرف مکان کی جگہ آنا سماعی ہے اور اسم زمان کی جگہ آنا قیاسی ہے۔

وصلت إلى هذا المقام ليلة ۲۶ رمضان المبارك ۱۴۲۵ھ

المفعول معه

يُنْصَبُ تَالِى الوَاوِ مَفْعُولاً مَعَهْ
فِى نَحْوِ سِيْرِى وَالطَّرِيقَ مُسْرِعَهْ
بِمَا مِنَ الفِعْلِ وَشِبْهِهِ سَبَقْ
ذَا النَّصْبُ، لا بِالوَاوِ فِى القَوْلِ الأحَقّ

ترجمہ:......واؤ کے بعد آنے والے (اسم) کو مفعول معہ کی حیثیت سے نصب دیا جاتا ہے "سیری والطریق مسرعة" جیسی ترکیب میں اور یہ نصب اس فعل یا شبہ فعل کی وجہ سے ہے جو پہلے ہو نہ واو کی وجہ سے صحیح قول کے مطابق۔

(ش) المفعول معه هو: الاسم المنتصب، بعد واو بمعنى مع. والناصب له ماتقدمه: من الفعل، أو شبهه. فمثال الفعل: "سيرى والطريق مسرعة" أى: سيرى مع الطريق، فالطريق منصوب بسيرى.

ومثال شبه الفعل: "زيد سائر والطريق" و"أعجبنى سيرك والطريق" فالطريق: منصوب بسائر وسيرك.

وزعم قوم أن الناصب للمفعول معه الواو، وهو غير صحيح؛ لأن كل حرف اختص بالاسم ولم يكن كالجزء منه لم يعمل إلا الجر، كحروف الجر، وإنما قيل: "ولم يكن كالجزء منه" احترازاً من الألف واللام؛ فإنها اختصت بالاسم ولم يعمل فيه شيئاً؛ لكونها كالجزء منه، بدليل تخطى العامل لها، نحو: "مررت بالغلام"

ويستفاد من قول المصنف: "فى نحو سيرى والطريق مسرعة" أن المفعول معه مقيس فيما كان مثل ذلك، وهو: كل اسم وقع بعد واو بمعنى مع، وتقدمه فعل أو شبهه، و[هذا] هو الصحيح من قول النحويين.

وكذلك يفهم من قوله: "بما من الفعل وشبهه سبق" أن عامله لا بد أن يتقدم عليه، فلا تقول: "والنيل سرت" وهذا باتفاق، أما تقدمه على مصاحبه -نحو: "سار والنيل زيد"- ففيه خلاف،

والصحيح منعه.

ترجمہ وتشریح:

مفعول معہ کی تعریف:

مفعول معہ وہ اسم منصوب ہے جو ایسے واو کے بعد واقع ہو جو مَعَ کے معنی میں ہو اور اس کا ناصب وہی عامل ہے جو اس سے پہلے واقع ہو چاہے وہ فعل ہو یا شبہ فعل۔

فعل کی مثال "سِیْرِی والطریقَ مسرعة" (چلی جا راستہ کے ساتھ جلدی) ای "سِیْرِی معَ الطریق" طریق یہاں "سیری" کی وجہ سے منصوب ہے۔

شبہ فعل کی مثال:

"زیدٌ سائرٌ والطریقَ، اعجبنی سیرُکَ والطریقَ"

وزعم الخ:

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مفعول معہ کو نصب دینے والا واؤ ہی ہے۔ (شارح فرماتے ہیں) لیکن یہ صحیح نہیں اس لئے کہ جو حرف اسم کے ساتھ خاص ہو اور اس کے جزء کی طرح نہ ہو تو وہ صرف جر کا عمل ہی کرتا ہے جیسے حروف جارہ اسم کے ساتھ خاص ہیں اور جزء کی طرح نہیں (بلکہ منفصل ہیں) لہٰذا یہ حرف جر ہی دیتے ہیں۔

"لم یکن کالجزء منه" کہہ کر احتراز کیا الف لام سے اس لئے کہ الف لام بھی اسم کے ساتھ خاص ہیں لیکن اس نے عمل اسم میں عمل اس لئے نہیں کیا کہ یہ اسم کے جزء کی طرح ہیں بایں وجہ کہ عامل اسی پر داخل ہوتا ہے جیسے "مَرَرْتُ بالغلام"

وَيُسْتَفَادُ الخ:

شارح فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کے قول "فی نحو سیری والطریق مسرعة" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفعول معہ ہر اس جگہ میں قیاسی ہے جو اس کی طرح ہو۔ اور اس سے مراد ہر وہ اسم ہے جو ایسے واو کے بعد واقع ہو جو "مع" کے معنی میں ہو اور اس سے پہلے فعل یا شبہ فعل ہو یہ نحویوں کا صحیح قول ہے۔

وکذلک یفہم الخ

مصنفؒ کے قول "وبما من الفعل وشبهه سبق" سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مفعول معہ میں عامل کا مقدم ہونا ضروری ہے چنانچہ "والنیل سرت" (میں انعام وکامیابی کے ساتھ چلا) نہیں کہہ سکتے اس مسئلہ میں اتفاق ہے البتہ عامل کے مصاحب (ساتھ، یعنی فاعل) پر تقدیم صحیح ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے صحیح قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی مفعول معہ کی تقدیم صحیح نہیں (اگر چہ ابن جنی رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق جائز ہے)

وَبَعْدَ مَا اسْتِفْهَامٍ اَوْ "كَيْفَ" نَصَبْ
بِفِعْلِ كَوْنٍ مُضْمَرٍ بَعْضُ الْعَرَبْ

ترجمہ:.....ما استفہامیہ اور کیف کے بعد مادہ کون کے مقدر فعل سے بعض عرب نے مفعول معہ کو نصب دیا ہے۔

(ش) حقّ المفعول [معه] أن يسبقه فعل أو شبهه، كما تقدم تمثيله، وسمع من كلام العرب نصبه بعد "ما" و"كيف" الاستفهاميتين من غير أن يلفظ بفعل، نحو: "ما أنت وزيدًا" و"كيف تكون وقصعة من ثريد"، فزيدًا وقصعة: منصوبان ب"تكون" المضمرة.

ترجمہ وتشریح:

پہلے گزر گیا کہ اس سے فعل یا شبہ فعل آتا ہے لیکن کلام عرب سے "ما" اور "کیف" استفہامیہ کے بعد اس کا نصب بھی مسموع ہے حالانکہ فعل بظاہر لفظوں میں نہیں ہوتا، جیسے "مَا اَنْتَ وَزَيْدًا" "كيف انت وقصعةً من ثريد" نحویوں نے ان جیسی مثالوں میں "کون" کے مادہ کا فعل محذوف مانا ہے "والتقدير" "ما تكون وزيدًا" "كيف تكون وقصعة من ثريد" "زيدًا اور قصعة" یہاں محذوف تکون کی وجہ سے منصوب ہیں۔

فائدہ:.....شرح ابن عقیل کے محشی نے اس مقام پر عجیب بات کہی ہے کہ باوجود اس کے کہ کلام عرب میں "ما" اور "کیف" کے بعد نصب آیا ہے لیکن یہ پھر بھی قلیل ہے زیادہ تر ان دونوں کے بعد ما قبل پر عطف کر کے رفع سنا گیا ہے الی اخرہ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

ھذا ما کتبہ العبد الضعیف فی الیوم الاوّل من عیدالفطر ۱۴۲۵ھ فالحمد للہ

والعطفُ إنْ يمكنْ بلاَ ضعفٍ أحق

والنصبُ إن يمكنْ بلاَ ضعفٍ أحق

والنصبُ مختار لدى ضعفِ النسقْ

والنصبُ ن لَمْ يَجُزِ العطفُ يجبْ

أواعتقد إضمارَ عاملٍ تُصِبْ

ترجمہ:..... اگر بغیر کسی ضعف کے عطف ممکن ہو تو زیادہ احق ہے اور نصب پسندیدہ ہے جب عطف کمزور ہو

اور اگر عطف جائز نہ ہو تو پھر نصب واجب ہے یا آپ عامل کو مقدر مان لیں (اگر آپ نے یہ کیا تو) آپ حق تک پہنچ جائیں گے۔

(ش) الاسم الواقع بعدهذه الواو: إماأن يمكن عطفه على ماقبله، أولا، فإن أمكن عطفه فإما أن يكون بضعف، أوبلا ضعف.

فإن أمكن عطفه بلاضعف فهو أحق من النصب، نحو: "كنت أناوزيد كالأخوين" فرفع "زيد" عطفاعلى المضمر المتصل أولى من نصبه مفعولا معه؛ لأن العطف ممكن للفصل، والتشريك أولى من عدم التشريك، ومثله "سار زيدوعمرو" فرفع "عمرو" أولى من نصبه.

وإن أمكن العطف بضعف فالنصب على المعية أولى من التشريك، لسلامته من الضعف، نحو: "سرت وزيدًا" فنصب "زيد" أولى من رفعه لضعف العطف على المضمر المرفوع المتصل بلا فاصل.

وإن لم يمكن عطفه تعين النصب: على المعية أو على إضمار فعل [يليق به]، كقوله:

علفتها تبنا وماءً باردًا

فماءً: منصوب على المعية، أو على إضمار فعل يليق به، والتقدير: "وسقيتها ماء باردًا" وكقوله تعالى: ﴿فأجمعوا أمركم وشركاءكم﴾ فقوله: "وشركاءكم" لايجوز عطفه على "أمركم"؛ لأن العطف على نية تكرار العامل؛ إذلايصح أن يقال: "أجمعت شركائي" وإنمايقال: "أجمعت أمري، وجمعت

شرکائی"فشرکائی:منصوب علی المعیة،والتقدیر—واللہ أعلم— فاجمعوا أمرکم مع شرکائکم،أو منصوب بفعل یلیق بہ،والتقدیر:"فاجمعوا أمرکم واجمعوا شرکاء کم"

ترجمہ وتشریح:

مفعول معہ کے واو کا ماقبل پر عطف:

مفعول معہ میں جس واو کا ذکر ہوتا ہے اس کا ماقبل پر عطف ممکن ہوگا یا نہیں اگر ممکن ہے تو ضعف (ترکیبی کمزوری) کے ساتھ ہوگا یا بغیر ضعف کے۔

اگر عطف بغیر ضعف کے ممکن ہو تو یہ نصب سے زیادہ احق (حقدار) ہے جیسے "کنت أنا وزید کالأخوین" یہاں زید کو ت ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنا اولی ہے اس سے کہ اس کو نصب بنا بر مفعول معہ دیا جائے اس لئے کہ یہاں عطف فاصلہ کی وجہ سے ممکن ہے (قاعدہ ہے کہ عطف ضمیر متصل پر اس وقت جائز ہے جب اس کی تاکید منفصل کے ساتھ ہو یہاں أنا بھی ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید حاصل ہے اس لئے بغیر ضعف کے عطف ممکن ہے) اور حکم میں شریک ہونا (جیسا معطوف، معطوف علیہ میں ہوتا ہے) عدم شرکت سے اولی ہے "ومنہ سار زید وعمرو"

وان امکن الخ:

اگر عطف ممکن ہو لیکن ضعف کے ساتھ تو اس صورت میں نصب بنا بر معیت اولی ہے۔ تشریک سے جیسے "سرت وزیدا" یہاں زید کو ضمیر مرفوع متصل پر عطف کر سکتے ہیں لیکن چونکہ اس کی تاکید منفصل سے نہیں ہوئی ہے (جس کا ہونا ضروری ہے) اس لئے ضعیف ہے۔

اور اگر عطف بالکل معنی کے فساد کی وجہ سے ممکن ہی نہ ہو تو نصب بنا بر معیت یا مناسب فعل کو مقدر ماننا ضروری ہوگا جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۶۶—علفتھا تبنا وماء باردا

ترجمہ:..... میں نے اس (جانور) کو چارہ کھلایا اور ٹھنڈا پانی (پلایا)

تشریح المفردات:

(التبن) بھوسا، جانوروں کی خوراک کا چارہ۔ ماء باردًا ٹھنڈا پانی۔

محل استشہاد:

(وماءً باردًا) محل استشہاد ہے اس کا عطف ماقبل پر ممکن نہیں ہے اس لئے معطوف معطوف علیہ کا عامل ایک دوسرے پر مسلط ہوتا ہے یہاں معطوف علیہ کا عامل معطوف پر مسلط نہیں ہوتا اس لئے کہ عَلَفتُهَا مَاءً نہیں کہا جاتا ہے (کیونکہ چارہ کھلایا جاتا ہے اور پانی کھلایا نہیں جاتا بلکہ پلایا جاتا ہے یعنی عطف کی صورت میں پانی پر "کھلانے" کا حکم لگے گا جو کہ صحیح نہیں۔) اس وجہ سے یہ "مَاءً بَارِدًا" یا تو منصوب بنا بر معیت ہے یا سقیتھا "فعل یہاں حذف ہے۔ ای وسقیتھا ماءً باردًا"

اوراسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "فَاجمعُوا امرکُم وشرکَاءَ کُم"

یہاں "شرکاء کم" کا عطف "امرکم" پر صحیح نہیں اس لئے کہ عطف کی صورت میں اجمعوا شرکاء کم" کہا جائے گا اس لئے کہ "اجمع" ہمزہ کے ساتھ صرف معانی میں استعمال ہوتا ہے "ذوات" میں استعمال نہیں ہوتا (شرکاء یہاں ذوات ہیں) ہاں بغیر ہمزہ کے "جمع" دونوں میں مشترک ہے۔ چنانچہ "شرکائی" منصوب بنا بر معیت ہے۔ ای اجمعوا امرکم مع شرکاء کم یا مناسب فعل محذوف ہے ای اجمِعُوا امرکم واجمَعوا شرکاء کم۔

الاسْتِثْنَاءُ

مَا اسْتَثْنَتْ "اِلَّا" مَعَ تَمَامٍ يَنْتَصِبْ
وَبَعْدَ نَفْيٍ أَوْ كَنَفْيٍ انْتُخِبْ
اتْبَاعُ مَا اتَّصَلَ، وَانْصِبْ مَا انْقَطَعْ
وَعَنْ تَمِيمٍ فِيهِ إِبْدَالٌ وَقَعْ

ترجمہ:......جس کو الا مستثنیٰ کرے کلام کے تام ہونے کے بعد (کلام موجب کی قید یہاں سے مفہوم ہوتی ہے اس لئے کہ بعد میں غیر موجب کو ذکر کیا ہے صراحۃً کلام موجب ذکر نہیں) اور نفی یا شبہ نفی کے بعد مستثنیٰ متصل کو تابع بنانا پسندیدہ ہے اور مستثنیٰ منقطع کو آپ منصوب ہی کریں اور تمیموں سے اس میں بھی بدل واقع ہونا صحیح ہے (یعنی ان کے ہاں پہلے کی طرح یہاں بھی تابع بنا سکتے ہیں)

ش) حكم المستثنى "ب" "إلا" النصب، إن وقع بعد تمام الكلام الموجب، سواء كان متصلا أو منقطعًا، نحو: "قام القوم إلا زيدًا، وضربت القوم إلا زيدًا ومررت بالقوم إلا زيدًا، وقام القوم إلا حمارًا وضربت القوم إلا حمارًا ومررت بالقوم إلا حمارًا ف "زيدًا" في هذه المثل منصوب على الإستثناء، وكذلك "حمارًا"

والصحيح من مذاهب النحويين أن الناصب له ماقبله بواسطة "إلا" واختار المصنف– في غير هذا الكتاب– أن الناصب له "إلا" وزعم أنه مذهب سيبويه وهذا معنى قوله: "ما استثنت الا مع تمام ينتصب" أى: أنه ينتصب الذى استثنته "إلا" مع تمام الكلام، إذا كان موجبًا.

فإن وقع بعد تمام الكلام الذى ليس بموجب– وهو المشتمل على النفى، أو شبهه، والمراد بشبه النفى: النهى، والاستفهام– فإما أن يكون الاستثناء متصلاً، أو منقطعًا، والمراد بالمتصل: أن يكون المستثنى بعضًا مما قبله، وبالمنقطع: ألا يكون بعضًا مما قبله.

فإن كان متصلا، جاز نصبه على الاستثناء، وجاز إتباعه لما قبله في الإعراب، وهو المختار، والمشهور أنه بدل من متبوعه، وذلك نحو: "ماقام أحد إلا زيد، وإلا زيدًا، ولا يقم أحد إلا زيد، وإلا زيدًا، وهل قام أحد إلا زيد؟ وإلا زيدًا، وما ضربت أحدًا إلا زيدًا، ولا تضرب أحدًا إلا زيدًا، وهل ضربت أحدًا إلا زيدًا؟ فيجوز في "زيدًا" أن يكون منصوبًا على الاستثناء، وأن يكون منصوبًا على البدلية من "أحد"، وهذا هو المختار، وتقول: "ما مررت بأحد إلا زيد، وإلا زيدًا، ولا تمرر بأحد إلا زيد، وإلا زيدًا، وهل مررت بأحد إلا زيد؟ وإلا زيدًا.

وهذا معنى قوله: "وبعد نفي أو كنفي انتخب إتباع ما اتصل" أي: اختير إتباع الاستثناء المتصل، إن وقع بعد نفي أو شبه نفي.

وإن كان الاستثناء منقطعًا تعين النصب عند جمهور العرب؛ فتقول ماقام القوم إلا حمارًا" ولا يجوز الاتباع وأجازه بنو تميم فتقول: "ما قام القوم إلا حمار، وما ضربت القوم إلا حمارًا، وما مررت بالقوم إلا حمار"

وهذا هو المراد بقوله: "وانصب ما انقطع" أي: انصب الاستثناء المنقطع إذا وقع بعد نفي أو شبهه عند غير بني تميم، وأما بنو تميم فيجيزون إتباعه.

فمعنى البيتين أن الذي استثني ب"إلا" ينتصب إن كان الكلام موجبًا ووقع بعد تمامه، وقد نبه على هذا التقييد بذكره حكم النفي بعد ذالك وإطلاق كلامه يدل على أنه ينتصب، سواء كان متصلا أو منقطعًا.

وإن كان غير موجب — وهو الذي فيه نفي أو شبه نفي — انتخب — أي: اختير — اتباع ما اتصل ووجب نصب ما انقطع عند غير بني تميم، وأما بنو تميم فيجيزون إتباع المنقطع.

مستثنیٰ باعتبار وجوہ اعراب

یہاں سے مستثنیٰ کے اعراب کی مختلف صورتیں بتارہے ہیں۔

تمہید کے طور پر چند اصطلاحات کو سمجھنا ضروری ہے۔

(۱) استثناء: کسی چیز کو الگ کرنا، علیحدہ کرنا۔

(۲) ادات استثناء: استثناء کے حروف جیسے الا وغیرہ۔

(۳) مستثنیٰ: جس کو الگ کر دیا ہو۔

(۴) مستثنیٰ منہ: جس سے دوسری چیز کو الگ کر دیا گیا ہو جیسے "جاء نی القوم الا زیدا" اس میں قوم مستثنیٰ منہ جبکہ زید مستثنیٰ ہے۔

(۵) مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں متصل، منقطع۔

مستثنیٰ متصل اس کو کہتے ہیں کہ استثناء سے پہلے مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہو لیکن اس کو الا وغیرہ کے ساتھ خارج کر دیا گیا ہو جیسے جاء نی القوم الا زیدا (زید قوم میں داخل تھا لیکن مجیئ میں خارج کر دیا گیا) اور مستثنیٰ منقطع اس کو کہتے ہیں جو الا وغیرہ کے بعد مذکور ہو اور اس کو مستثنیٰ منہ سے نکالا نہ گیا ہو اس لئے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہی نہیں۔ جیسے جاء نی القوم الا حمارا (گدھا قوم میں داخل نہیں ہے)۔

(۶) کلام کی دو قسمیں ہیں کلام موجب، کلام غیر موجب

کلام موجب اس کلام کو کہتے ہیں جس میں نفی نہی استفہام نہ ہو اور غیر موجب اس کو کہتے ہیں جس میں نفی نہی استفہام ہو (واضح رہے کہ شبہ نفی سے مراد نہی اور استفہام ہے)۔

ان مختصر اصطلاحات کو سمجھنے کے بعد اب شرح کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔ مستثنیٰ کے اعراب کو مختلف نمبرات میں تقسیم کرتے ہیں تا کہ طالبعلم آسانی سے سمجھ سکے۔

(۱)..... جو مستثنیٰ کلام موجب کے تام ہونے کے بعد واقع ہو چاہے متصل ہو یا منقطع اس کا حکم منصوب ہوتا ہے جیسے قـــام القوم الاحمارًا، ضربت القوم الاحمارًا، مررت بالقوم الاحمارًا (پہلی مثالیں متصل اور دوسری منقطع کی ہیں ان میں زید اور حمار منصوب بنا بر استثناء ہیں۔

(ضمن میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ اس مستثنیٰ کو نصب دینے والا کونسا عامل ہے ایک قول یہ ہے کہ اس کو نصب دینے والا اس سے پہلے والا فعل ہے لیکن بواسطہ الا کے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا ناصب نفس الا ہے مصنف رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ "مـا استثنت الا" "والغ الا" سے ظاہر ہے جبکہ اپنی دیگر کتابوں میں مصنفؒ نے اس مسلک کی صراحت بھی کی ہے۔ تیسرا قول بھی ہے وہ یہ کہ ناصب الا سے

پہلے واقع ہونے والا فعل ہے لیکن بغیر واسطہ الاّ کے (جس طرح پہلے مذہب والے کہتے ہیں) چوتھا قول یہ ہے کہ اس کا ناصب فعل محذوف ہے اور الاّ اس پر دلالت کر رہا ہے مثلاً جاء القوم الّا زیدًا ای استثنی زیدًا۔ شلوبین رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق پہلا مسلک محققین کا ہے۔

(۲)......اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب کے بعد واقع ہو تو مستثنیٰ یا متصل ہوگا یا منقطع اگر متصل ہے تو اس میں نصب بنا بر استثناء بھی جائز ہے اور ماقبل سے تابع بنانا بھی جائز ہے اور مشہور قول کے مطابق یہ ماقبل سے بدل ہے جیسے "ما قَامَ احدٌ الّا زیدٌ، الّا زیدًا لایقم احدٌ الّا زیدٌ، الّا زیدًا، هَلْ قَامَ احدٌ الّا زیدٌ، الّا زیدًا" (استفہام کی مثال ہے) وغیرہ یہاں زید کو منصوب بنا بر استثناء بھی کر سکتے ہیں اور احدٌ سے بدل بھی بنا سکتے ہیں اور یہی مختار مسلک ہے۔

مصنفؒ کے قول "وبعد نفی او کنفی الخ" سے یہی مراد ہے۔

(اس صورت میں بدل واقع ہونے کا مسلک بصریین کا ہے ان کے ہاں یہ بدل البعض من الکل ہے اور کوفیین کے نزدیک یہاں "الّا" حرف عطف ہے اور مابعد والا اسم اس پر عطف ہے یہی وجہ ہے کہ ابو العباس احمد بن یحیی کوفی رحمہ اللہ نے بصریین پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس صورت میں (مثلاً ماقام احدٌ الا زیدٌ) زید کیسے بدل واقع ہو سکتا ہے جبکہ اس کا متبوع احد منفی ہے بایں طور کہ احد سے قیام کو نفی اور زید کیلئے ثابت کیا جا رہا ہے لیکن ابو سعید سیرافی (جو کتاب سیبویہؒ کے شارح ہیں) نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں ہم نے صرف عامل کے عمل میں ماقبل سے بدل بنایا ہے اور نفی و اثبات میں مخالفت بدل ہونے کیلئے معترض نہیں جیسے مررت برجل لاکریم ولا لبیب "مررت برجل لازید ولاعمرو" اور بعض حضرات نے یہاں استثناء کی بحث میں بدل کو اس معنی میں لیا ہے کہ یہ پہلے کی جگہ پر آیا ہے معروف بدل مراد نہیں (یعنی جو توابع میں ذکر کیا جاتا ہے) ولکلٍ وجهة۔

(۳) وان کان الاستثناء منقطعا الخ:

اور اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب کے بعد واقع ہو اور منقطع ہو تو اس صورت میں جمہور عرب کے ہاں نصب متعین ہے جیسے "ماقَامَ القومُ الّا حمارًا" اور تابع بنانا جائز نہیں اگرچہ بنو تمیم نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

فمعنی البیتین الخ: سے شارح اسی مذکورہ تفصیل کو دوبارہ ذکر کر رہے ہیں فلاحاجة الی الاعادة.

وَغَيْـرُ نَصْـبِ سَـابِقٍ فِـي الـنَّـفْـيِ قَـدْ
يَـأْتِـي وَلَـكِـنْ نَـصْـبَـهُ اخْتَـرْ إِنْ وَرَدْ

ترجمہ:......کلام غیر موجب میں مستثنیٰ سابق کے علاوہ (یعنی رفع) بھی آتا ہے لیکن اس
کے نصب کو آپ پسند کریں اگر اس طرح آجائے۔

(ش) إذا تقدم المستثنیٰ على المستثنیٰ منه فإمّا أن يكون الكلام موجباً أو غير موجب.
فإن كان موجباً وجب نصب المستثنیٰ، نحو: "قام إلا زيداً القوم"، وإن كان غير موجب
فالمختار نصبه، فتقول: "ما قام إلا زيداً القوم" ومنه قوله

۱۶۷ - فَمَـا لِـيَ إِلَّا آلَ أَحْمَـدَ شِيعَـةٌ
وَمَـا لِـيَ إِلَّا مَـذْهَـبَ الْحَـقِّ مَـذْهَـبُ

وقد رُوِيَ رفعُه فتقول "مَاقَامَ إلّا زيدٌ القومُ" قال سيبويه حدثني يونس أن قوماً يوثق بعربيتهم
يقولون: "ما لي إلا أخوك ناصر" وأعربوا الثاني بدلاً من الأول [على القلب] [لهذا السبب] ومنه
قوله:

۱۶۸ - فَـإِنَّهُـمْ يَـرْجُـونَ مِـنْـهُ شَـفَـاعَـةً
إِذَا لَـمْ يَـكُـنْ إِلَّا الـنَّـبِـيُّـونَ شَـافِـعُ

فمعنى البيت: أنه قد ورد في المستثنیٰ السابق غير النصب - وهو الرفع - وذلك إذا كان
الكلام غير موجب، نحو: "ماقام إلا زيدٌ القوم" ولكن المختار نصبه.

وعلم من تخصيصه ورود غير النصب بالنفي أنّ الموجب يتعين فيه النصب، نحو: "قام إلا زيداً
القوم"

ترجمہ وتشریح:

(۳)......اگر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو تو یا کلام موجب ہوگا یا غیر موجب اگر موجب ہے تو مستثنیٰ کا نصب واجب ہے جیسے
"قَامَ الا زَيداً القومُ اور غیر موجب ہو تو اس کا نصب مختار ہے جیسے" مَاقَامَ الَّا زيداً القومُ" اور اسی سے شاعر کا

یہ قول ہے۔

۱۶۷ - فَمَا لِيَ اِلّا آلَ اَحْمَدَ شِيعَةٌ
وَمَا لِيَ اِلّا مَذْهَبَ الْحَقِّ مَذْهَبُ

ترجمہ:......پس میرے لئے احمد ﷺ کے آل علاوہ کوئی جماعت نہیں اور نہ ہی میرے لئے حق مذہب کے سوا کوئی مذہب ہے۔

تشریح المفردات:

(مالی) خبر مقدم ہے (ما) نافیہ ہے، (شیعۃ) فرقہ، جماعت، پیروکار، مددگار، شیع اور جمع الجمع اشیاع آتی ہے۔ (مذهب الحق) میں یا اضافت ثانی حذف ہے ای مذهب اهل الحق یا اضافة الموصوف الی الصفة کے قبیل سے ہے جیسے مسجد الجامع۔

محل استشہاد:

(الا آل احمد الا مذهب الحق) محل استشہاد ہے یہاں دونوں جگہوں میں مستثنیٰ منصوب ہے مستثنیٰ منہ پر مقدم ہے اور کلام غیر موجب ہے یہی مسلک مختار ہے۔

نیز اس صورت میں رفع بھی مروی ہے جیسے "ماقام الا زيد القوم" یہی وجہ ہے کہ امام سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یونس نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک قوم ہے جن کی عربیت پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ کہتی ہے "مالی الا اخوک ناصر" یہاں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہے کلام موجب ہے پھر بھی مرفوع ہے ان کے ہاں دوسرا اول سے بدل واقع ہے (بدل الکل سے مراد بدل کل ہے)

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۶۸ - فَاِنَّهُمْ يَرْجُوْنَ مِنْهُ شَفَاعَةً
اِذَا لَمْ يَكُنْ اِلّا النَّبِيُّوْنَ شَافِعُ

ترجمہ:......(حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ شاعر رسول کا شعر ہے بدر کے دن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ) یہ لوگ آپ ﷺ سے سفارش

کی امید رکھتے ہیں جب انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی سفارش کرنے والانہیں ہوگا۔

تشریح المفردات:

(یرجُون)نصر سے جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے امید رکھنے کے معنی میں ہے(شفاعة)فتح سے بمعنی سفارش۔

محل استشہاد:

(الاالنبیُّونَ) محل استشہاد ہے یہاں مستثنیٰ(النبیّون) مرفوع ہے مستثنیٰ منہ (شافع) پرمقدم ہے کلام غیر موجب ہے نصب یہاں مختار ہے لیکن پھر بھی رفع آیا ہے۔

وعلم الخ:

غیر نصب یعنی رفع کو نفی کے ساتھ خاص کیا اس سے معلوم ہوا کہ کلام موجب میں نصب متعین ہے جیسے " قَامَ الاّ زیدًاالقومُ"

وَإنْ يُفَرَّغْ سَابِقٌ "إلَّا" لِمَا
بَعْدُ يَكُنْ كَمَا لَوِ "إلَّا" عُدِمَا

ترجمہ:.....اگر "الاّ" کا ماقبل مابعد کیلئے فارغ ہوتو یہ ایسا ہوگا گویا کہ "الاّ" موجود ہی نہیں۔

(ش) إذا تفرغ سابق "إلّا" لِمَا بعدها -أی: لم يشتغل بمايطلبه- كان الاسم الواقع بعد "إلا" معربا بإعراب مايقتضيه ماقبل "إلا" قبل دخولها، وذلك نحو: "ما قام إلازيد، وماضربت إلازيدًا، ومامررت إلابزيد" ف"زيد": فاعل مرفوع بقام، و"زيدًا": منصوب بضربت، و"بزيد": متعلق بمررت، كما لولم تذكر "إلا"

وهذاهو الاستثناء المفرغ ولايقع فی كلام موجب فلا تقول: "ضربت إلا زيدًا"

ترجمہ وتشریح:

اگر مستثنیٰ منہ مفرغ ہو یعنی ذکر نہ ہوتو اس صورت میں "الاّ" کے بعد واقع ہونے والے اسم پر اس طرح اعراب

جاری ہوگا جس طرح اعراب "الّا" کے داخل ہونے سے پہلے جاری ہوتا تھا جیسے "ماقام الا زید، ماضربت الا زیدًا" مامررت الا بزید اس کو استثناء مفرغ کہتے ہیں اور یہ کلام موجب میں واقع نہیں ہوتا۔ چنانچہ آپ نہیں کہہ سکتے کہ "ضربت الا زیدًا" اس لئے کہ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ میں نے تمام لوگوں کو مارا سوائے زید کے اور یہ محال ہے جبکہ ابن حاجب رحمہ اللہ کا مسلک ہے کہ جب الا کا مابعد فضلہ ہو یا فائدہ حاصل ہوتا ہو تو وہاں کلام موجب میں بھی استثناء صحیح ہے جیسے کوئی طالب علم کہے " قرأت الایوم الجمعة "

وَاَلْغِ اِلّاَ ذاتَ تَوکِیدٍ کَلا
تَمْرُرْ بِهِم اِلا الفتی اِلا العُلا

ترجمہ:......اور آپ تاکید والے الا کو لغو قرار دیں (یعنی اس کے ذریعہ عمل نہ دیں، پہلے ذکر ہو چکا کہ مستثنیٰ کو ناصب مصنفؒ کے ہاں الا ہے اس لئے یہاں الا کے ملغی کرنے کا ذکر کیا اور اکثر نحویوں کے ہاں مستثنیٰ کو نصب دینے والا سابق اسم ہی ہے) جیسے لا تمرر الخ۔ ترجمہ:......آپ ان پر نہ گزریں مگر اس جوان پر جو بلندی والا ہے اس پر گزر جائیں "العلاء" تو عین کے فتحہ اور الف ممدودہ کے ساتھ ہے بمعنی شرافت اور قصر ضرورۃ شعری کی وجہ سے ہے۔ یا عین کے ضمہ اور الف مقصورہ کے ساتھ ہے جمع ہے علیاء کی دونوں صورتوں میں عبارت میں مضاف حذف ہے مثلاً ذو العلا یہاں دوسرا الا تاکید کیلئے ہے اور العلاء ماقبل الفتیٰ سے بدل کل ہے)

(ش) إذا كررت "إلا" لقصد التوكيد لم تؤثر فيما دخلت عليه شيئًا ولم تفد غير توكيد الأولى، وهذا معنى إلغائها، وذلك في البدل والعطف، نحو: "مامررت بأحد إلا زيد إلا أخيك" ف "أخيك" بدل من "زيد" ولم تؤثر فيه "إلا" شيئًا، أي لم تفد فيه استثناء مستقلا، وكأنك قلت: مامررت بأحد إلا زيد إلا أخيك" ف "أخيك" بدل من "زيد" ولم تؤثر فيه "إلا" شيئًا، أي لم تفد فيه استثناء مستقلا، وكأنك قلت: ما مررت بأحد إلا زيد أخيك، ومثله: "لا تمرر بهم إلا الفتى إلا العلا" [والأصل: لا تمرر بهم إلا الفتى العلا] ف "العلا" بدل من الفتى، وكررت "إلا" توكيدًا، ومثال العطف "قام القوم إلا زيدًا وإلا عمرًا" والأصل: إلا زيدًا وعمرًا، ثم كررت "إلا" توكيدًا، ومنه قوله:

۱۶۹ - هَلِ الدَّهْرُ اِلَّا لَيْلَةٌ وَنَهَارُهَا
وَاِلَّا طُلُوْعُ الشَّمْسِ ثُمَّ غِيَارُهَا

والأصل: وطلوع الشمس، وكررت "إلا" توكيدًا.

وقد اجتمع تكرارها فى البدل والعطف فى قوله:

۱۷۰ - مَالَکَ مِنْ شَيْخِکَ اِلَّا عَمَلُه
اِلَّا رَسِيْمُهُ وَاِلَّا رَمَلُه

والأصل: إلا عمله رسيمه ورمله، ف"رسيمه": بدل من عمله، "ورمله" معطوف على "رسيمه" وكررت "إلا" فيهما توكيدًا.

ترجمہ وتشریح:

الاّ کا تاکید کیلئے مکرّر آنا:

جب الاّ محض تاکید کیلئے مکرّر لایا جائے تو اپنے مدخول میں کچھ عمل نہیں کرتا اور پہلے تاکید کے علاوہ دوسرا فائدہ نہیں دیتا، یہاں الغاء کا یہی معنی ہے اور یہ بدل اور عطف میں ہوتا ہے جیسے "ما مررت باحد الا زید الا اخیک" یہاں اخیک زید سے بدل ہے اور الاّ نے اس میں مستقل استثناء کا فائدہ نہیں دیا، اسی طرح الا لیمرر الخ ہے (کمامرّ ذکرہ)

عطف کی مثال "قَامَ الْقَومُ اِلَّا زَيْدًا وَاِلَّا عَمْرًا" اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے

۱۶۹ هَلِ الدَّهْرُ اِلَّا لَيْلَةٌ وَنَهَارُهَا
وَاِلَّا طُلُوْعُ الشَّمْسِ ثُمَّ غِيَارُهَا

ترجمہ: ...... زمانہ نہیں مگر رات اور دن، اور سورج کا طلوع ہونا پہلے اور پھر غائب ہو جاتا ہے۔

تشریح المفردات:

(الدھر) زمانہ، کم ہو یا زیادہ، اور ہمیشہ مدت دنیا پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے یہاں یہی مراد ہے۔ (لیلۃ) رات، من غروب الشمس الى طلوع الفجر، جمع اس کی لیالی آتی ہے غیر قیاسی طور پر، (نھار) دن، شرعًا

طلوع فجر سے غروب شمس تک اور عرفاً طلوع شمس سے غروب شمس تک کو کہا جاتا ہے (غیار) غروب ہونا، بعض نسخوں میں راء کی جگہ باء آئی ہے یعنی غیاب بمعنی غائب ہونا، لیکن چونکہ راء کا قصیدہ ہے اس لئے غیار صحیح ہے۔

محل استشہاد:

(والاّ طلوع) محل استشہاد ہے یہاں دوسرا "لا ملغی ہے اس لئے کہ زائد ہے اور پہلے والے "الاّ" کی تاکید کے لئے ہے یہاں دوسرے نے عمل نہیں کیا اس لئے کہ یہ پہلے کے تابع ہے اس پر عطف ہے "والتقدیر وطلوع الشمس"

وقداجتمع تکرارِ ھاالخ:

کبھی بدل اور عطف دونوں میں الاّ ایک ساتھ آتا ہے جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۰- مَـالکَ مِـنْ شیخکَ اَلا عَـمَلُـه

اَلا رسیمُه وَاَلا رَملُه

ترجمہ:...... آپ کے کیلئے آپ کے بڑھاپے کا کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کے عمل کے جو صفا مروہ کی سعی اور طواف کی سعی ہے۔

تشریح المفردات:

(شیخ) اس آدمی کو کہتے ہیں جو بڑھاپے میں داخل ہو چکا ہو اس معنی پر (رسیم) سعی بین الصفاوالمروۃ، اور رمل سعی فی الطواف کو کہا جائے گا، بعض حضرات نے "شیخ" سے مراد اونٹ لیا ہے لیکن اکثر شارحین مثلاً شیخ عبدالمنعم الجرجاوی نے شرح شواھد ابن عقیل میں اور شیخ قطة العدوی نے فتح الجلیل میں اور بعض دیگر حضرات نے ان پر رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ (شیخ) ناسخین کی غلطی ہے یہ اصل میں ان کے ہاں شنج (بالنون والجیم) ہے اور یہی شنج بمعنی جمل یعنی اونٹ کے ہے اس صورت میں رسیم اور رمل چلنے کی دو قسموں کی طرف اشارہ ہے فالرسم سیر الحمل بغیر سرعة والرمل بالعکس (رسیم تیزی سے اونٹ کی رفتار کو کہتے ہیں اور رمل آہستگی والی رفتار کو کہتے ہیں) اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آپ کو آپ کے اونٹ سے کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کی تیز اور آہستہ رفتار کے۔

محلِ استشہاد:

(الا رسیمہ والا رملہ) محلِ استشہاد ہے یہاں الاّ بدل اور عطف میں مکرر آیا ہے اصل میں تھا الاّ عملہ، رسیمہ ورملہ تھا رسیمہ، عملہ سے بدل ہے اور رملہ، رسیمہ پر عطف ہے اور الاّ تاکید کیلئے مکرر ہے۔

وان تُکرّر لا لِتوکیدٍ فَمَع
تفریغ التّأثیرَ بالعَامِلِ دَع
فِی واحدٍ مِمّا بالّا استثنِی
وَلَیسَ عَنْ نصبِ سواہ مُغنِی

ترجمہ:...... اگر الاّ تاکید کیلئے مکرر آجائے تو مفرّغ میں ایک میں عامل کی تاثیر کو چھوڑ دیں (یعنی ایک میں عمل دیدیں) جو الاّ کے ذریعہ مستثنیٰ ہو اور اس کے علاوہ میں نصب کے علاوہ کوئی خلاصی (چارہ) نہیں۔

(ش) إذا کررت "إلا" لغیر التوکید—وھی: التی یقصد بھا مایقصد بما قبلھا من الاستثناء، ولو أسقطت لما فھم ذلک—فلا یخلو: إما أن یکون الاستثناء مفرغا، أو غیر مفرغ.

فإن کان مفرغا شغلت العامل بواحد ونصبت الباقی؛ فتقول: "ماقام إلا زید إلا عمرًا إلا بکرًا" ولا یتعین واحد منہ لشغل العامل، بل أیھا شئت شغلت العامل بہ، ونصبت الباقی، وھذا معنی قولہ: "فمع تفریغ—إلی آخرہ" أی: مع الاستثناء المفرغ اجعل تأثیر العامل فی واحد مما استثنیتہ بإلا، وانصب الباقی. وإن کان الاستثناء غیر مفرغ، وھذا ھو المراد بقولہ:

ترجمہ وتشریح:

اگر الاّ کو تاکید کے علاوہ کیلئے مکرر لایا جائے یعنی اس سے بھی مقصود وہی ہو جو ما قبل والے استثناء سے مقصود ہے اور الاّ کو ساقط کرنے کی صورت میں مقصود حاصل نہ ہوتا ہو تو اس صورت میں استثناء یا مفرّغ ہوگا یا غیر مفرّغ۔

اگر مستثنیٰ مفرّغ ہے تو ایک مستثنیٰ کو آپ عمل سے مشغول کرلیں اور باقیوں کو نصب دیدیں جیسے "ماقَامَ الاّ زیدٌ الاّ عمرًا الاّ بکرًا" نیز ایک کو عمل کیلئے متعین کرنا ضروری نہیں جس کو چاہیں عمل کیلئے متعین کرکے باقیوں کو نصب دیدیں فمع

تفریغ الخ سے مصنفؒ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اگر غیر مفرغ ہے تو اس کی تفصیل مصنفؒ نے اپنے اس قول میں ذکر کیا ہے۔

وَدُونَ تَفْرِيغٍ مَعَ التَّقَدُّمِ
نَصْبَ الْجَمِيعِ احْكُمْ بِهِ وَالْتَزِمِ
وَانْصِبْ لِتَأْخِيرٍ، وَجِئْ بِوَاحِدِ
مِنْهَا كَمَا لَوْ كَانَ دُونَ زَائِدِ
كَلَمْ يَفُوا إِلاَّ امْرُؤٌ إِلاَّ عَلِي
وَحُكْمُهَا فِي الْقَصْدِ حُكْمُ الأَوَّلِ

ترجمہ:.....مفرغ کے علاوہ میں جب مستثنیات مقدم ہوں تو سب کے نصب پر فیصلہ کریں اور اس کو لازم کردیں اور مؤخر ہونے کی صورت میں نصب دیں (یعنی باقی مستثنیات کو نصب دیں) اور ایک مستثنیٰ کو اس طرح لائیں گویا کہ وہ زائد کے بغیر ہے (یعنی الا کے بغیر ہے) جیسے "لم یفوا الا امرؤ الا علی (ان میں سے کسی نے عہد کو پورا نہیں کیا مگر ایک آدمی نے اور علی نے۔

(ش) فلا یخلو: إما أن تتقدم المستثنیات علی المستثنیٰ منہ، أو تتاخر،

فإن تقدمت المستثنیات وجب نصب الجمیع، سواء کان الکلام موجبا أو غیر موجب، نحو: "قام إلا زیداً إلا عمراً إلا بکراً القوم، وما قام إلا زیداً إلا عمراً إلا بکراً القوم" وھذا معنی قولہ: "ودون تفریغ–البیت"

وإن تأخرت فلا یخلو: إما أن یکون الکلام موجبا، أو غیر موجب، فإن کان موجبا وجب نصب الجمیع، فتقول: "قام القوم إلا زیداً إلا عمراً إلا بکراً" وإن کان غیر موجب عومل واحد منها بما کان یعامل بہ لو لم یتکرر الاستثناء، فیبدل مما قبلہ–وھو المختار–أو ینصب–وھو قلیل–کما تقدم، وأما باقیھا فیجب نصبہ، وذلک نحو: "ما قام أحد إلا زید إلا عمراً إلا بکراً" ف"زید" بدل من أحد وإن شئت أبدلت غیرہ من الباقین، ومثلہ قول المصنف: "لم یفوا إلا امرؤ إلا علی" فـ

امرؤ" بدل من الواو في "يَعْفُوا" وهذا معنى قوله "وانصب لتأخير" أي: وانصب المستثنيات كلها إذا تأخرت عن المستثنى منه إن كان الكلام موجبًا، وإن كان غير موجب فجئ بواحد منها معربًا بما كان يعرب به لو لم يتكرر المستثنى، وانصب الباقي.

ومعنى قوله: "وحكمها في القصد حكم الأول" أن ما يتكرر من المستثنيات حكمه في المعنى حكم المستثنى الأول؛ فيثبت له ما يثبت للأول: من الدخول والخروج، ففي قولك: "قام القوم إلا زيدًا إلا عمرًا إلا بكرًا" الجميع مخرجون، وفي قولك: "ما قام القوم إلا زيدًا إلا عمرًا إلا بكرًا" الجميع داخلون، وكذا في قولك: "ما قام أحد إلا زيد إلا عمرًا إلا بكرًا" [الجميع داخلون].

ترجمہ وتشریح:

اگر مستثنیٰ غیر مفرغ ہے تو پھر یا مستثنیات مستثنیٰ منہ پر مقدم ہونگے یا مؤخر اگر مقدم ہوں تو سب کا نصب واجب ہے چاہے کلام موجب ہو یا غیر موجب جیسے " قام الازیدًا الا عمرًا الابکرًا القوم ماقام الخ

اور اگر مؤخر ہوں تو کلام موجب ہوگا یا غیر موجب موجب ہو تو سب کا نصب واجب ہے جیسے " قام القوم الازیدًا الاعمرًا الابکرًا" اور غیر موجب کلام ہو تو ایک مستثنیٰ کے ساتھ اسی طرح معاملہ کیا جائے جس طرح استثناء مکرر نہ ہونے کی صورت میں تھا چنانچہ وہ ماقبل سے بدل ہوگا اور یہی مختار ہے یا منصوب ہوگا اور یہ قلیل ہے اور باقیوں کا نصب واجب ہے جیسے "ماقام احدٌ الازیدٌ الاعمرًا الابکرًا" زید یہاں احدٌ سے بدل ہے اور اس کے علاوہ کسی بھی ایک مستثنیٰ کو آپ بدل کیلئے متعین کر سکتے ہیں اور اسی سے مصنف کا یہ قول ہے " لم یعفو الا امرؤٌ الا علی"

یہاں امرؤ، لم یعفوا کے واؤ سے بدل ہے "علی" مستثنیٰ منصوب ہے لیکن ضرورت شعریہ کی وجہ سے مرفوع ہے

مصنفؒ کے قول "وانصب لتاخیر الخ کا یہی مطلب ہے۔

"وحکمها فی القصد حکم الاول" کا مطلب یہ ہے کہ جو مستثنیات میں سے مکرر ہوں ان کا حکم مستثنیٰ اول کی طرح ہے چنانچہ " قام القومُ الازیدًا الاعمرًا الابکرًا" میں سب قیام کے حکم سے خارج ہیں اور "ماقام القوم الازیدًا الاعمرًا الا بکرًا" میں سب قیام میں داخل ہیں وغیرہ۔

وَاسْتَثْنِ مَجْرُورًا بِغَيْرٍ مُعْرَبَا

بِمَا لِمُسْتَثْنًى بِإِلَّا نُسِبَا

ترجمہ:..... "غیر" کے ذریعہ مستثنیٰ کو مجرور کردیں اس حال میں کہ خود "غیر" پر وہ اعراب ہو جو مستثنیٰ بالّا کی طرف منسوب ہے۔

(ش) استعمل بمعنى "إلا" —في الدلالة على الاستثناء— ألفاظ : منهاماهو اسم وهو "غير، وسوى، وسِوى، وسواءً"، ومنهاماهو فعل، وهو "ليس، ولايكون"، ومنهامايكون فعلاً وحرفًا، وهو "عدا، وخلا، وحاشا" وقدذكرها المصنف كلها.

فأما "غير، وسوى، وسوى، وسواءً" فحكم المستثنى بها الجر؛ لإضافتها إليه؛ وتعرب "غير" بما كان يعرب به المستثنى مع "إلا" فتقول: "قام القوم غير زيدٍ" بنصب "غير" كما تقول: "قام القوم إلا زيدًا" بنصب "زيد" وتقول: "ما قام أحدغيرزيد، وغيرزيد" بالأتباع والنصب، والمختار الأتباع، كما تقول: "ما قام أحد إلا زيدٌ، وإلا زيدًا" وتقول: "ماقام غيرزيدٍ" فترفع "غير" وجوبًا كماتقول: "ماقام إلا زيد" برفعه وجوبًا، وتقول "ماقام أحدغير حمارٍ" بنصب "غير" عندغير بني تميم، وبالإتباع عند بني تميم، كما تفعل في قولك: "ما قامَ أحَدٌ إلا حِمَارٌ، وإلا حمارًا"

وأما "سوى" فالمشهور فيها كسر السين والقصر، ومن العرب من يفتح سينها ويمد، ومنهم من يضم سينها ويقصر، ومنهم من يكسر سينها ويمد، وهذه اللغة لم يذكرها المصنف، وقل من ذكرها، وممن ذكرها الفارسي في شرحه للشاطبية.

ومذهب سيبويه والفرّاء وغيرهما أنها لا تكون إلا ظرفًا، فإذا قلت: "قام القوم سوى زيد" ف "سوى" عندهم منصوبة على الظرفية، وهي مشعرة بالاستثناء، ولا تخرج عندهم عن الظرفية إلا في ضرورة الشعر.

واختار المصنف أنها كـ "غير" فتعامل بماتعامل به "غير": من الرفع والنصب والجر، وإلى هذاأشار بقوله:

استثناء پر دلالت کرنے والے الفاظ

استثناء پر دلالت کرنے میں الا کے معنی میں کئی الفاظ استعمال ہوتے ہیں بعض اسم ہیں جیسے "غیــــر، ســوی، سِوَی، سَوَاء" اور بعض فعل ہیں جیسے: لَیْسَ، لایکُون بعض ایسے ہیں جو فعل بھی استعمال ہوتے ہیں اور حرف بھی جیسے "عَـدَا، خَـلا، حَاشَا، مصنفؒ نے ان سب کی تفصیل ذکر کی ہے کہ کن صورتوں میں یہ فعل ہونگے اور کن صورتوں میں حرف، پوری تفصیل انشاء اللہ آگے آرہی ہے۔

"غیر، سِوی، سُوَی، سواء" کے ساتھ جس کو مستثنیٰ کیا جائے تو اس کی طرف چونکہ یہ مضاف ہونگے اس لئے وہ مستثنیٰ مجرور ہوگا اور "غیر" کو اس طرح اعراب دیا جائے گا جس طرح مستثنیٰ بہ الا کو دیا جاتا تھا "علی التفصیل الذی قرء تموہ فی نحو میر وھدایۃ النحو وھذا الکتاب فلا حاجۃ الی الاعادۃ"

"ســوی" میں مشہور سین کا کسرہ اور قصر ہے، اور عرب میں سے بعض حضرات سین کو فتحہ دے کر مــد پڑھتے ہیں اور بعض سین کا ضمہ اور قصر اور بعض سین کا کسرہ اور مد پڑھتے ہیں اس آخری لغت کو مصنفؒ نے یہاں ذکر نہیں کیا (باقی تین لغات کو اگلے متن میں ذکر فرمایا ہے) البتہ فارسیؒ (ابوعبداللہ جمال الدین محمد بن حسن متوفی ۶۵۶ھ) نے شاطبیہ کی شرح میں اس کو ذکر کیا ہے۔

ومذھب سیبویہ الخ:

امام سیبویہ اور فراء رحمھما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ "سوی" صرف ظرف استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ جب آپ "قام القوم سِوی زید" کہینگے تو اس میں "سوی" منصوب بنا بر ظرفیت ہوگا اور استثناء پر مُشْعِرْ (خبر دینے والا) ہوگا ان کے ہاں ظرفیت سے نہیں نکلتا مگر ضرورت شعری کی وجہ سے جس طرح کہ آگے اشعار آرہے ہیں وہاں "ســوی" مرفوع منصوب، مجرور سب استعمال ہوا ہے)

یہاں اشعار سے پہلے مختصراً "سوی" میں نحویوں کے مختلف مذہبوں کو بیان کیا جاتا ہے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ "ســوی" منصوب بنا بر ظرفیت ہی ہوتا ہے یا اس کے علاوہ مختلف عوامل آنے کی وجہ سے مرفوع، مجرور بھی ہوتا ہے اس میں مشہور تین مذاہب ہیں۔

(۱)...... پہلا مذہب امام سیبویہؒ اور خلیلؒ کا ہے کہ یہ نصب بنا بر ظرفیت سے نکلتا ہی نہیں اگر کلام عرب میں اس کے خلاف

آ جائے تو اگر اس کی تاویل ممکن ہو تو تاویل کی جائے گی وگرنہ وہ شاذ ہوگا "ولا یقاس علیہ غیرہ"

(۲)......دوسرا مذہب کوفیین کا ہے مصنف علیہ الرحمۃ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے کہ "سوی" کبھی ظرف بھی آتا ہے اور کبھی مختلف عوامل آنے کی وجہ مرفوع، منصوب (غیر ظرفیت کی وجہ سے) بھی آتا ہے اور اس کا غیر ظرف ہونا ضرورت شعری کے ساتھ بھی خاص نہیں اور شاذ بھی نہیں۔

(۳)......تیسرا مذہب رمانی اور ابو البقاء العکبری رحمہما اللہ کا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ظرف بھی استعمال ہوتا ہے اور غیر ظرف بھی، لیکن ظرف استعمال ہونا بنسبت غیر ظرف کے استعمال ہونے کے کثیر ہے، یہ رائے ابن ہشام رحمہ اللہ کی بھی ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے فرمایا ہے "والی مذھبھما اذھب"

فیصلہ کن مذہب

ایسے مواقع پر صاحب منحۃ الجلیل دوٹوک الفاظ میں انصاف کا فیصلہ فرماتے ہیں کہ عرب سے مختلف اشعار وارد ہوئے ہیں ان کی کثرت کو اور ان کے علاوہ احادیث کو دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا مذہب (یعنی مذکورہ مذاہب میں دوسرا مذہب) راجح ہے اور دیگر حضرات کا مرجوح ہے، اور یہ تاویل کرنا کہ یہ ضرورت شعری ہے وغیرہ وغیرہ اس کی کوئی ضرورت نہیں (چونکہ آگے اشعار میں اسی کو پیش کیا جائیگا کہ "سوی" مختلف عوامل آنے کی وجہ سے مرفوع، منصوب، مجرور استعمال ہوا ہے لہٰذا اس کو ابھی سے ذہن میں محفوظ کرلیں تاکہ باربار ان مذاہب کا اعادہ نہ ہو۔ فإن خیر الکلام ماقلّ ودلّ")

واختار المصنف الخ:

مصنفؒ نے یہ جو کہا ہے کہ "سوی" کے ساتھ "غیر" والا معاملہ ہوگا یعنی مرفوع، منصوب، مجرور ہونا اس کی طرف مصنفؒ نے اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

وَلِسِوًى سُوًى سَوَاءٍ اجْعَلَا
عَلَى الاصَحِّ مَا لِغَيْرٍ جُعِلَا

ترجمہ:......سِوی، سُوی، سَواء کیلئے صحیح قول کے مطابق وہ حکم لگائیں جو لفظ "غیر" کیلئے ہے۔

(ش) فمن استعمالها مجرورة قوله ﷺ: "دعوت ربی ألا یسلط علی أمتی عدوا من سوی أنفسها" وقوله ﷺ: "ما أنتم فی سواکم من الأمم إلا کالشعرة السوداء فی الثور الأبیض"، وقول الشاعر:

۱۷۱- ولا ینطلق الفحشاء مَنْ کان منهم
إذا جلسوا منا ولا من سوائنا

ومن استعمالها مرفوعة قوله:

۱۷۲- وإذا تُباعُ کریمةٌ أو تُشترى
فسواکَ بائعُها وأنتَ المُشترى

وقوله:

۱۷۳- ولم یبقَ سوی العدوان
دِنّاهُم کما دانوا

ف "سواک" مرفوع بالابتداء، و"سوی العدوان" مرفوع بالفاعلیة. ومن استعمالها منصوبة علی غیر الظرفیة قوله:

۱۷۴- لدیک کفیلٌ بالمُنی لمؤمّلٍ
وإنّ سواکَ مَنْ یؤمّله یشقی

ف "سواک" اسم "إن"، هذا تقریر کلام المصنف.

ومذهب سیبویه والجمهور أنها لا تخرج عن الظرفیة إلا فی ضرورة الشعر، وما استشهد به علی خلاف ذلک یحتمل التأویل.

ترجمہ وتشریح:

مصنفؒ کی موافقت میں (کہ سوی الخ منصوب بنا بر ظرفیت کے بغیر بھی استعمال ہوتا ہے) شارح مختلف مثالیں ذکر فرما رہے ہیں۔

"سوی" کے مجرور استعمال ہونے کی مثال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "دَعَوْتُ رَبّی اَلّا یُسَلِّطَ عَلٰی اُمّتی عَدُوًّا مِنْ سِوَی أنفسِها" اور یہ قول مَا اَنتُم فی سِوَاکم من الامم الخ (یہاں من سوی" فی سواکم" میں "سوی" مجرور استعمال ہوا ہے۔)

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۱–ولا یَنطِقُ الفحشاءَ مَنْ کَان مِنْهُم
إذا جَلَسُوا مِنَّا وَلاَ مِنْ سِوَائِنَا

ترجمہ:......اور ان میں سے کوئی بھی بری بات نہیں کہتا (جب وہ کہیں بیٹھ جائیں) نہ ہم سے اور نہ ہمارے علاوہ کسی اور سے۔

تشریح المفردات:

(لا) نافیہ ہے (ینطق) ضرب سے بمعنی بولنا (الفحشاء) بری بات، بدکلامی، فحش گوئی، یہ منصوب بنزع الخافض ہے ای بالفحشاء یا مفعول مطلق ہے حذف مضاف کے ساتھ ای " نطق الفحشاء"

محل استشہاد:

(من سوائنا) محل استشہاد ہے یہاں سواء ظرفیت سے نکل کر مِنْ کے ساتھ مجرور استعمال ہوا ہے (قد مرّ مافیہ) "سوی" کے مرفوع استعمال کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۲–وَاذا تُبَاعُ کَرِیمَۃٌ اَوْ تُشْتَرٰی
فَسِوَاکَ بَائِعُهَا وَأنتَ المُشْتَرِی

ترجمہ:......جو کوئی اچھی صفت بیچی یا خریدی جاتی ہو تو آپ کے علاوہ دوسرے حضرات اس کو بیچنے والے اور آپ خریدنے والے ہوتے ہیں۔

تشریح المفردات:

(واذا) میں واؤ کوفیین کے ہاں زائد ہے، دیگر حضرات کے ہاں استینافیہ ہے (کریمۃ ای خصلۃ حمیدۃ) اچھی صفت۔

محلِ استشہاد:

(سواک) محلِ استشہاد ہے ظرفیت سے نکل کر "سوی" مبتدا واقع ہوا ہے۔ اور شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۷۳- وَلَمْ یَبْقَ سِوَى الْعُدْوَان
دِنَّاهُمْ كَمَا دَانُوا

ترجمہ:..... (جب برائی مکمل طور پر سامنے آئی) اور ظلم کے علاوہ کچھ نہ بچا تو ہم نے ان کو اپنا بدلہ دیا جس طرح انہوں نے ہمارے ساتھ کیا۔

تشریح المفردات:

یہ شعر ماقبل کے شعر پر عطف ہے ماقبل کا شعر یہ ہے۔

فلما اصبح الشرّ
وَامسى وَهُوَ عُريان

(عدوان) ظلم، زیادتی، تجاوز، دِنّا جمع مذکر متکلم کا صیغہ ہے۔ دان یدین ضرب یضرب سے بدلہ دینا۔ قیامت کو بھی یوم الدّین" کہتے ہیں اس لئے کہ اس میں بندوں کو بدلہ دیا جائے گا۔ یہ شعر" دیوان حماسہ" کے دوسرے صفحہ میں ذکر ہے۔

محلِ استشہاد:

(سوَى العُدوان) محلِ استشہاد ہے یہاں "سوی" فاعل واقع ہے مرفوع ہے اور منصوب بنا بر ظرفیت سے نکل گیا ہے۔

غیر ظرفیت کی بناء پر منصوب ہونے کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۴- لَدَیْکَ کَفِیْلٌ بِالْمُنَی لِمُؤَمِّلٍ
وَإِنَّ سِوَاکَ مَنْ یُؤَمِّلُهُ یَشْقَی

ترجمہ:..... آپ کے پاس امید رکھنے والے کیلئے آرزوؤں کا کفیل ہے اور آپ کے علاوہ جس سے کوئی امید رکھتا ہے وہ نامراد ہوگا۔

تشریح المفردات:

(کفیل) ذمہ دار، کفالت کرنے والا، (منیٰ) منیۃ کی جمع ہے جیسے "مُدًی، مدیۃ کی جمع ہے، (مؤمل) تامیل باب تفعیل سے بمعنی امید رکھنا یہ ناامیدی کی ضد ہے، (یشقی) سمع سے نامراد و بدبخت ہونا۔

محل استشہاد:

(سواکَ) محل استشہاد ہے یہاں منصوب ہے اس وجہ سے کہ "إنّ" کا اسم واقع ہے۔
مصنفؒ اور امام سیبویہؒ اور جمہور کے مسلکوں کی تفصیل ابھی گزر چکی (فلا حاجة الى الاعادة)

وَاستَثْنِ نَاصِبًا بِلَيْسَ وَخَلَا
وَبِعَدَا، وَبِيَكُونُ بَعْدَ لَا

ترجمہ: "لیس" اور "خلا" اور "عدا" کے ذریعہ آپ استثناء کریں اس حال میں کہ آپ نصب دینے والے ہوں۔ اور "یکون" کے ساتھ بھی اس حال میں کہ وہ "لا" کے بعد ہو۔

(ش) أی: استثن بـ"لیس" وما بعدها ناصبًا المستثنی، فتقول: "قام القوم لیس زیدًا، وخلا زیدًا، وعدا زیدًا، ولا یکون زیدًا" فـ"زیدًا" فی قولک: "لیس زیدًا، ولا یکون زیدًا" منصوب علی أنه خبر "لیس، ولا یکون"، واسمهما ضمیر مستتر، والمشهور أنه عائد علی البعض المفهوم من القوم، والتقدیر: "لیس بعضهم زیدًا [ولا یکون بعضهم زیدًا]، وهو مستتر وجوبًا، وفی قولک: "خلا زیدًا، وعدا زیدًا" منصوب علی المفعولیة، و"خلا، وعدا" فعلان فاعلهما -فی المشهور- ضمیر عائد علی البعض المفهوم من القوم کما تقدم، وهو مستتر وجوبًا، والتقدیر: خلا بعضهم زیدًا، وعدا بعضهم زیدًا.

ونبّه بقوله: "بیکون بعد لا" -وهو قید فی "یکون" فقط- علی أنه لا یستعمل فی الاستثناء من لفظ الکون غیر "یکون" وأنها لا تستعمل فیه إلا بعد "لا" فلا تستعمل فیه بعد غیرها من أدوات النفی نحو: لم، وإن، ولن، ولمّا، وما.

ترجمہ وتشریح:

لَیسَ، خلاَ، عَدَا، لایکُونُ کے بعد مستثنیٰ کا حکم:

یعنی "لیسَ" اور "خلا اور عَدَا" اور "لایکونُ" کے بعد آپ مستثنیٰ کو منصوب کردیں جیسے "قام القوم لیسَ زیدًا، خلازیدًا، عدازیدًا، لایکونُ زیدًا، چنانچہ "زیدًا" یہاں منصوب ہے اس بناء پر کہ یہ لَیسَ اور لایکونُ کی خبر ہے اوران کا اسم ضمیر مستتر ہے جوایک قول کے مطابق بعض کی طرف راجع ہے جوقوم سے مفہوم ہوتا ہے۔ والتقدیر لیس بعضهم زیدًا لایکون بعضهم زیدًا۔

اور خلا زیدًا، عدازیدًا میں "زید" منصوب بنا بر مفعولیت ہے "خلا" ، عدا" دونوں فعل ہیں ان کا فاعل مشہور قول کے مطابق ضمیر ہے جولوٹ رہی ہے بعض کی طرف جوقوم سے مفہوم ہوتا ہے۔ والتقدیر خلا بعضهم زیدًا.

وَنَبَّه بقوله الخ:

"ویکون بعدَ لا" کی قید صرف "یکون" کے ساتھ خاص ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ استثناء میں "کونَ" کے لفظ میں سے "یکون" ہی استعمال ہوتا ہے جب اس سے پہلے "لا" ہو چنانچہ اس سے پہلے اگر دیگر ادات نفی ہو مثلاً، لَمْ اِنْ وغیرہ تو وہ استثناء کیلئے استعمال نہیں ہو سکتے۔

وَاجرُرْ بِسَابِقَي یَکُونُ اِنْ تُرِدْ
وَبَعْدَ "مَا" انْصِبْ، وَانْجِرَارٌ قَدْ یَرِدْ

ترجمہ:...... "یکونُ" سے پہلے دونوں (یعنی خلا اور عدا کے ذریعے) سے آپ
جر دیں اگر آپ چاہیں اور "مَا" کے بعد نصب دیدیں، اور جر بھی کبھی آتا ہے۔

(س) أی: إذالم تتقدّم "ما" علی، "خلا، وعدا" فاجرربهما إن شئت فتقول: "قام القومُ خلازیدٍ، وعدا زیدٍ" فخلا، وعدا: حرفاجرٌ، ولم یحفظ سیبویه الجرّ بهما، وإنّما حکاه الأخفش فمن الجرب "خلا"

قوله:

۱۷۵ — خَلاَ اللّٰهِ لاأرجو سِواکَ، وإنّما
أعُدّ عیالی شُعْبَةً من عیالکا.

ومن الجر ب"عدا" قوله:

۱۷۶ - تركنا في الحضيض بَناتِ عُوجٍ
عواكفَ قدْ خَضَعْنَ الى النسور
أبحنا حيّهم قتلاً واسرًا
عَدَا الشَّمطاء وَالطِّفل الصغير

فإن تقدّمَتْ عليهما "ما" وجب النصب بهما فتقول: "قام القوم ما خلا زيدًا، وماعدا زيدًا" ف "ما": مصدرية، و"خلا، وعدا": صلتها، وفاعلهما ضمير مستتر يعود على البعض كما تقدم تقريره، و"زيدًا": مفعول، وهذا معنى قوله: "وبعد ما انصب" هذا هو المشهور.

وأجاز الكسائي الجر بهما بعد "ما" على جعل "ما" زائدة، وجعل "خلا، وعدا" حرفي جرٍّ؛ فتقول: "قام القوم ما خلا زيدٍ، وماعدا زيدٍ" وهذا معنى قوله: "وانجرارٌ قد يرد" وقد حكي الجرمي في الشرح الجر بعد "ما" عن بعض العرب.

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے یہ بتایا کہ "خلاَ" عَدَا" کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے ابھی یہ بتار ہے ہیں کہ ان کے ذریعے آپ جر بھی دے سکتے ہیں بشرطیکہ ان سے پہلے "مَا" نہ ہو، سیبویہ رحمہ اللہ نے ان کے ذریعے جر کو محفوظ نہیں کیا ہے البتہ امام اخفشؒ نے اس کی حکایت کی ہے "خلا" کے ساتھ جر کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۵ - خَلاَ اللّٰهِ لاأرجو سِواکَ ، وانّما
اعُدّ عِيالى شُعْبةً من عيالكا.

ترجمہ..... سوائے اللہ کے میں آپ کے علاوہ کسی اور سے امید نہیں رکھتا اور تحقیق میں تو اپنے اہل وعیال آپ کے اہل وعیال کا ایک حصہ سمجھتا ہوں۔

تشریح المفردات:

(اعُدّ) نصر سے بمعنی گننا، (عيال) عيّل کی جمع ہے جیسے جياد، جيد کی جمع ہے، گھر والوں کو کہا جاتا ہے۔

الی حسب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو زیر کفالت ہوں، (شعبة) طائفہ، جماعت اس کی جمع شُعَب ہے جیسے غرفة کی جمع غُرَف ہے۔

محل استشہاد:

"خلا اللہ" محل استشہاد ہے یہاں "خلا" حرف جر استعمال ہوا ہے اور لفظ اللہ اس کی وجہ سے مجرور ہے۔

نوٹ:...... شارح نے اگر چہ یہ کہا ہے کہ سیبویہ رحمہ اللہ نے عرب سے (خلا) وغیرہ کے جر کو نقل نہیں کیا ہے لیکن حاشیہ میں ہے کہ یہ نقل صحیح ہے اور سیبویہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں باقاعدہ اس نقل کی تصریح کی ہے۔

"عدا" کے ساتھ جر کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۷۶- تـركـنـا في الحضيض بَناتِ عُوجٍ
عَـواكف قَـدْ خَـضَـعْـنَ الـى الـنسـور
أبـحـنـا حيّهـم قتلاً واسـرًا
عَـدَا الشـمـطـاء وَالطـفـل الـصـغـيـر

ترجمہ:...... ہم نے پست زمین میں اعوجی گھوڑے ہمیشہ کیلئے چھوڑے جو گدھوں کے سامنے جھکے ہوئے تھے، ہم نے ان کے قبیلہ کی بیخ کنی کی قتل کے ساتھ اور قیدی بنانے کے ساتھ، سوائے بوڑھی عورت اور چھوٹے بچے کے۔

تشریح المفردات:

(الحضيض) پست زمین کا نام ہے، (بنات عوج) یہاں موصوف حذف ہے ای بنات خیل عوج " بنات، اخوات کو نحویوں نے جمع مؤنث سالم میں سے بنایا ہے اس لئے کہ جمع کی تاء ان میں زائد ہے اور مفرد میں یہ تاء اصلی ہے اس لئے کہ ان کا مفرد بنت، اخت کی تاء ان میں زائد ہے اور مفرد میں یہ تاء اصل ہے اس لئے کہ ان کا مفرد بنت اخت ہے ابن، اخ پر حمل کر کے جمع میں ان سے تاء کو حذف کیا۔ (عوج) اعْوَج یا عوجاء کی جمع ہے، اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو اعوج نامی عمدہ نسل کے گھوڑے کی طرف منسوب ہیں یعنی اس کی نسل سے ہیں، یہ گھوڑا پہلے کندہ (جو یمن کا ایک قبیلہ ہے) کے پاس تھا پھر بنو سلیم نے لیا آخر کار بنو ہلال کا ہی رہ گیا۔ (عواكف) عاكفة کی جمع ہے لازم

پکڑنا، چپٹے رہنا۔ (خشعن) خضوع سے مراد یہاں ذلت ہے۔ (النسور) نسر کی جمع ہے بمعنی گدھ۔ اس کی کنیت ابو الابرد (ابو الاصبع، ابو مالک، ابو المنھال، ابو یحییٰ ہے مادہ کی کنیت "اُمّ قشعم" ہے۔ نسر ینسرُ کے معنی نوچنا، اور نگلنا، گدھ چونکہ شکار کو نگلتا ہے اس لئے اس کو "نسر" کہا جاتا ہے، اس کو سیّد الطیور (تمام پرندوں کا سردار) بھی کہتے ہیں اس کی عمر لمبی ہوتی ہے بعض حضرات کے ہاں ایک ہزار سال کی عمر ہوا کرتی ہے، اڑنے کی طاقت اتنی ہے کہ مشرق اور مغرب کے فاصلہ کو ایک دن میں طے کر لیتا ہے، اس کا جسم اتنا بڑا ہے کہ بعض کے قول کے مطابق ہاتھی کے بچوں کو اٹھا کر لے جاتا ہے، قوت شامہ اتنی تیز کہ چار سو فرسخ تک مردار کی بو سونگھ سکتا ہے، مردار پر جب آ جائے تو ہیبت کی وجہ سے اس سے دیگر پرندے دور ہو جاتے ہیں، اتنا زیادہ کھاتا ہے کہ پھر حرکت بھی نہیں کر سکتا ایک کمزور آدمی اس حالت میں پکڑ سکتا ہے، عجیب بات یہ ہے کہ جب یہ خوشبو سونگھتا ہے تو مر جاتا ہے اپنے دوست کی جدائی پر غمزدہ رہتا ہے یہاں تک کہ بعض مرتبہ اسی وجہ سے مر بھی جاتا ہے، عورت کا وضع حمل مشکل ہو تو اس کے پر کو عورت کے نیچے رکھنے سے وضع حمل میں بھی آسانی ہو جاتی ہے۔ (ماخوذ من فتح الجلیل) (حیّ) قبیلہ (الشمطاء) بوڑھی عورت جس کے بال سفید ہو چکے ہوں۔

محل استشہاد:

(عدا الشمطاء) محل استشہاد ہے یہاں "عدا" حرف جر استعمال ہوا ہے (الشمطاء) اس کی وجہ سے مجرور ہے۔

فان تقدّمت الخ:

خلا، عدا سے پہلے ما آجائے تو ان کا حکم:

اگر "خلا، عدا" سے پہلے "ما" نہ ہو تو پھر یہ دونوں حرف جر بھی ہو سکتے ہیں (کمامرّ ذکرہ تفصیلاً) ہاں اگر ان سے پہلے "ما" آجائے تو ان کے ذریعہ نصب دینا واجب ہے جیسے "جاء القوم ما خلا زیدًا" "ما عدا زیدًا" "ما" یہاں مصدریہ ہے خلا، عدا دونوں فعل ہیں ان کا فاعل وہ ضمیر مستتر ہے جو بعض کی طرف راجع ہے اور "زیدًا" مفعول ہے۔

مصنفؒ کے قول "وبعد ما انصب الخ" کا یہی معنی ہے البتہ کسائی رحمہ اللہ نے "ما" کے داخل ہونے کے بعد بھی جر کو جائز قرار دیا ہے "ما" اس صورت میں ان کے ہاں زائد ہے اور "خلا اور "عدا" دونوں حرف جر ہیں مصنفؒ کے قول "والجر بقد یرد" کا یہی مطلب ہے۔ جرمیؒ نے بھی شرح میں بعض عرب سے ما کے بعد جر کو نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَحَيْثُ جَرَّا فَهُمَا حَرْفَانِ
كَمَا هُمَا إِنْ نَصَبَا فِعْلَانِ

ترجمہ:...... جہاں خلا اور عدا جر دیں تو وہ دونوں حرف ہونگے جس طرح نصب دینے کی صورت میں یہ دونوں فعل ہوتے ہیں۔

خلا، عَدَا کے مابعد اعراب

یعنی اگر خلا، عدا، کے ذریعے مابعد مجرور ہو تو اس صورت میں یہ دونوں حرف جر ہونگے اور اگر مابعد منصوب ہوں تو دونوں فعل ہونگے۔

وَكَخَلَا حَاشَا، وَلَا تَصْحَبُ "مَا"
وَقِيلَ "حَاشَ" وَ"حَشَا" فَاحْفَظْهُمَا

ترجمہ:...... "خلا" کی طرح "حاشا" بھی ہے اور "حاش" "ما" کے ساتھ نہیں آتا اور "حاش، اور "حشا" بھی کہا گیا ہے پس ان کو یاد کرلیں۔

(ش) المشهور أن "حاشا" لا تكون إلا حرف جر، فتقول: "قام القوم حاشا زيد" بجر "زيد"، وذهب الأخفش والجرمي والمازني والمبرد وجماعة - منهم المصنف - إلى أنها مثل "خلا": تستعمل فعلا فتنصب ما بعدها، وحرفا فتجر ما بعدها، فتقول: "قام القوم حاشا زيدا، وحاشا زيد"، وحكى جماعة - منهم الفراء، وأبو زيد الأنصاري، والشيباني - النصب بها، ومنه: "اللهم اغفر لي ولمن يسمع، حاشا الشيطان وأبا الإصبع" وقوله:

۱۷۷- حَاشَا قُرَيْشًا، فَإِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَهُم
عَلَى البَرِيَّةِ بِالإِسْلَامِ وَالدِّينِ

وقول المصنف: "وَلاَ تَصْحَبُ مَا" معناه أن "حاشا" مثل "خلا" في أنها تنصب ما بعدها أو تجره، ولكن لاتتقدم عليها "ما" كماتتقدم على "خلا"؛ فلا تقول: "قام القوم ما حاشا زيدًا"، وهذا الذى ذكره هو الكثير، وقد صحبتها "ما" قليلا، ففي مسند أبي أمية الطرسوسي عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "أسامة أحب الناس إليّ ما حاشا فاطمة"

وقوله:

۱۷۸- رَأَيْتُ النَّاسَ مَا حَاشَا قُرَيْشًا
فَإِنَّا نَحْنُ أَفْضَلُهُمْ فَعَالاً

ويقال في "حاش، وحشا"

حَاشَا کا استعمال:

(ادات استثناء میں سے "حَاشَا" بھی ہے مشہور قول کے مطابق "حَاشَا" صرف حرف جر استعمال ہوتا ہے جیسے "قَامَ القومُ حَاشَا زيدٍ" امام اخفش، الجرمی، مازنی، مبرّد اور مصنف رحمہم اللّٰہ کے نزدیک "حاشا" "خلا" کی طرح ہے فعل بھی استعمال ہوتا ہے اور مابعد منصوب ہوگا اور حرف بھی استعمال ہوتا ہے اور مابعد اس کا مجرور ہوگا جیسے "قام القومُ حاشا زيدًا، حاشا زيدٍ۔ ایک جماعت نے (جن میں فراء، ابوزید انصاری، شیبانی رحمہم اللہ شامل ہیں) نصب کی بھی حکایت کی ہے اور یہ کہتے ہیں یہ قول سنا ہے "اللّٰهمّ اغفرلي ولمن يسمع حاشا الشيطانَ وأبا الأصبغ" (یہاں لفظ شیطان منصوب ہے اور ابا الاصبغ اس پر عطف ہے یہ بھی حالت نصبی میں ہے الف کے ساتھ)

اور شاعر کا یہ قول بھی ہے

۱۷۷- حَاشَا قُرَيْشًا، فَإِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَهُمْ
عَلَى البَرِيَّةِ بِالإِسْلَامِ وَالدِّينِ

ترجمہ:.....(پہلے حکم سے) قریش مستثنیٰ ہیں اس لئے کہ اللہ رب العزت نے اسلام اور دین کی وجہ سے ان کو باقی مخلوقات پر فضیلت دی ہے

توضیح المفردات:

(قریشا) نضر بن کنانہ کی نسل، یا فھر بن مالک بن نضر کی نسل اور ان کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے، (قریش) قرش کی تصغیر ہے سمندر کے جانوروں میں سے ایک جانور ہے جو دیگر جانوروں کو کھاتا اور ان پر غالب آتا ہے اس کو "قرش" کہا جاتا ہے چونکہ ان میں بھی شدت تھی اس لئے شدت کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ان کو بھی "قریش" کہا جانے لگا۔ (بریۃ) اصل میں بریئۃ تھا ہمزہ کو گرا کر بریۃ کہا جانے لگا۔

محل استشہاد:

"حاشا قریشا"، محل استشہاد ہے یہاں حاشا فعل استعمال ہوا ہے اور اس کے ذریعے مابعد کو نصب دیا گیا ہے۔

قولُ المصنّف الخ

قولہ "لا تصحبُ مَا" کہہ کر مصنف اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ "حاشا" خلا کی طرح ہے کہ یہ اپنے مابعد کو نصب دیتا ہے اور جر، لیکن فرق یہ ہے "خلا" پر "ما" آتا تھا لیکن اس پر "ما" نہیں آتا ہے اور "ما" کا نہ آنا کثیر ہے اور آنا قلیل ہے۔ چنانچہ مسند ابی امیۃ الطرسوسی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اُسامَۃُ اَحبُّ النّاسِ الیّ ماحاشافاطمۃ" (اسامہ (بن زید رضی اللہ عنہ) تمام لوگوں میں سوائے فاطمہ کے مجھے بہت پسند ہے)

فائدہ:.....شرح ابن عقیل کے حاشیہ میں ہے کہ اکثر نحویوں کو وہم ہوگیا کہ "ماحاشافاطمۃ" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں سے ہے ایسے حضرات فرماتے ہیں کہ "حاشا" یہاں استثنائیہ ہے اور اس پر "ما" داخل ہوا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ "ماحشافاطمۃ" راوی کا قول ہو اور راوی کی مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے "اسامۃ احبّ الناس الیّ" اور ماحاشا فاطمۃ نفی ما نافیہ ہے اور حاشا فعل ماضی متصرف

ہے (باب مفاعلہ سے ماضی کا صیغہ ہے یہی وجہ ہے کہ نابغہ ذبیانی کے شعر میں "أحاشي" اس کا مضارع استعمال ہوا ہے، حاشی یُحاشِي استثناء کرنے کے معنی میں ہے) اور راوی کی مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اور نہ اہل بیت میں سے کسی کو مستثنیٰ کیا، بلکہ حاشیۃ الخضری میں جزم ویقین کے ساتھ لکھا ہے کہ "معجم طبرانی" میں ہے "مَا حَاشَا فاطمة ولا غيرها" جس سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ما نافیہ ہے الغرض یہ کہنا کہ "حاشا" استثنائیہ ہے اور اس پر ما مصدریہ داخل ہے صحیح نہیں۔

اور شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۷۸۔ رأيتُ النَّاسَ مَا حَاشَا قُرَيْشًا
فَإِنَّا نَحْنُ أَفْضَلُهُمْ فَعَالاً

ترجمہ:...... میں نے لوگوں کو دیکھا سوائے قریش کے کہ ہم ان سے کارکردگی، کرم وسخاوت کے اعتبار سے بہتر ہیں۔

تشریح المفردات:

(رأيتُ) علمیہ ہے جو دو مفعولوں کی طرف متعدّی ہوتا ہے (الناس) مفعول اوّل (دوننا) مفعول ثانی حذف ہے (فعالا) فاء کے فتحہ کے ساتھ سخاوت اور اچھی کارکردگی، اور کسرہ کے ساتھ فعل کی جمع ہے، اکثر فتحہ کے ساتھ اچھے کاموں اور کسرہ کے ساتھ برے کاموں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

محلِّ استشہاد:

"ماحاشا قريشًا" محلِّ استشہاد ہے یہاں "حاشا" پر "ما" مصدریہ آیا ہے جو قلیل ہے۔

واضح رہے کہ حاشا میں تین مذاہب ہیں۔

(۱) ......اوّل یہ کہ یہ صرف حرف جر استعمال ہوتا ہے اور اس کا مابعد صرف مجرور ہوتا ہے اور یہ امام سیبویہ اور زمخشری کی رائے ہے۔

(۲) ......دوم یہ کہ "حاشا" صرف فعل استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے مابعد میں نصب بھی جائز ہے اور جر بھی، اگر مجرور ہو تو وہاں حرف جر حذف ہوگا اور اس کا عمل باقی رہے گا، اگر منصوب ہو تو منصوب بنزع الخافض ہوگا۔

(۳)......سوم یہ کہ یہ فعل ہو کر اپنے مابعد کو نصب بنا بر مفعولیت دیتا ہے اور حرف جر بھی ہوتا ہے یہ امام مبرّد مازنی رحمہما اللہ کا مسلک ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے ان کے مسلک ہی کی پیروی کی ہے اور سماع عن العرب بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ویقال فی حاشا الخ:

"حاشا" کے اندر دو لغتیں اور ہیں ایک "حاش" ہے اور دوسری "حشا" ہے۔

فائدہ:...... بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ "حاشا" استثنائیہ کے اندر دو لغتیں ہیں حالانکہ ایسا نہیں، صحیح قول یہ ہے کہ یہ لغتیں "حاشا" تنزیہیہ کے اندر ہیں۔

جاننا چاہئے کہ "حاشا" کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)......استثنائیہ۔

(۲)......وہ جو فعل متصرف ہو اور "استثنی" کے معنی میں ہو ان دونوں کا ذکر ہوا۔

(۳)......تنزیہیہ جو مابعد کے نقصان کو دور کرنے کیلئے آجائے جیسے "حاش للہ" یعنی اللہ کے لئے بری ہے۔ واللہ اعلم۔

وصلت الی ھذا المقام قبیل صلاۃ الفجر فی ۱۰ شوال المکرم ۱٤۳۵ھ

الحال

الحَالُ وصفٌ، فضلةٌ، منتصبٌ
مفهمُ فی حَالٍ كَفرداً اذهبُ

ترجمہ..... حال ایسا وصف ہے جو فضلہ اور منصوب ہوتا ہے اور حال پر دلالت کرتے جیسے "فردًا اذھبُ" میں جاتا ہوں اس حال میں کہ میں اکیلا ہوتا ہوں۔

(ش) عرّف الحال بأنه "الوصف، الفضلة، المنتصب، للدلالة على هيئة" نحو: "فردًا أذهب" ف"فردًا" حال لوجود القيود المذكورة فيه.

وخرج بقوله "فضلة": الوصف الواقع عمدة، نحو: "زيد قائم"

وبقوله "للدلالة على الهيئة": التمييز المشتق، نحو: "لله دره فارسًا" فإنه تمييز لا حال على الصحيح، إذلم يقصد به الدلالة على الهيئة، بل التعجب من فروسيته، فهو لبيان المتعجب منه، لا لبيان هيئته.

وكذلك: "رأيت رجلاراكبًا" فإن "راكبًا" لم يسق للدلالة على الهيئة، بل لتخصيص الرجل.

وقول المصنف "مفهم فی حال" هو معنى قولنا "للدلالة على الهيئة"

ترجمہ وتشریح:

حال کی تعریف:

(حال لغوی معنی کے اعتبار سے اس کو کہتے ہیں جس پر انسان گامزن ہو یعنی خیر یا شر) اصطلاحی معنی کے اعتبار سے

حال اس وصف کو کہتے ہیں جو کلام فضلہ، منصوب ہو اور دلالت کرے کسی ہیئت پر، جیسے فرداً اذهبُ (عام طور پر "جاء نی زید راکبا" کی مثال پیش کی جاتی ہے، ضرورت شعری کی وجہ سے "فرداً اذهب" کی مثال ذکر کی)

"فضلة" سے احتراز کیا اس وصف سے جو کہ عمدہ واقع ہو جیسے زید قائم قائم وصف ہے لیکن خبر ہونے کی وجہ سے عمدہ واقع ہے۔

"للدلالة على الهيئة" کے قول سے تمیز مشتق نکل گئی جیسے "لله دره فارسا" صحیح قول کے مطابق یہ تمیز ہے حال نہیں اس لئے کہ اس مقصود ہیئت پر دلالت کرنا نہیں بلکہ آدمی کی شہسواری پر تعجب ہے، الغرض اس میں متعجب منہ کا بیان ہے ہیئت کا نہیں۔

اسی طرح رایت رجلا راکبا" میں راکبا کو آدمی کی تخصیص کیلئے لایا ہے بیان على الهيئة کیلئے نہیں۔

وَكَوْنُهُ مُنْتَقِلًا مُشْتَقًّا
يَغْلِبُ، لٰكِنْ لَيْسَ مُسْتَحِقًّا

ترجمہ:......اور اس حال کا منتقل اور مشتق ہونا غالب ہے لیکن مستحق نہیں۔

(ش) الاكثر في الحال أن تكون منتقلة مشتقة ومعنى الانتقال: ألا تكون ملازمة للمتصف بها، نحو: "جاء زيد راكبًا" فـ "راكبًا" وصف منتقل لجواز انفكاكه عن "زيد" بأن يجئ ماشيًا.

وقد تجئ الحال غير منتقلة، أي: وصفا لازما، نحو: "دعوت الله سميعًا" و"خلق الله الزرافة يديها أطول من رجليها"، وقوله:

۱۷۹- فَجَاءَتْ بِهِ سَبْطَ العِظَامِ، كَأَنَّمَا
عِمَامَتُهُ بَيْنَ الرِّجَالِ لِوَاءُ

فـ "سميعًا، وأطول، وسبط" أحوال وهي أوصاف لازمة.

وقد تأتي الحال جامدة، ويكثر ذلك في مواضع ذكر المصنف بعضها بقوله:

ترجمہ وتشریح:

حال کی قسمیں:

حال کی دو قسمیں ہیں (۱) منتقلہ، (۲) غیر منتقلہ

منتقلہ اس حال کو کہتے ہیں جو ذوالحال کے ساتھ ملازم نہ ہو یعنی جدا بھی ہو سکتا ہے ہو جیسے "جاء زید راکبًا" راکبًا وصف منتقلہ ہے زید سے الگ بھی ہو سکتا ہے بایں طور کہ وہ پیدل آجائے۔

غیر منتقلہ وہ ہے جو ذوالحال کے ساتھ وصف لازم ہو۔ جیسے "دَعَوْتُ اللہ سمیعًا (سمیع (سننے والا) حال ہے رب کریم کے ساتھ لازم ہے) اور یہ قول "خلق اللہ الزرافة یدیها اطول من رجلیها" (اللہ تعالیٰ نے "زرافہ" جانور کو پیدا کیا اس حال میں کہ اس کی اگلی ٹانگیں پچھلی ٹانگوں سے لمبی ہیں۔ (یدیها سے اگلی ٹانگیں مراد ہیں کیونکہ اگلی ٹانگیں بمنزلہ ہاتھوں کے ہیں یہاں (یدیها الخ) حال ہے زرافة سے اور حال غیر منتقلہ ہے اس لئے کہ اگلی ٹانگوں کا لمبا اور پچھلی کا چھوٹا ہونا اس کے ساتھ وصف لازم ہے اس سے جدا نہیں ہوتا۔

زرافة ایک کھر والا جانور ہے اسکی اگلی ٹانگیں لمبی، پچھلی چھوٹی، گردن گھوڑے کے مانند، مگر اس سے لمبی اور کھڑی، کھال چیتے کی طرح، قد کی درازی میں اونٹ کے برابر، سر پر دو چھوٹے سینگ، جمع زرافی، زرافی، زرائف آتی ہے)

حال غیر منتقلہ کے قبیل سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۷۹۔ فجاءت به سبط العظام، کأنما
عمامته بین الرجال لواء

ترجمہ:...... پس ام حنیج نے (حنیج) اپنے بیٹے کو جنا اس حال میں کہ وہ مناسب قد وقامت والا تھا گویا کہ اس کی پگڑی لوگوں کے درمیان جھنڈے کی طرح تھی۔

تشریح المفردات:

(جاءت) میں ھی ضمیر ام حنیج کی طرف راجع ہے۔ یہاں شاعر حنیج (بروزن قنفذ) کی تعریف کر رہا ہے، (سبط العظام) یعنی مناسب قد وقامت والا (عمامة) بکسر العین پگڑی (لواء) جھنڈا پرچم کے مقابلے میں کچھ چھوٹا ہوتا ہے۔

محل استشہاد:

(سبط العظام) محل استشہاد ہے یہاں حال وصف لازم آیا ہے۔ کبھی حال جامد بھی آتا ہے یعنی مشتق نہیں

مصنفؒ نے ان جگہوں میں سے بعض کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے۔

ويكثر الجمود في سعر، وفي
مُبدي تأوُّلٍ بلا تكلف
كَبِعْهُ مُدّاً بكذا، يَداً بيد
وكَرَّ زيدٌ أسداً، أي كأسد

ترجمہ:...... اور حال کا جامد ہونا کثیر ہے اگر دلالت کرے "نرخ، بھاؤ" پر اور اس حال میں بھی کثیر ہے جو بغیر تکلف کے مشتق کی تاویل کو ظاہر کرے، جیسے بعه مُدًّا الخ۔
(وضاحت آگے آ رہی ہے انشاء اللہ)

(ش) يكثر مجيء الحال جامدة إن دلّت على سعر، نحو: "بعه مدا بدرهم" فمدًّا: حال جامدة، وهي في معنى المشتق، إذ المعنى "بعه مسعرًا كل مد بدرهم" ويكثر جمودها -أيضًا- فيما دل على تفاعل، نحو: "بعته يدًا بيده" أي: مناجزة، أو على تشبيه، نحو: "كرّ زيد أسدًا": أي مشبها الأسد، ف"يد، وأسد" جامدان، وصح وقوعهما حالا لظهور تأولهما بمشتق كما تقدم، وإلى هذا أشار بقوله: "وفي مبدي تأول" أي: يكثر مجيء الحال جامدة حيث ظهر تأولها بمشتق.

وعلم بهذا وما قبله أن قول النحويين "إن الحال يجب أن تكون منتقلة مشتقة" معناه أن ذلك هو الغالب، لا أنه لازم، وهذا معنى قوله فيما تقدم: "لكن مستحقا".

ترجمہ وتشریح:

حال کبھی جامد بھی آتا ہے:

اس سے پہلے یہ بات گزر گئی کہ حال اکثر مشتق ہی آیا کرتا ہے اب یہ بتا رہے ہیں کہ کبھی کبھار جامد بھی آ جاتا ہے لیکن وہاں حال کا جامد آنا کثیر ہے جہاں وہ نرخ، بھاؤ پر دلالت کرے جیسے "بِعْهُ مُدًّا بدرهم" (اس بندے پر ایک مدا ایک درہم کا بیچ دو) مُدًّا یہاں جامد ہے اور یہ مشتق کے معنی میں ہے اس لئے کہ اس کا معنی ہے۔ "بعه مُسَعَّرًا كل مد بدرهم" "(مسعرا مفعول کا صیغہ ہے اور مفعول مشتق ہوا کرتا ہے)

فائدہ:......مدّ ایک پیمانہ ہے جس کی مقدار اہل حجاز کے نزدیک ۱/۳ اور اہل عراق کے نزدیک دو رطل ہے۔

ویکثر الخ:

حال جہاں تفاعل پر دلالت کرے وہاں بھی بنیادی طور پر حال جامد استعمال ہوتا ہے جیسے بعہ یدًا بید ای مناجزۃً، میں نے اس چیز کو ہاتھ در ہاتھ بیچ دی، یا تشبیہ پر دلالت کرنے جیسے "کرّ زید اسدًا، ای مشبھا الاسد(زید نے شیر کی طرح حملہ کیا)

یہاں "ید" اور "اسد" دونوں کا حال واقع ہونا صحیح ہے اس لئے کہ ان کی تاویل مشتق سے کرنا واضح ہے۔
مصنفؒ کے قول "ولی مبدی تاوّل" سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔
وعلم الخ اس سے معلوم ہوا کہ نحوی حضرات یہ جو کہتے ہیں کہ حال کا مشتق ہونا واجب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ غالب ہے یعنی اکثری قاعدہ ہے لازم نہیں، مصنفؒ کے قول "لکن لیس مستحقا" سے یہی مراد ہے۔

وَالْحَالُ إِنْ عُرِّفَ لَفْظًا فَاعْتَقِدْ
تَنْكِيرَهُ مَعْنًى، كَوَحْدَكَ اجْتَهِدْ

ترجمہ:......حال اگر لفظاً معرّف ہو تو معنی اس کے نکرہ ہونے کا اعتقاد رکھ جیسے وَحْدَکَ اجتهد

(ش) مذهب جمهور النحويين أن الحال لا تكون إلا نكرة، وأن ورد منها معرفا لفظا فهو منكر معنى، كقولهم: جاء وا الجماء الغفير.

۱۸۰ - وَأَرْسَلَهَا العِرَاكَ

واجتهد وحدک، وكلمته فاه إلى في ؛ ف"الجماء، والعراک، ووحدک، وفاه": أحوال، وهي معرفة لكنها مؤولة بنكرة، والتقدير: جاء وا جميعا، وارسلها معتركة، واجتهد منفردا، وكلمته مشافهة.

وزعم البغداديون ويونس أنه يجوز تعريف الحال مطلقة بلا تأويل، فأجازوا: "جاء زيد الراكب"
وفصّل الكوفيون، فقالوا: إن تضمنت الحال معنى الشرط صح تعريفها، وإلا فلا، فمثال ما تضمن معنى الشرط "زيد الراكب أحسن منه الماشي" ف"الراكب والماشي": حالان، وصح تعريفهما لتأولهما

بالشرط؛ إذ التقدير: زيد إذا ركب أحسن منه إذا مشى، فإن لم تعقد بالشرط لم يصح تعريفها؛ فلا تقول: "جاء زيد الراكب" إذ لا يصح: "جاء زيد إن ركب"

ترجمہ وتشریح:

حال نکرہ ہوتا ہے:

جمہور نحویوں کا مسلک یہ ہے کہ حال صرف نکرہ ہوا کرتا ہے جہاں لفظا حال معرفہ آجائے وہاں معنی نکرہ کہا جائے گا جیسے "جاء وا الجماء الغفير" میں جاء وا جميعا" کہا جائے گا۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۸۰ - وَأرْسَلَهَا العِرَاكَ وَلَمْ يَذُدْهَا
وَلَمْ يُشْفِقْ عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ

ترجمہ:...... پانی پر اس گدھے نے گدھیوں کو اجتماع (رش) کی حالت میں بھیجا اور ان کو منع نہیں کیا اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہونے کی وجہ سے پانی پینے کی کمی پر بھی نہ ڈرا۔

تشریح المفردات:

(ارسل) باب افعال سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اس میں "ھو" ضمیر مستتر ہے جو راجع ہے حمار وحشی کی طرف اور (ھا) ضمیر گدھیوں کی طرف راجع ہے۔

یہاں شاعر حمار وحشی کی تعریف کر رہا ہے کہ حمار وحشی نے گدھیوں کو بھیجتے وقت کمال کا مظاہرہ کیا وہ اس طرح کہ ان کو بھیجتے وقت خود وہ بلند جگہ پر کھڑا ہوا اور گدھیوں کو دیکھتا رہا ایسا نہ ہو کہ شکاری آ کر ان پر حملہ کر دے، جب وہ شکاری کو دیکھتا تو فوراً ہنہناتا تا کہ اس کی آواز سن کر گدھیاں ادھر ادھر ہو جائیں اور شکاری کے ہاتھ سے نکل جائیں۔ اسی عمل کو ارسال سے تعبیر کیا، ارسال کی نسبت حمار وحشی کی طرف مجازی ہے کیونکہ حقیقۃ ارسال ذی روح کا کام ہے۔ (العراک) ای معترکۃ ہجوم (لم یذد) نصر سے بمعنی منع کرنا (نغص) نغص الرجل کہا جاتا ہے اور مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی مراد پوری نہ ہوئی، نغص البعیر اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اپنے سیر ہو کر پانی نہ پئے یہاں بھی یہی مراد ہے۔ (دخال) سے

یہاں مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے اونٹ کو (جس نے ایک بار پانی پیا ہے) کو ان اونٹوں کے ساتھ شامل کرے جنہوں نے ایک بار پیا ہے تاکہ اس کا اونٹ دوبارہ پی لے۔

محل استشہاد:

(العراک) محل استشہاد ہے یہ حال واقع ہے، معرفہ ہے لیکن چونکہ یہ مؤول بالنکرۃ ہے اس لئے حال واقع ہونا صحیح ہے ای ارسلها معترکة (معترکة نکرہ سے مؤول ہے)

اسی طرح اجتهد وحدک میں "منفردًا" کلمته فاه الیٰ فی "میں مُشافهةً کی تاویل کی جائے گی۔

وزعم البغداديون الخ:

بغدادیین اور یونس رحمہم اللہ کے نزدیک حال کو مطلقاً معرفہ بنانا جائز ہے بغیر کسی تاویل کے، چنانچہ انہوں نے "جاء زیدٌ الراکبَ" کو مطلقاً جائز کہا ہے۔ اور کوفیین نے اس میں تفصیل کی ہے کہ جب حال شرط کے معنیٰ کو متضمن ہو تو اس کو معرفہ بنانا صحیح ہے اور اگر شرط کے معنیٰ کو متضمن نہ ہو تو پھر صحیح نہیں تضمن کی مثال "زیدٌ الراکبَ اَحسَنُ منه الماشی" (زید اس حال میں کہ وہ سوار ہو اچھا ہے اس سے جب وہ پیدل چلنے والا ہو)

یہاں "الراکب الماشی" دونوں حال ہیں اور چونکہ یہ دونوں شرط کے معنیٰ کو متضمن ہیں اس وجہ سے ان کا حال واقع ہونا صحیح ہے اذالتقدیر زیدٌ اذا رکِبَ اَحسَنُ منه اذا مشی" عدم تضمن کی مثال "جاءَ زیدٌ الراکِبَ" یہ صحیح نہیں اس لئے کہ جاءَ زیدٌ اِن رکبَ نہیں کہہ سکتے۔

وَمَصْدَرٌ مُنَكَّرٌ حَالاً يَقَعْ

بِكَثْرَةٍ كَبَغْتَةً زَيْدٌ طَلَعْ

ترجمہ:..... جو مصدر نکرہ ہو وہ حال واقع ہوتا ہے کثرت کے ساتھ جیسے " بغتةً زیدٌ طَلَعَ" (زید اچانک نمودار ہوا، یہاں بغتةً مصدر نکرہ حال واقع ہے)

(ش) حقُّ الحال أن يكون وصفا – وهو مادلّ على معنى وصاحبه: كقائم، وحسن، ومضروب – فوقوعها مصدرًا على خلاف الأصل؛ إذ لادلالة فيه على صاحب المعنى.

وقد كثر مجيء الحال مصدرًا نكرةً، ولكنه ليس بمقيس؛ لمجيئه على خلاف الأصل، ومنه "زيد طلع بغتةً" فـ"بغتةً": مصدر نكرة، وهو منصوب على الحال، والتقدير: زيد طلع باغتًا؛ هذا مذهب سيبويه والجمهور.

وذهب الكوفيون إلى أنه منصوب على المصدرية كما ذهبا إليه، ولكن الناصب له عندهم الفعل المذكور [وهو طلع] لتأويله بفعل من لفظ المصدر، والتقدير في قولك "زيد طلع بغتةً": "زيد بغت بغتةً"؛ فيؤولون "طلع" ببغت، وينصبون به "بغتة".

ترجمہ وتشریح:

حال میں زیادہ تر بات یہ ہے کہ وہ ایسا وصف ہوا کرتا ہے جو معنی اور معنی والے پر دلالت کرے جیسے قائم، حَسَن، مضروب، چنانچہ حال کا مصدر واقع ہونا خلاف الاصل ہے اسلئے کہ مصدر میں معنی پر تو دلالت ہوتی ہے جیسے ضرب (اس میں مارنا وصف تو پایا جاتا ہے لیکن مارنے والے پر دلالت نہیں)

شرح کی تفصیل سے پہلے یہ بات جاننی چاہیے کہ اس میں دو جگہ اختلاف ہے جس کی طرف شارحؒ نے اشارہ کیا ہے اور زیادہ وضاحت نہیں کی پہلا اختلاف منکر مصدر کے بارے میں ہے کہ اس کا اعراب کیا ہے، اور دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ اس ترکیب پر قیاس کرنا جائز ہے یا نہیں۔

۱:......امام سیبویہ اور جمہور کے ہاں اس کا اعراب نصب بنا بر حالیت ہے اور اس کی تاویل مناسب وصف کے ساتھ کی جائیگی جیسے "زیدٌ طلَع باغِتًا"

۲:......امام اخفش اور مبرد رحمہما اللہ کے ہاں یہ منصوب بنا بر مصدریت ہے اور اس کا عامل محذوف ہے اور فعل فاعل ملکر حال ہے۔ چنانچہ طَلَعَ زیدٌ بغتَةً میں تقدیر عبارت ہے یبغتُ بغتَةً یہاں ان دونوں حضرات کے ہاں "بغتَةً" حال نہیں ہے بلکہ یبغتُ ہے۔

۳:......کوفیین کے ہاں بھی یہ منصوب بنا بر مصدریت ہے لیکن ان کے ہاں اس کا عامل اسی کے لفظ سے محذوف ہے "زیدٌ طلَعَ بغتَةً میں زیدٌ بَغتَ بغتَةً "تقدیر عبارت ہوگی۔

اب رہا دوسرا اختلاف کہ حال کلام عرب میں مصدر منکر استعمال ہوا ہے تو کیا اس پر اس کے علاوہ کو قیاس کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

امام سیبویہؒ کے ہاں باوجود کلام عرب میں کثرت سے وارد ہونے کے اس پر قیاس جائز نہیں جبکہ بعض دیگر حضرات کے ہاں جائز ہے (طالع لمزید حاشیۃ ابن عقیل)۔

وَلَمْ يُنَكَّرْ غَالِبًا ذُو الْحَالِ إِنْ
لَمْ يَتَأَخَّرْ أَوْ يُخَصَّصْ أَوْ يَبِنْ
مِنْ بَعْدِ نَفْيٍ أَوْ مُضَاهِيهِ كَ، لَا
يَبْغِ امْرُؤٌ عَلَى امْرِئٍ مُسْتَسْهِلَا

ترجمہ:......اور اکثر و بیشتر ذوالحال نکرہ نہیں ہوتا اگر مؤخر نہ ہو، یا اس کی تخصیص نہیں کی گئی ہو یا نفی اور شبہ نفی کے بعد واقع نہ ہو (ورنہ پھر نکرہ ہوتا ہے) جیسے لایبغ الخ۔

(ش) حق صاحب الحال أن يكون معرفة، ولا ينكر في الغالب إلا عند وجود مسوغ، وهو أحد أمور:

منها: أن يتقدم الحال على النكرة، نحو: "فيها قائمًا رجل"، وكقول الشاعر، وأنشده سيبويه:

۱۸۱- وَبِالْجِسْمِ مِنِّي بَيِّنًا لَوْ عَلِمْتِهِ
شُحُوبٌ، وَإِنْ تَسْتَشْهِدِي الْعَيْنَ تَشْهَدِ

وكقوله:

۱۸۲- وَمَا لَامَ نَفْسِي مِثْلَهَا لِي لَائِمٌ
وَلَا سَدَّ فَقْرِي مِثْلُ مَا مَلَكَتْ يَمِينِي

ف "قائمًا": حال من "رجل"، و"بينًا" حال من "شحوب"، و"مثلها" حال من "لائم".

ومنها: أن تخصص النكرة بوصف، أو بإضافة؛ فمثال ما تخصص بوصف قوله تعالى: ﴿فيها يفرق كل أمر حكيم أمرًا من عندنا﴾.

وكقول الشاعر:

١٨٣-نَجَّيْتَ يَارَبِّ نُوحًا واستجبتَ لهُ
فِي فُلُكٍ مَاخِرٍ فِي اليَمِّ مَشْحُونَا
وَعَاشَ يَدْعُو بِآيَاتٍ مُبَيِّنَةٍ
فِي قَوْمِهِ أَلْفَ عَامٍ غَيْرَ خَمْسِينَا

ومثال ما تخصص بالإضافة قوله تعالىٰ: ﴿في أربعة أيام سواء للسائلين﴾
ومنها: أن تقع النكرة بعد نفي أو شبهه، وشبه النفي هو الاستفهام والنهي، وهو المراد
"أو يبن من بعد نفي أو مضاهيه" فمثال ماوقع بعد النفي قوله:

١٨٤-مَا حُمَّ مِنْ مَوْتٍ حِمًى وَاقِيًا
وَلَا تَرَى مِنْ أَحَدٍ بَاقِيًا

ومنه قوله تعالىٰ: ﴿وما أهلكنا من قرية إلا ولها كتاب معلوم﴾ ف"لها كتاب" جملة في
موضع الحال من "قرية، وصح مجئ الحال من النكرة لتقدم النفي عليها، ولا يصح كون الجملة
صفة لقرية، خلافاً للزمخشري، لأن الواو لا تفصل بين الصفة والموصوف، وأيضاً وجود "إلا" مانع من
ذلك، إذ لا يعترض "إلا" بين الصفة والموصوف، وممن صرح بمنع ذلك: أبو الحسن الأخفش في
المسائل، وأبو علي الفارسي في التذكرة.
ومثال ماوقع بعد الاستفهام قوله:

١٨٥-يَا صَاحِ هَلْ حُمَّ عَيْشٌ بَاقِيًا فَتَرَى
لِنَفْسِكَ الْعُذْرَ فِي إِبْعَادِهَا الأَمَلَا

ومثال ماوقع بعد النهي قول المصنف: "لا يبغ امرؤ على امرئ مُسْتَسْهِلاً" وقول قطري بن
الفجاءة:

١٨٦-لَا يَرْكَنَنْ أَحَدٌ إِلَى الإِحْجَامِ
يَوْمَ الوَغَى مُتَخَوِّفًا لِحِمَامِ

واحترز بقوله: "غالبًا" مما قلّ مجيء الحال فيه من النكرة بلا مسوّغ من المسوغات المذكورة، ومنه قولهم: "مررت بماء قعدةَ رجل" وقولهم: "عليه مائة بيضًا"، وأجاز سيبويه "فيها رجل قائمًا"، وفي الحديث: "صلى رسول الله ﷺ قاعدًا، وصلى وراءه رجال قيامًا".

ترجمہ وتشریح:

ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے:

ذوالحال چونکہ معنی کے اعتبار سے مبتدا ہوتا ہے اور مبتدا زیادہ تر معرفہ ہوتا ہے یا نکرہ مخصصہ وغیرہ (جس کا تفصیلی ذکر مبتدا کی بحث میں جلد اوّل میں گزر گیا) اس لئے ذوالحال کیلئے بھی ضروری ہوا کہ یہ بھی معرفہ ہی واقع ہوگا۔

وہ جگہیں جہاں ذوالحال نکرہ ہوتا ہے:

چند جگہیں ایسی ہیں جہاں نکرہ واقع ہوسکتا ہے۔

(۱) حال نکرہ پر مقدم ہو جیسے "فيها قائمًا رجلٌ"

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے:

١٨٠ - وَبِالجِسْمِ مِنّي بَيِّنًا لَوْ عَلِمْتِهِ
شُحُوبٌ، وَإنْ تَسْتَشْهِدِي العَيْنَ تَشْهَدِ

ترجمہ:...... میرے جسم پر صاف واضح تغیر ہے اگر تو جانتی (تو میرے اوپر رحم کرتی) اور اگر آنکھ سے اس پر گواہی طلب کرنا چاہتی ہے تو وہ گواہی دے گی۔

تشریح المفردات:

(بالجسم) جار مجرور محذوف کے ساتھ متعلق ہو کر خبر مقدم۔ (بینًا) واضح ظاہر بان یبین ضرب سے اسم فاعل ہے، فاعلٌ کے وزن پر ہونا چاہیے لیکن اس وزن پر اسم فاعل کا آنا قلیل ہے۔ (لو علمته) میں لو شرطیہ ہے لعطفتِ عليَّ، یا "لرحمتني" اس کا جواب ہے (شحوب) بمعنی تغیر، مبتدا مؤخر (العین) آنکھ، ان اعضاء میں سے ہے جو مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔

محل استشہاد.

(بینا) اور (شحوب) محل استشہاد ہیں یہاں (بینا) حال واقع ہے (شحوب) ذوالحال نکرہ ہے مسوغ (گنجائش پیدا کرنے والا) ذوالحال پر حال کی تقدیم ہے، لیکن یہ سیبویہ رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق ہے ان کے ہاں مبتدا سے حال کا واقع ہونا صحیح ہے لیکن جمہور کے مسلک کے مطابق مبتدا سے حال کا واقع ہونا صحیح نہیں ان کے ہاں بیّنًا بالجسم کے متعلق کی ضمیر سے حال ہے اس صورت میں اس بیت میں کوئی شاہد نہیں۔

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۸۲ — وَمَا لَامَ نَفْسِي مِثْلَهَا لِيَ لَائِمٌ
وَلَا سَدَّ فَقْرِي مِثْلُ مَا مَلَكَتْ يَمِينِي

ترجمہ:..... میرے نفس کو اس طرح کسی نے بھی ملامت نہیں کی جس طرح خود میرے نفس نے کی اور نہ میرے مملوکہ مال کی طرح کسی چیز نے میرے فقر کو دور کیا (یعنی میری ذات کو ملامت کرنے والی چیز میری ذات ہی کا ملامت ثابت ہوئی (اس لئے کہ اپنی ذلت انسان کو اس کی غلطی کا احساس دلاتا ہے) اور یقینا میرے اپنے مال نے میرے فقر کو دور کیا اس طرح کسی اور چیز نے نہیں کیا۔

تشریح المفردات:

(ما) نافیہ ہے (لَامَ) یلومُ سے نصر سے ہے بمعنی ملامت کرنا۔ لوم، عذل، عتاب تینوں الفاظ مترادفہ ہیں (نفسی) مفعول بہ مقدم (مثلها) لائم سے حال ہے (ماملکت یمینی) اس سے مراد اپنا مملوکہ مال ہے اس لئے کہ ہاتھ اس کا مالک ہے۔

محل استشہاد:

(مثلها لی لائم) محل استشہاد ہے یہاں مثلها حال واقع ہوا ہے "لائم" سے جو کہ نکرہ ہے مسوغ یہاں بھی حال کی تقدیم ہے۔

وَمِنْهاأن تخصّص الخ:

مُسوّغات میں سے یہ بھی ہے کہ نکرہ صفت یا اضافت کے ساتھ خاص ہوجائے تو اس صورت میں اس سے حال کا واقع ہونا صحیح ہے تخصیص بالوصف کی مثال "فِيْهَا يُفْرَقُ كلّ امرٍ حكيم امرًامن عندنا" یہاں امرًا، امرٍ سے حال واقع ہے جو کہ موصوف ہے اور حکیم اس کی صفت ہے اور اسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۸۳-نَجَّيْتَ يَارَبِّ نُوحًا واستجبتَ لَهُ
فِيْ فُلُكٍ مَاخِرٍ فِى الْيَمِّ مشحُونا
وَعَاشَ يَدْعُوبِآيَاتٍ مُبَيِّنَةٍ
فِى قَوْمِهِ أَلْفَ عَامٍ غيرَ خمسينَا

ترجمہ:...... اے رب آپ نے حضرت نوح علیہ السلام کو نجات دی اور ان کی دعا کو قبول فرمایا (آپ علیہ السلام نے دعا کی تھی رب لاتذر علی الارض من الكفرين ديارا۔ اے رب زمین پر کافروں میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑ) نجات ایسی کشتی میں دی جو دریا میں پانی کو پھاڑ رہی تھی اس حال میں کہ کشتی بھری تھی، اور انہوں نے زندگی گزاری اس حال میں کہ وہ واضح دلائل اور نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے اپنی قوم میں پچاس کم ایک ہزار سال تک (یعنی ساڑھے نو سال تک)

تشریح المفردات:

(نوحًا) نوح عجمی لفظ ہے سریانی میں اس کا معنی ساکن کے ہیں بعض حضرات کے نزدیک ان کو نوح اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ وہ زیادہ رویا کرتے تھے ورنہ ان کا اصل نام عبدالغفار تھا، جب سے حضرت آدم علیہ السلام اس دنیا میں اترے اس وقت سے نوح علیہ السلام کی ولادت تک ایک ہزار چھ سو چالیس سال تک کا وقفہ ہے، بعض نے ذکر کیا ہے کہ آپ کی ولادت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک سو چھبیس سال بعد ہوئی، چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا اور ساڑھے نو سال اپنی قوم میں گزارے چھ سو سال کے بعد طوفان آیا تھا۔ اس سے پہلے آپ نے ساج کی لکڑی سے کشتی بنائی ۱۰ رجب کو آپ اس پر سوار ہوئے اور ۱۰ محرم الحرام عاشوارہ کے دن جودی پہاڑ پر اترے۔

(نجیت یارب نوحا)ای من الغرق(فلک) ایک ہی لفظ کے ساتھ جمع اور مفرد دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے(نحو مہر) یہاں اصل میں بسکون اللام تھا لیکن ضرورت شعری کی وجہ سے فا کی مناسبت سے لام کو ضمہ کی حرکت دیدی۔(ماخر)الشق مع الصوت کشتی کا آواز کے ساتھ پانی کو چیرنا(یم) سمندر(مشحونا) بھری ہوئی۔

محل استشہاد:

(مشحونا) محل استشہاد ہے یہ (فلک) نکرہ سے حال واقع ہوا ہے مُسَوِّغ یہاں نکرہ کا موصوف ہونا ہے (ماخر)صفت کیلئے۔

ومثال ماتخصّص بالاضافة:

تخصیص بالاضافة کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے " فی اربعة ایام سواءً للسائلین" یہاں "سواءً" حال واقع ہے(اربعة) سے جس کی تخصیص ہو چکی ہے اضافت کے ساتھ۔

ومنهاالخ:

ذوالحال کے نکرہ ہونے کی مسوّغات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نکرہ نفی یا شبہ نفی کے بعد واقع ہو، شبہ نفی سے استفہام اور نہی مراد ہے۔ مصنفؒ کے قول " اَوْيَبِنْ مِنْ بعد نفي الخ سے یہی مقصود ہے۔

نفی کے بعد نکرہ کے واقع ہونے کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۸۳ – مَا حُمَّ مِنْ مَوْتٍ حِمًى وَاقِيًا

وَلَا تَرَى مِنْ اَحَدٍ بَاقِيًا

ترجمہ:...... نہ تو موت سے کوئی پناہ گاہ مقرر کی گئی ہے جو بچانے والی ہے اور نہ آپ اس دنیا میں ہمیشہ کیلئے کسی کو باقی دیکھینگے۔

تشریح المفردات:

(حُمّ) ماضی مجہول کا صیغہ ہے از نصر کسی بات کا مقدر کیا جانا، مقرر ہونا،(حمیٰ) جائے پناہ، محفوظ جگہ،(واقیا) ضرب سے اسم فاعل، بچانے والا۔

محلِ استشہاد:

(واقیا، باقیا) محل استشہاد ہیں دونوں "حِمًی" نکرہ سے حال واقع ہیں مسوّغ یہ ہے کہ نکرہ سے پہلے نفی آئی ہے۔

اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے، وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُوْم" اس میں "لها کتابٌ" جملہ ہے قریۃ سے حال واقع ہے جو کہ نکرہ ہے یہاں نکرہ ذوالحال سے حال کا واقع ہونا صحیح ہے اس لئے کہ اس پر نفی مقدم ہے، نیز اس جملہ کا قریۃ کیلئے صفت ہونا بھی صحیح نہیں۔(خلافا للزمحشری زمخشری فرماتے ہیں کہ یہ جملہ، قریۃ کیلئے صفت واقع ہوسکتا ہے اور واؤ موصوف صفت کے درمیان التصاق کو مؤکد کرنے کیلئے آیا ہے اگر چہ لفظا فاصلہ ہے لیکن معنی نہیں) اس لئے کہ واؤ موصوف صفت کے درمیان فاصل نہیں آتا نیز الا کا موجود ہونا بھی صفت بننے سے مانع ہے اس لئے کہ الا موصوف صفت کے درمیان نہیں آتا۔ ابوالحسن الاخفشؒ نے "المسائل" میں اور ابوعلی فارسیؒ نے تذکرہ میں اس ممانعت کی تصریح کی ہے۔

استفہام کے بعد واقع ہونے کی مثال شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۸۵- يَا صَاحِ هَلْ حُمَّ عَيْشٌ بَاقِيًا فَتَرَى
لِنَفْسِكَ الْعُذْرَ فِيْ اِبْعَادِهَا الْأَمَلَا

ترجمہ:...... اے میرے ساتھی کیا کوئی باقی رہنے والی زندگی مقدر کی گئی ہے تا کہ آپ اپنے نفس کیلئے اس کے دور دراز امیدوں کے رکھنے میں عذر رکھیں (یعنی کیا کوئی ایسی زندگی ہے جو کہ باقی ہو جس کی وجہ سے آپ اپنے نفس کو معذور سمجھیں کہ تیرا نفس دور امیدیں رکھتا ہے، یہاں استفہام انکاری ہے یعنی ایسی زندگی نہیں لہٰذا اپنے نفس کو دور امیدوں کے رکھنے سے باز رکھیں)

تشریح المفردات:

(صاحِ) اصل میں یَا صَاحِبِی تھا ترخیم کر کے آخر میں یاء کو حذف کیا، لیکن یہ ترخیم قیاسی نہیں اس لئے کہ قیاسی ترخیم اعلام میں ہوتی ہے اور صاحب علم نہیں۔ (حُمَّ) کی تفصیل پچھلے شعر میں گزر گئی (ابعادها الاملا) میں مصدر کی اضافت

اعل کی طرف ہوئی ہے۔(امل) اس کیلئے مفعول ہے (ھا) ضمیر نفس کی طرف راجع ہے۔

محل استشہاد:

(باقیًا) محل استشہاد ہے حال واقع ہوا ہے "عیش" نکرہ ذوالحال سے مسوّغ یہاں حال کا استفہام انکاری کے بعد واقع ہونا ہے جو کہ نفی کے معنی میں ہے۔ نہی کے بعد واقع ہونے کی مثال جیسے مصنف کا یہ قول " لا یبغ امرؤ علی امرئ مستسهلاً" (کوئی آدمی کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرے آسان سمجھ کر)

اور قطری بن الفجاءۃ کا یہ قول بھی ہے۔

۱۸۶- لَا یرکَنَنْ اَحَدٌ إِلَی الاحجَام
یَوْمَ الوَغَی مُتَخوّفًا لِحمَام

ترجمہ:.....موت سے ڈر کر جنگ کے دن کوئی بھی پیچھے ہٹنے کی طرف مائل نہ ہو۔

تشریح المفردات:

(لایرکنن) نہی غائب معروف بانون تاکید خفیفہ، بمعنی مائل ہونا قرآن کریم میں ہے " وَلَا ترکنُوا إِلی الذینَ ظلمُوا" (احجام) دشمن سے ملنے سے گریز کرنا، پیچھے ہونا، (الوغی) جنگ، (الحمام) حاء کے کسرہ کے ساتھ موت کو کہتے ہیں۔

محل استشہاد:

(متخوّفًا) محل استشہاد ہے حال واقع ہے "احدٌ" سے جو کہ نکرہ ہے۔ یہاں مسوّغ نکرہ کا نہی کے بعد واقع ہونا ہے۔

واحترز بقوله الخ:

مصنفؒ نے "وَلَم یُنکر غالبًا" کہکر اس بات کی طرف اشارہ کیا جہاں بغیر مسوّغ کے نکرہ سے حال واقع ہوتا ہو جیسے مَرَرْتُ بماءٍ قعدة رَجُلٍ ای مقدار قعدته، اور یہ قول "علیه مِاة بِیضًا (بیضًا بیضاءُ کی جمع ہے یہ ماۃ سے حال واقع ہے اس کو تمیز بنانا صحیح نہیں اس لئے ماۃ کی تمیز مجرور اور مفرد ہوتی ہے۔ جبکہ یہ منصوب بھی ہے اور جمع

بھی ہے۔

حدیث شریف میں بھی آتا ہے " صَلّی رَسُولُ اللّٰہ صَلی اللّٰہ علیہ وسلم قاعدًا وصَلّی وراءہٗ رِجَالٌ قیامًا" یہاں قیامًا حال واقع ہے "رجال" سے جو کہ نکرہ ہے مذکورہ مسوّغات میں سے بھی کوئی مسوّغ نہیں۔

وَسَبْقَ حَالٍ مَا بِحَرْفٍ جُرَّ
أبَوْا وَلاَ أمْنَعُهُ فَقَدْ وَرَد

ترجمہ:......حال کو حرف جر کے ذریعہ مجرور ذوالحال پر مقدم کرنے کو نحویوں نے منع کیا ہے اور میں منع نہیں کرتا ہوں اس لئے کہ کلام عرب میں آیا ہے۔((ما) موصولہ ہے۔)

(ش) مذهب جمهور النحويين أنه لايجوز تقديم الحال على صاحبها المجرور بحرف، فلا تقول في "مررت بهند جالسة": مررت جالسة بهند.

وذهب الفارسي، وابن كيسان، وابن برهان إلى جواز ذلك، وتابعهم المصنف؛ لورود السماع بذلك، ومنه قوله:

۱۸۷ -لَئِنْ كَانَ بَرْدُ الماءِ هَيْمَانَ صَادِيًا
إليَّ حَبِيبًا إنَّهَا لَحَبِيبُ

ف"هَيْمَان، وصاديًا": حالان من الضمير المجرور بإلى، وهو الياء، وقوله:

۱۸۸ - فَإنْ تَكُ أذْوَادٌ أُصِبْنَ وَ نِسْوَةٌ
فَلَنْ يَذْهَبُوا فَرْغًا بِقَتْلِ حِبَالِ

ف"فرغًا" حال من قتل.

وأما تقديم الحال على صاحبها المرفوع والمنصوب فجائز، نحو: "جاء ضاحكًا زيد، وضربت مجردة هندًا"

ترجمہ وتشریح:

حال کوذو الحال پر مقدم کرنا:

یہ جاننا چاہئے کہ ذو الحال کبھی حرف جر اصلی کے ساتھ مجرور ہوتا ہے جیسے مررت بھند جالسۃً، کبھی حرف جر زائد کے ساتھ جیسے "ماجاء من احدرا کبًا" (من زائد ہے راکبًا حال ہے احد سے) اگر حرف جر زائد کے ساتھ مجرور ہے تو اس صورت میں حال کی تقدیم بالاتفاق جائز ہے۔ چنانچہ "ماجاء من راکبًا من احد" کہہ سکتے ہیں۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مجرور بحرف جر اصلی والے ذو الحال پر حال کو مقدم کر سکتے ہیں یا نہیں جمہور نحویوں کے نزدیک نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مررت جالسۃً بھند کہنا صحیح نہیں۔ اور فارسی اور ابن کیسان، ابن برہان رحمہم اللہ کے نزدیک اس صورت میں حال کی تقدیم جائز ہے مصنفؒ نے بھی ان کی اتباع کی ہے اس لئے کہ کلام عرب میں آیا ہے اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

١٨٧ - لَئِنْ كَانَ بَرْدُ الْمَاءِ هَيْمَانَ صَادِيًا

إِلَيَّ حَبِيبًا إِنَّهَا لَحَبِيبُ

ترجمہ:...... اگر ٹھنڈا پانی سخت پیاس کی حالت میں مجھے محبوب ہے تو میری یہ محبوبہ بھی مجھے محبوب ہے (یعنی میری محبوبہ میرے نزدیک پیاسے کیلئے ٹھنڈے پانی کی طرح ہے اور چونکہ سخت پیاسے کو ٹھنڈے پانی کی زیادہ ضرورت ہے اس لئے میری محبوبہ بھی مجھے زیادہ پسند ہے۔

تشریح المفردات:

(برد) بمعنی بارد، ٹھنڈا، (برد الماء) میں صفت کی اضافت ہے موصوف کی طرف ای الماء البارد (ھیمان) ھُیام سے ہے (بضم الھاء) اور ھیام (بالکسر) اس کی جمع ہے، سخت پیاس (صادیًا) اسم فاعل ہے سمع سے (ھیمان، صادیا) الفاظ مترادفہ ہیں معنی ان کا ایک ہے (حبیب) حبیبۃ نہیں کہا اس لئے فعیل جب بمعنی مفعول ہو اس میں مذکر ومؤنث برابر ہوتے ہیں۔

محل استشہاد:

(هيمانَ صَادِيًا) محل استشہاد ہیں یہ دونوں حال واقع ہیں اس ضمیر سے جو مجرور ہے الی کے ساتھ (محلًا) اوراسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۸۸ ـ فَـــإنْ تَكُ أذْوَادٌ أصِبْـــنَ وَنِسْـــوَةٌ

فَلَــنْ يَذْهَبُــوا فَــرْغًــا بِقَتْــلِ حِبَــالِ

ترجمہ:......اگر اونٹ اور عورتیں سلب کردی گئیں تو خیر ہے لیکن یہ تم ہرگز حبال کے قتل کو رائیگاں نہیں لے جاسکتے ہو۔

تشریح المفردلت:

(اذواد) ذود کی جمع ہے تین سے دس سال تک کے اونٹوں کو کہا جاتا ہے (فراغا) بفتح الفاء أو كسرها بمعنی رائیگاں جانا، ضائع ہو جانا (حبال) شاعر کا بیٹا یا بھتیجا ہے۔

شان ورود:......شاعر طلحہ بن خویلد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر ظاہری طور پر اسلام لایا لیکن واپسی کے بعد نبوت کا دعوی کر کے مرتد ہوا آپ علیہ السلام نے مقابلے کیلئے لشکر روانہ کیا لیکن طلحہ خود بچ گیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے طلحہ کی طرف عکاشہ اور ثابت رضی اللہ عنہما کو بھیجا لیکن یہ دونوں اس کے ہاتھوں شہید ہوئے ان دونوں کی شہادت نے قتل طلحہ کے بیٹے یا بھتیجے "حبال" کو قتل کیا گیا تھا جس پر اس نے یہ شعر کہا۔

(اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کے دور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کر کے جنگ قدسیہ میں شرکت کی اور بالآخر شہادت پائی)

محل استشہاد:

(فــرغــا) محل استشہاد ہے حال واقع ہے "قتل" سے جو حرف جر کے ذریعہ مجرور ہے۔ اگر ذوالحال مرفوع یا منصوب ہو تو پھر حال کی تقدیم جائز ہے جیسے "جاء ضاحكًا زيدٌ" ضربتُ مجرّدة هندًا.

وَلاَ تُجِزْ حَالاً مِنَ الْمُضَافِ لَهْ
اِلاّ إِذَا اقْتَضَى الْمُضَافُ عَمَلَهْ
أَوْ كَانَ جُزْءَ مَالَهُ أُضِيفَا
أَوْ مِثْلَ جُزْئِهِ فَلاَ تَحِيفَا

ترجمہ:...... مضاف الیہ سے آپ حال کو جائز نہ کریں مگر جب مضاف مضاف الیہ کے عمل کا تقاضا کرے یا وہ مضاف الیہ کا جزء ہو یا جزء کی طرح ہو۔ پس آپ زیادتی نہ کریں۔

(ش) لايجوز مجيء الحال من المضاف إليه، إلا إذا كان المضاف مما يصح عمله في الحال: كاسم الفاعل، والمصدر، ونحوهما مما تضمّن معنى الفعل؛ فتقول: هذا ضارب هندٍ مجردةً، وأعجبني قيام زيد مسرعًا، ومنه قوله تعالى: ﴿إليه مرْجِعُكُمْ﴾، ومنه قول الشاعر:

۱۸۹ – تَقُولُ ابْنَتِي أَنَّ انْطِلاَقَكَ وَاحِدًا
إِلَى الرَّوعِ يَوْمًا تَارِكِي لاَ أَبَالِيَا

وكذلك يجوز مجيء الحال من المضاف إليه: إذا كان المضاف جزءًا من المضاف إليه، أو مثل جزئه في صحة الاستغناء بالمضاف إليه عنه؛ فمثال ما هو جزء من المضاف إليه قوله تعالى: ﴿ونزعنا ما في صدورهم من غل إِخْوَانًا﴾ ف" إخوانًا" حال من الضمير المضاف أليه "صدور"، والصدور: جزء من المضاف إليه، ومثال ما هو مثل جزء المضاف إليه — في صحة الاستغناء بالمضاف إليه عنه — قوله تعالى: ﴿ثم أوحينا إليك أن اتبع ملة إبراهيم حنيفًا﴾ ف"حنيفا": حال من "إبراهيم" والملة كالجزء من المضاف إليه؛ إذ يصح الاستغناء بالمضاف أليه عنها؛ فلو قيل في غير القرآن: "أن اتبع إبراهيم حنيفًا" لصح.

فإن لم يكن المضاف مما يصح أن يعمل في الحال، ولا هو جزء من المضاف أليه، ولا مثل جزئه — لم يجز أن يجئ الحال منه؛ فلا تقول: "جاء غلام هند ضاحكةً" خلافًا للفارسي، وقول ابن المصنف رحمه الله تعالى: "إن هذه الصورة ممنوعة بلا خلاف" ليس بجيد، فإن مذهب الفارسي

جوازها، كما تقدم، وممن نقله عنه الشريف أبو السعادات ابن الشجرى فى أماليه.

ترجمہ وتشریح:

مضاف الیہ سے حال کا واقع ہونا:

مضافِ الیہ سے حال واقع ہوسکتا ہے یا نہیں؟

بعض حضرات کی رائے یہ ہے (جن میں مصنفؒ بھی شامل ہیں) کہ مضاف الیہ سے حال واقع ہونا صحیح نہیں جب تک تین شرائط پائی نہ جائیں۔

(۱)......اوّل یہ کہ مضاف ایسا ہو جس کا حال میں عمل کرنا صحیح ہو جیسے اسم فاعل، مصدر، یا جو فعل کے معنی کو متضمن ہو اور فعل کی طرح عمل کرتا ہو جیسے هذا ضاربُ هندٍ مجردةً اعجبني قيامُ زيدٍ مسرعًا اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول "اليه مرجعكم جميعًا" (جميعًا، "كم" ضمیر سے حال ہے)

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے:

۱۸۹ - تقولُ ابنتي إنَّ انطلاقَكَ وَاحِدًا

إلى الروعِ يومًا تاركي لاَ أبَا لِيَا

ترجمہ:...... میری بیٹی مجھے کہتی ہے کہ آپ کا اکیلا جنگ کی طرف جانا ایک دن مجھے بغیر باپ کے بنادے گا۔

تشریح المفردات:

(انطلاقك) میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے (روع) بمعنی خوف، مراد اس سے جنگ ہے یہاں جنگ مسبب کو ذکر کر کے سبب کا ارادہ کیا ہے اس لئے کہ جنگ سبب ہے خوف کا۔

محل استشہاد:

(واحدًا) محل استشہاد ہے یہ حال واقع ہے انطلاقک میں کہ مضاف الیہ کی ضمیر سے اس لئے کہ انطلاق مصاف کا عمل اس میں صحیح ہے۔

(۲)......دوسری جگہ جہاں مضاف الیہ سے حال بنانا صحیح ہے دو ہے جہاں مضاف مضاف الیہ کا جزء ہو۔
(۳)......تیسری یہ ہے کہ جزء تو نہ ہو لیکن جزء کی طرح ہو۔

جزء کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "وَنَزَعْنَا مَافِی صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا" یہاں "اخوانًا" حال واقع ہے "صدورهم" کی 'هم' "مضاف الیہ کی ضمیر سے اور صدور مضاف الیہ کا جزء ہے (سینہ انسان کا جزء ہوتا ہے)

(۴) مضاف الیہ کے جزء کی طرح ہو (یعنی مضاف الیہ سے الگ ہونے کی صحت میں) اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

"ثُمَّ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا"

اس میں حنیفًا ابراھیم سے حال واقع ہے اور ملة مضاف الیہ کے جزء کی طرح ہے (فی صحة الاستغناء) چنانچہ غیر قرآن میں "ان اتّبع ابراھیم حنیفًا" کہا جائے تو صحیح ہوگا۔

اب اگر یہ شرائط نہ پائی جائیں تو اس صورت میں مضاف الیہ سے حال کا واقع ہونا صحیح نہیں ہوگا۔ لہٰذا جاء غلامُ هند ضاحکةً" کہنا شرائط نہ پانے کی وجہ سے صحیح نہیں۔

مصنفؒ کے بیٹے کا یہ کہنا کہ یہ صورت بغیر اختلاف کے منع ہے صحیح نہیں اس لئے کہ فارسی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے شریف ابو السعادت نے اپنے امالی میں ان سے یہی نقل کیا ہے۔

(ص ۲۶۷ کے حاشیہ میں اس موضوع پر سیر بحث کی گئی ہے شائقین وہاں ملاحظہ فرمائیں)

وَالْحَالُ اِنْ یُنْصَبْ بِفِعْلٍ صُرِّفَا
اَوْ صِفَةٍ اَشْبَهَتِ الْمُصَرَّفَا
فَجَائِزٌ تَقْدِیْمُهُ "کَ" مُسْرِعَا
ذَا رَاحِلٌ، وَمُخْلِصًا زَیْدٌ دَعَا

ترجمہ:......حال اگر منصوب ہو فعل متصرف یا ایسی صفت کے ساتھ جو فعل متصرف کے ساتھ مشابہ ہو۔ تو اس کی تقدیم جائز ہے جیسے مُسْرِعًا ذَا رَاحِلٌ، مُخْلِصًا زَیْدٌ دَعَا۔

(ش) یجوز تقدیم الحال علی ناصبها إن کان فعلاً متصرفًا أو صفة تشبه الفعل المتصرف، والمراد بها: ما تضمن معنى الفعل وحروفه، وقبل التأنیث، والتثنیة والجمع: کاسم الفاعل، واسم المفعول،

والصفة المشبهة؛ فمثال تقديمها على الفعل المتصرف "مخلصًا زيد دعا" [فدعا: فعل متصرف، وتقدمت عليه الحال]، ومثال تقديمها على الصفة المشبهة له: "مسرعًا ذا راحل"

فإن كان الناصب لها فعلا غير متصرف لم يجز تقديمها عليه، فتقول: "ما أحسن زيدًا ضاحكًا" ولا تقول: "ضاحكًا ما أحسن زيدًا" لأن فعل التعجب غير متصرف في نفسه؛ فلا يتصرف في معموله، وكذلك إن كان الناصب لها صفة لا تشبه الفعل المتصرف كأفعل التفضيل لم يجز تقديمها عليه، وذلك لأنه لا يثنى، ولا يجمع، ولا يؤنث، فلم يتصرف في نفسه؛ فلا يتصرف في معموله، فلا تقول: "زيد ضاحكًا أحسن من عمرو"، بل يجب تأخير الحال؛ فتقول: "زيد أحسن من عمرو ضاحكًا"

ترجمہ وتشریح:

حال کو اس کے عامل پر مقدّم کرنا:

حال کی تقدیم اس کے ناصب (عامل) پر جائز ہے یا نہیں؟

اس کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ اگر ناصب فعل متصرف ہو یا ایسی صفت ہو جو فعل متصرف کے مشابہ ہو۔ (مراد اس مشابہت سے یہ ہے کہ وہ فعل کے معنی اور حروف کو متضمن ہو (یعنی تانیث، تثنیہ، جمع کو قبول کرتا ہو) جیسے اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ تو اس صورت میں حال کی تقدیم صحیح ہے۔ فعل متصرف پر تقدیم کی مثال مُخلصًا زیدٌ دَعَا (زید نے دعا کی اس حال میں کہ وہ مخلص تھا) "دَعَا" فعل متصرف ہے اور حال اس پر مقدّم ہے) صفت مشبہ پر تقدیم کی مثال: مُسْرِعًا ذَارَاحِلٌ (وہ کوچ کرنے والا ہے اس حال میں کہ تیز ہے)

اور اگر ناصب فعل غیر متصرف ہو تو پھر حال کی تقدیم صحیح نہیں۔ چنانچہ ضاحکًا ما احسنَ زیدًا نہیں کہا جائے گا اس لئے کہ فعل تعجب خود غیر متصرف ہے تو اپنے معمول میں کیسے تصرف کرے گا؟

اسی طرح اگر ناصب ایسی صفت ہو جو فعل متصرف کے ساتھ مشابہ نہ ہو تو بھی حال کی تقدیم اس پر صحیح نہیں اس لئے کہ یہ تثنیہ، جمع، مؤنث نہیں بنتا "فلم يتصرّف في نفسه فلا يتصرّف في معموله" چنانچہ "زیدٌ ضاحكًا احسنُ من عمرو" کہنا صحیح نہیں۔ (مغنی اللبیب میں اسم تفضیل کے تثنیہ جمع ہونے پر تفصیلی کلام ہے)

وَعَامِلٌ ضُمِّنَ مَعْنَى الْفِعْلِ لَا
حُرُوفَهُ مُؤَخَّرًا لَنْ يَعْمَلَا
كَـ"تِلْكَ" "لَيْتَ" وَ"كَأَنَّ"، وَنَدَرْ
نَحْوُ "سَعِيدٌ مُسْتَقِرًّا فِي هَجَرْ"

ترجمہ:...... جو عامل فعل کے معنی کو متضمن ہو نہ کہ اس کے حروف کو تو وہ ہرگز عمل نہیں کرتا اس حال میں کہ وہ مؤخر ہو جیسے تلک (یعنی اسماء اشارات) لیت (حروف تمنی) کانّ (یعنی حروف تشبیہ) اور "سعید مستقرًا فی هجر" جیسی مثال نادر ہے۔ (اس مثال میں حال اپنے عامل پر مقدم ہے جو کہ ظرف ہے)

(ش) لا یجوز تقدیم الحال علی عاملها المعنوی، وهو: ما تضمن معنی الفعل دون حروفه: کأسماء الإشارة، وحروف التمنی، والتشبیه، والظرف، والجار والمجرور، نحو: "تلک هند مجردة، ولیت زیدًا أمیرًا أخوک، وکأنّ زیدًا راکبًا أسد، وزید فی الدار - أو عندک - قائمًا" فلا یجوز تقدیم الحال علی عاملها المعنوی فی هذه المثل ونحوها، فلا تقول: "مجردة تلک هند" ولا "أمیرًا لیت زیدًا أخوک" ولا "راکبًا کأنّ زیدًا أسد"

وقد ندر تقدیمها علی عاملها الظرف [نحو: زید قائمًا عندک] والجار والمجرور نحو: "سعید مستقرًا فی هجر" ومنه قوله تعالی: (والسموات مطویات بیمینه) فی قراءة من کسر التاء، وأجازه الأخفش قیاسًا.

ترجمہ وتشریح:

معنوی عامل پر حال کی تقدیم جائز نہیں، معنوی عامل سے وہ عامل مراد ہے جو فعل کے معنی کو متضمن ہو نہ کہ اس کے حروف کو جیسے اسماء اشارات، حرف تمنی حروف تشبیہ ظرف یا جار ومجرور (مثلاً تلک میں اُشیرُ اور لیت میں تمنیتُ وغیرہ فعل کے معانی پائے جاتے ہیں) جیسے تلک هند مجردةً، لیت زیدًا امیرًا اخوک کانّ زیدًا راکبًا اسدٌ، زیدٌ فی الدار، زیدٌ عندک قائمًا، ان مثالوں میں حال کی تقدیم صحیح نہیں فلاتقول مجردةً تلک هند الخ۔

ہاں کبھی ظرف عامل ہو حال مقدم بھی ہو جاتا ہے جیسے "زید لدینا قائماً عندک" جار مجرور جیسے "سعید مستقرٌ فی هجر" اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "والسمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٍ بیمینه" (ان حضرات کی قراءت میں جو تاء کو کسرہ دیتے ہیں چونکہ جمع مؤنث سالم میں حالت نصبی جری کے تابع ہوتی ہے اس لئے یہ منصوب بنا بر حالیت جار مجرور کی ضمیر سے ہوگا، اگرچہ مشہور قراءت کے مطابق یہ مرفوع ہے بنا بر خبریت ۔)

اخفش رحمہ اللہ اس کو قیاساً جائز کہتے ہیں۔

وَنَحْوُ "زَيْدٌ مُفْرَدًا أَنْفَعُ مِنْ
عَمْرٍو مُعَانًا" مُسْتَجَازٌ لَنْ يَهِنْ

ترجمہ:.... زید مفرداً انفع جیسی مثال جائز ہے ضعیف نہیں۔

(ش) تقدم أن أفعل التفضيل لا يعمل فى الحال مقدمة، واستثنى من ذلك هذه المسألة، وهى: ما إذا فضل شئ فى حال على نفسه أو غيره فى حال أخرى، فإنه يعمل فى حالين إحداهما متقدمة عليه، والأخرى متأخرة عنه، وذلك نحو: "زيد قائمًا أحسن منه قاعدًا" و"زيد مفردًا أنفع من عمرو معانًا" ف "قائمًا، ومفردًا" منصوبان بأحسن وأنفع، وهما حالان، وكذا "قاعدًا ومعانًا" وهذا مذهب الجمهور.

وزعم السيرافى أنهما خبران منصوبان بكان المحذوفة، والتقدير: "زيد إذا كان قائمًا أحسن منه إذا كان قاعدًا، وزيد إذا كان مفردًا أنفع من عمرو إذا كان معانًا"

ولا يجوز تقديم هذين الحالين على أفعل التفضيل، ولا تأخيرهما عنه، فلا تقول: "زيد قائمًا قاعدًا أحسن منه"، ولا [تقول]: "زيد أحسن منه قائمًا قاعدًا"

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے یہ بات گذر گئی کہ اسم تفضیل اس حال میں عمل نہیں کرتا جو مقدم ہو ابھی اس حکم سے ایک صورت کو مستثنیٰ کرتے ہیں وہ یہ کہ جب ایک چیز کو ایک حال میں فضیلت دی گئی اسی چیز کے دوسرے حال پر یا دوسری چیز کے حال پر جیسے "زید قائمًا أحسن منه قاعدًا" (زید اس حال میں کہ وہ کھڑا ہو بہتر ہے اس حال سے جس میں وہ بیٹھا ہو) زید مفرداً

انفع من عمرو مُعَانًا۔(زید جب الگ ہو وہ عمرو سے زیادہ نفع مند ہے جبکہ عمرو کی مدد کی جاتی ہو)

اس میں اسم تفضیل دو حالوں میں عمل کرے گا ایک مقدم ہے اور دوسرا مؤخر یہ جمہور کا مسلک ہے۔

سیرانی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں "کَانَ محذوفہ" کے ساتھ منصوب ہیں نہ کہ بنا بر حالیت و التقدیر زیدٌ اذا کان قائمًا احسنُ منه اذا کانَ قاعدًا"

اوران دونوں حالوں کی تقدیم اور تاخیر نا جائز ہے۔

وَالْحَالُ قَدْ يَجِيءُ ذَا تَعَدُّدِ
لِمُفْرَدٍ فَاعْلَمْ وَغَيْرَ مُفْرَدِ

ترجمہ:.....حال کبھی آتا ہے اس حال میں کہ وہ تعدد والا ہوتا ہے مفرد ذوالحال یا متعدد کیلئے پس آپ جان لیجئے (فاعلَمْ جملہ معترضہ ہے)

(ش) یجوز تعدد الحال و صاحبها مفردًا، أو متعدد.

فمثال الأول: "جاء زيد راكبًا ضاحكًا" ف"راكبًا، وضاحكًا": حالان من "زيد" والعامل فيهما "جاء"

ومثال الثاني: "لقيت هندًا مصعدًا منحدرةً" ف"مصعدًا" : حال من التاء، و"منحدرةً": حال من "هند"، والعامل فيهما "لقيت"، ومنه قوله:

١٩٠-لَقِيَ ابْنِي أَخَوَيْهِ خَائِفًا
مُنْجِدَيْهِ فَأَصَابُوا مَغْنَمَا

ف"خائفًا" حال من "ابنيَّ"، و"منجديه" حال من "أخويه"، والعامل فيهما "لقي"

فعند ظهور المعنى ترد كل حال إلى ما تليق به، وعند عدم ظهوره يجعل أول الحالين لثاني الاسمين، وثانيهما لأول الاسمين، ففي قولك: "لقيت زيدًا مصعدًا منحدرًا"، يكون "مصعدًا" حالًا من زيد و"منحدرًا" حالًا من التاء.

ترجمہ وتشریح:

جس طرح خبر کے ذریعہ حکم دیا جاتا ہے اسی طرح حال کے ذریعہ بھی معنی کے اعتبار سے ذوالحال سے خبر دی جاتی ہے تو جس طرح خبر کا تعدد جائز ہے اسی طرح حال کا تعدد بھی جائز ہے۔ ذوالحال مفرد ہو یا متعدد۔

ذوالحال مفرد اور حال متعدد کی مثال" جاءَ زیدٌ راکبًا ضاحکًا، راکبًا، اور ضاحکًا" دونوں زید سے حال ہیں اور عامل ان کے اندر "جاء" ہے ذوالحال اور حال دونوں متعدد ہوں اس کی مثال۔ "لقیتُ ھندًا مُصعِدًا منحدرةً" (مصعد چڑھنے والا، منحدرة، نیچے اترنے والی) مُصعدًا "تُ" ضمیر بارز سے اور منحدرة (ھند) سے حال واقع ہیں۔ اور دونوں میں عامل "لقیتُ" ہے۔

اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۹۰- لَقِيَ ابْنِي أَخَوَيْهِ خَائِفًا
مُنْجِدَيْهِ فَأَصَابُوا مَغْنَمًا

ترجمہ:...... میرا بیٹا خوف کی حالت میں اپنے دو بھائیوں سے جا ملا اس حال میں کہ وہ دونوں بھائی اس کی مدد کرنے والے تھے پس تینوں نے ملکر غنیمت کو حاصل کر لیا۔

تشریح المفردات:

(لقی) سمع ماضی معروف۔ (اخویه) اصل میں "أخوین له" تھا لام کو تخفیف اور نون کو اضافت کی وجہ سے حذف کیا (منجدیه) النجدُ یُنجِدُ انجاد سے اسم فاعل کا تثنیہ ہے، کسی کے ساتھ مدد، وتعاون کرنا، چونکہ منجد نامی کتاب بھی لغت میں مدد کرتی ہے اس لئے اسے "المنجد فی اللغة" کہا جاتا ہے (مغنما) غنیمت جمع اس کی (مغانم) آتی ہے۔

محل استشہاد:

(خائفًا) منجدیه محل استشہاد ہے یہاں ذوالحال اور حال دونوں متعدد ہیں چنانچہ خائفًا حال ہے ابنی سے اور "منجدیه" حال واقع ہے "أخویه" سے اور عامل دونوں میں "لقی" ہے۔

لہٰذا جہاں معنی میں ظہور ہو اور التباس نہ ہو وہاں ہر حال کو اس کے مناسب جز والے کے ساتھ لایا جائے گا اور عدم ظہور کی صورت میں پہلے حال کو دوسرے اسم اور دوسرے کو پہلے اسم کیلئے متعین کیا جائے گا۔

چنانچہ "لقیت زیدًا مُصعِدًا منحدرًا" میں "مصعدا" حال ہوگا "زیدًا" سے (لف نشر غیر مرتب)

اور "منحدرًا" حال واقع ہوگا "ت" ضمیر سے۔

وَعَامِلُ الْحَالِ بِهَا قَدْ أُكِّدَا

فِي نَحْوِ لَا تَعْثَ فِي الْأَرْضِ مُفْسِدَا

ترجمہ:......حال کے عامل کو اس کے ذریعہ مؤکد کیا جاتا ہے "لَا تَعْثَ فِي الْأَرْضِ مُفْسِدًا" جیسی ترکیب میں

(ش) تنقسم الحال إلى مؤكدة وغير مؤكدة، فالمؤكدة على قسمين، وغير المؤكدة ما سوى القسمين.

فالقسم الأول من المؤكدة ما أكدت عاملها، وهي المراد بهذا البيت، وهي: كل وصف دل على معنى عامله وخالفه لفظا، وهو الأكثر، أو وافقه لفظا، وهو دون الأول في الكثرة؛ فالأول "لاتعث في الأرض مفسدًا" ومنه قوله تعالى: ﴿ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ﴾ وقوله تعالى: ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾، ومن الثاني قوله تعالى: ﴿وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا﴾ وقوله تعالى: ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ﴾.

ترجمہ وتشریح:

حال کی قسمیں:

حال کی دو قسمیں ہیں۔ مؤکدہ، غیر مؤکدہ۔

مؤکدہ کی پھر دو قسمیں ہیں اور غیر مؤکدہ وہ ہے جو ان دونوں قسموں کے علاوہ ہو۔ مؤکدہ کی پہلی قسم وہ ہے جو اپنے عامل کی تاکید کرے (اس شعر میں بھی یہی قسم مراد ہے) اور اس سے مراد ہر وہ وصف ہے جو اپنے عامل کے معنی پر دلالت کرے اور لفظا اس کے خلاف ہو (یہ اکثر ہوتا ہے) یا لفظا بھی موافق ہو۔ (یہ قلیل ہے)

لفظا مخالف کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "لا تعث فی الارض مفسدا" ثم ولیتم مدبرین، لا تعثوا فی الارض مفسدین" اور لفظا موافق کی مثال "وارسلناک للناس رسولا"، اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول "وسخر لکم واللیل والنهار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره" (مسخرات حال ہے)

وَاِنْ تُؤَكِّدْ جُمْلَةً فَمُضْمَرُ
عَامِلُهَا وَلَفْظُهَا يُؤَخَّرُ

ترجمہ:......اگر حال جملہ کی تاکید کرے تو اس کا عامل محذوف ہوگا اور اس (حال کا) لفظ مؤخر ہوگا۔

(ش) هذا هو القسم الثانی من الحال المؤكدة، وهی: ما أكدت مضمون الجملة، وشرط الجملة: أن تكون اسمية، وجزآها معرفتين، جامدين، نحو: "زيد أخوك عطوفا، وأنا زيد معروفا"، ومنه قوله:

۱۹۱- أَنَا ابْنُ دَارَةَ مَعْرُوفًا بِهَا نَسَبِي
وَهَلْ بِدَارَةَ يَا لَلنَّاسِ مِنْ عَارِ

فـ"عطوفا، ومعروفا" حالان، وهما منصوبان بفعل محذوف وجوبا، والتقدير فی الأول "أحقه عطوفا"، وفی الثانی: "أحق معروفا".

ولا يجوز تقديم هذه الحال علی هذه الجملة، فلا تقول: "عطوفا زيد أخوك" ولا "معروفا أنا زيد" ولا توسطها بين المبتدأ والخبر، فلا تقول: "زيد عطوفا أخوك".

ترجمہ وتشریح:

حال مؤکدہ کی دوسری قسم بتا رہے ہیں جو جملہ کے مضمون کی تاکید کرتا ہو، اس جملہ کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ اسمیہ ہو اور اس کے دونوں جزء معرفہ بھی ہوں اور جامد بھی (یعنی مشتق نہ ہوں) جیسے "زید اخوک عطوفا" "انا زید معروفا" اور اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۹۱- أَنَا ابْنُ دَارَةَ مَعْرُوفًا بِهَا نَسَبِي
وَهَلْ بِدَارَةَ يَا لَلنَّاسِ مِنْ عَارِ

ترجمہ:...... میں دارہ کا بیٹا ہوں اس سے میرا نسب معروف ہے، اے لوگو کیا دارہ
پر کوئی عیب ہے؟ (جس کی وجہ سے میرا نسبی تعلق شرمندگی کا باعث ہو)

تشریح المفردات:

(دارۃ) بعض کے نزدیک شاعر کی والدہ کا نام ہے اور بعض کے نزدیک شاعر کے دادا کا لقب ہے اس صورت میں (بھا) میں مؤنث (ھا) کی ضمیر قبیلہ کی طرف لوٹے گی۔ (ھل بدارۃ) میں استفہام انکاری بمعنی نفی ہے۔ ای لا یوجد عار بانتساب بدارۃ"

محل استشہاد:

"معروفا" محل استشہاد ہے حال واقع ہے اور ماقبل جملہ کے مضمون کی تاکید کی ہے، اس کا عامل "أحق" وجوبا حذف ہے اس لئے کہ ماقبل جملہ اس کے عوض ہے اور عوض اور معوض کے درمیان اجتماع صحیح نہیں۔

ولایجوز الخ:

اس حال کو جملہ پر مقدم نہیں کر سکتے۔ چنانچہ عطوفا زید اخوک، معروفا انا زید کہنا صحیح نہیں اور نہ درمیان میں لاکر "زید عطوفا اخوک" صحیح ہے۔

وَمَوْضِعَ الْحَالِ تَجِي جُمْلَهْ
كَجَاءَ زَيْدٌ وَهُوَ نَاوٍ رِحْلَهْ

ترجمہ:...... حال کی جگہ جملہ آتا ہے جیسے "جاء زیدٌ وَهُوَ نَاوٍ رِحْلَةً" (زید آیا اس حال میں کہ وہ کوچ کا ارادہ کرنے والا تھا)

(ش) الأصل في الحال والخبر والصفة الإفراد، وتقع الجملة موقع الحال، كما تقع موقع الخبر والصفة، ولا بد فيها من رابط وهو في الحالية: إما ضمير، نحو: "جاء زيد يده على رأسه" أو واو — وتسمى واو الحال، وواو الابتداء، وعلامتها صحة وقوع "إذ" موقعها نحو جاء زيد وعمرو قائم التقدير "إذ" عمرو قائم، أو الضمير والواو معا، نحو: "جاء زيد وهو ناو رحلة"

ترجمہ وتشریح:

حال میں اصل مفرد ہونا ہے:

حال، خبر، اور صفت میں اصل مفرد ہونا ہے، جملہ بھی کبھی حال کی جگہ پر واقع ہوتا ہے جس طرح خبر اور صفت کی جگہ پر واقع ہوتا ہے لیکن اس میں رابط کا ہونا ضروری ہے جملہ حالیہ میں رابط یا تو ضمیر ہوگی، جیسے "جاءَ زیدٌ یدُہ علیٰ راسِہ" یا رابطہ واو ہوگا، اس کو واو حال اور واو ابتدا کہتے ہیں (واو ابتداء اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ زیادہ تر مبتدا پر داخل ہوتا ہے یا اس وجہ سے کہ حال کی ابتداء میں آتا ہے) علامت اس کی یہ ہے کہ اس کی جگہ پر "اِذْ" کا واقع ہونا صحیح ہو جیسے "جاءَ زیدٌ وعمرٌو قائمٌ" والتقدیر اذعمرو قائمٌ یا واو اور ضمیر دونوں رابط ہوں گے جیسے "جاءَ زیدٌ وَھُوَ ناوٍ رحلۃً"

وَذَاتُ بَدْءٍ بِمُضَارِعٍ ثَبَتْ
حَوَتْ ضَمِيرًا، وَمِنَ الْوَاوِ خَلَتْ
وَذَاتُ وَاوٍ بَعْدَهَا انْوِ مُبْتَدَا
لَهُ الْمُضَارِعَ اجْعَلَنَّ مُسْنَدَا

ترجمہ:...... جو جملہ حالیہ مضارع سے شروع ہو وہ ضمیر پر مشتمل ہوگا اور واو سے خالی ہوگا

اور جہاں جملہ حالیہ کے بعد واو ہو وہاں آپ مبتدا کو مقدر مان کر مضارع کو اس کی طرف مسند کردیں۔

(ش) الجملۃ الواقعۃ حالا: إن صدرت بمضارع مثبت لم یجز أن تقترن بالواو، بل لا تربط إلا بالضمیر، نحو: "جاء زید یضحک، وجاء عمرو تقادُ الجنائب بین یدیہ" ولا یجوز دخول الواو، فلا تقول: "جاء زید ویضحک" فإن جاء من لسان العرب ما ظاهرہ ذلک أوّل علی إضمار مبتدأ بعد الواو، ویکون المضارع خبرًا عن ذلک المبتدأ، وذلک نحو قولھم: "قمت وأصک عینہ"، وقولہ:

۱۹۲- فَلَمَّا خَشِيتُ أَظَافِيرَهُمْ
نَجَوْتُ وَأَرْهَنُهُمْ مَالِكَا

ف "اصک، وارهنهم" خبران لمبتدأ محذوف، والتقدير: وانا اصک، وانا ارهنهم.

ترجمہ وتشریح:

جملہ حالیہ میں واؤ کا آنا:

جو جملہ حال واقع ہو اگر وہ مضارع مثبت سے شروع ہو تو واؤ کے ساتھ اس کا مقترن ہونا جائز نہیں۔ وہاں ربط صرف ضمیر سے ہوگا جیسے جاء زیدٌ یضحک، جاء عمرٌو تقادُ الجنائب بین یدیه (عمرو آیا اس حال میں کہ اس کے آگے گھوڑے کھینچے جا رہے تھے، جنائب، جنیبۃ کی جمع ہے اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو امیر کے آگے بغیر سواری کے لے جایا جاتا ہو) واؤ کے ساتھ "جاء زیدٌ ویضحک" نہیں کہہ سکتے۔

اگر لسان العرب میں اس طرح کی عبارت آجائے جہاں ابتداء میں واؤ ہو تو وہاں واو کے بعد مبتدا کو مقدر ماننے کی تاویل کی جائے گی اور مضارع اس مبتدا سے خبر ہوگا جیسے "قُمتُ وَاَصُکُّ عینهٗ ای وانا الخ"۔

اور اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۹۲- فَلَمَّا خَشِيتُ أَظَافِيرَهُم
نَجَوْتُ وَأَرْهَنُهُم مَالِكَا

ترجمہ:...... جب میں ان کے اظفور سے ڈرا تو میں نے نجات حاصل کی اس حال میں کہ ان کے ہاں مالک نامی آدمی کو رہن میں رکھوایا۔

تشریح المفردات:

(اظافیر) اس میں پانچ لغتیں ہیں۔

(۱) اظفُور کی جمع ہے ناخن، پنجہ کو کہا جاتا ہے یہاں اس سے اسلحہ مراد ہے، اظفور بروزن اسبوع میں چار اور لغتیں ہیں۔

(۲) ظُفُر (بضم الظاء والفاء) یہ زیادہ فصیح ہے۔

(۳) ظُفْر (بضم الظاء وسکون الفاء تخفیفًا)۔

(۴) ظُفر بكسر الظاء وبسكون الفاء.

(۵) ظِفِر (بكسر الظاء والفاء)

محلِ استشہاد:

(وَأَرْهَـنَهُـم) محل استشہاد ہے یہاں بظاہر مضارع مثبت حال واقع ہے اور اس سے پہلے واو ہے لیکن چونکہ یہ صحیح نہیں اس وجہ سے اس کیلئے مبتدا محذوف ہوگا جو کہ "أنا" ہے اور پورا جملہ اس مبتدا سے خبر واقع ہوگا۔

وَجُمْلَةُ الْحَالِ سِوَى مَا قُدِّمَا
بِوَاوٍ، أَوْ بِمُضْمَرٍ، أَوْ بِهِمَا

ترجمہ:.....گزرے ہوئے جملہ حالیہ کے علاوہ باقی جملے واو یا ضمیر یا دونوں کے ساتھ ہونگے۔

(ش) الجملة الحالية: إما أن تكون اسمية، أو فعلية، والفعل [إما] مضارع، أو ماض، وكل واحدة من الاسمية والفعلية: إما مثبتة، أو منفية، وقد تقدم أنه إذا صدرت الجملة بمضارع مثبت لا تصحبها الواو، بل لا تربط إلا بالضمير فقط، وذكر في هذا البيت أن ما عدا ذلك يجوز فيه أن يربط بالواو وحدها، أو بالضمير وحده، أو بهما؛ فيدخل في ذلك الجملة الاسمية: مثبتة، أو منفية، والمضارع المنفي، والماضي: المثبت، والمنفي.

فتقول: "جاء زيد وعمرو قائم، وجاء زيد يده على رأسه وجاء زيد ويده على رأسه" وكذلك المنفي، وتقول: "جاء زيد لم يضحك، أو ولم يضحك، أو ولم يقم عمرو، وجاء زيد وقد قام عمرو، وجاء زيد قد قام أبوه، وجاء زيد وقد قام أبوه" وكذلك المنفي، ونحو: "جاء زيد وما قام عمرو، وجاء زيد ما قام أبوه، أو وما قام أبوه"

ويدخل تحت هذا أيضا المضارع المنفي بلا، فعلى هذا تقول: "جاء زيد ولا يضرب عمرا" بالواو.

وقد ذكر المصنف في غير هذا الكتاب أنه لا يجوز اقترانه بالواو كالمضارع المثبت، وأن

ما ورد مما ظاهره ذلك يؤول على إضمار مبتدأ كقراءة ابن ذكوان: (فاستقيما ولا تتبعان) بتخفيف النون، والتقدير: وأنتما لا تتبعان، فـ"لا تتبعان" خبر لمبتدأ محذوف.

ترجمہ وتشریح:

حال میں اصل مفرد ہوتا ہے:

یہاں اس شعر میں یہ بتا رہے ہیں کہ مذکورہ حالیہ جملوں کے علاوہ اگر دیگر حالیہ جملے آجائیں تو ان میں واؤ، صرف ضمیر، یا دونوں کے ساتھ ربط جائز ہے۔ چنانچہ اس میں جملہ اسمیہ مثبتہ، یا منفیہ، مضارع منفی، ماضی مثبت اور منفی سب داخل ہونگے۔ (مثالیں شرح کی عبارت میں ذکر ہیں) (فلا حاجة إلى الإعادة)

شارح فرماتے ہیں کہ اس کے تحت مضارع منفی بلا بھی داخل ہوا۔ چنانچہ اس میں بھی واؤ کے ساتھ ربط جائز ہے

جیسے "جاء زيدٌ ولا يضرب عمرًا"

لیکن مصنفؒ نے اس کتاب کے علاوہ میں ذکر کیا ہے کہ مضارع مثبت کی طرح اس میں بھی ربط بالواو جائز نہیں جہاں بظاہر واو ہو وہاں مبتدا کو مقدر ماننا جائے گا جیسے "ابن ذکوان کی قرآءت" فاستقيما ولا تتبعن (بتخفيف النون) میں ولا تتبعن حال ہے مضارع منفی ہونے کے باوجود واؤ آیا ہے تاویل اس کی یہ ہے کہ یہاں مبتدا محذوف ہے ای وانتما لا تتبعن۔ (اگرچہ مشہور قراءت کے مطابق لا تتبعنّ نہی تثنیہ حاضر کا صیغہ ہے)

وَالْحَالُ قَدْ يُحْذَفُ مَا فِيهَا عَمِلْ
وَبَعْضُ مَا يُحْذَفُ ذِكْرُهُ حُظِلْ

ترجمہ: کبھی حال کے عامل کو حذف بھی کیا جاتا ہے اور بعض حذف کردہ عامل کا ذکر ممنوع بھی ہوتا ہے۔

(ش) يحذف عامل الحال: جوازًا، أو وجوبًا.

فمثال ما حذف جوازًا أن يقال لك: "كيف جئت" فتقول: "راكبًا"، التقدير "جئت راكبًا"، وكقولك: "بلى مسرعًا" لمن قال لك: "لم تسر" والتقدير: "بلى سرت مسرعًا"، ومنه قوله تعالى: ﴿أيحسب الإنسان ألن نجمع عظامه بلى قادرين على أن نسوي بنانه﴾ التقدير—

واللہ اعلم - بلی نجمعها قادرین.

ومثال ما حذف وجوبا قولک: "زید اخوک عطوفًا" ونحوه من الحال المؤکدة لمضمون الجملة، وقد تقدم ذلک؛ وکالحال النائبة مناب الخبر، نحو: "ضربی زیدًا قائمًا" التقدیر: اذا کان قائمًا، وقد سبق تقریر ذلک فی باب المبتدأ والخبر.

ومما حذف فیه عامل الحال وجوبًا قولهم: "اشتریته بدرهم فصاعدًا، وتصدقت بدینار فسافلًا" ف "صاعدًا، وسافلًا" حالان، عاملهما محذوف وجوبًا، والتقدیر: "فذهب الثمن صاعدًا، وذهب المتصدق به سافلًا".

هذا معنی قوله: "وبعض ما یحذف ذکره حظل" ای بعض ما یحذف من عامل الحال منع ذکره.

ترجمہ وتشریح:

حال کے عامل کو بعض مرتبہ جوازًا اور بعض مرتبہ وجوبًا حذف کیا جاتا ہے۔

حذف جوازی کی مثال کہا جائے "کیف جئت" اور جواب میں "راکبًا" کو ذکر کیا جائے ای جئت راکبًا" چونکہ سوال میں عامل ذکر ہے اس لئے جواب میں اس کی ضرورت باقی نہ رہی، اسی طرح "بلی مسرعًا، لم تسر" کے جواب میں۔

اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے "ایحسب الانسان ان لن نجمع عظامه بلی قادرین علی ان نسوی بنانه ای بلی نجمعها قادرین (تجمع عامل حذف ہے)

حذف وجوبی کی مثال "زید اخوک عطوفًا" (قد تقدم ذکرہ) اسی طرح اس حال میں بھی عامل کا حذف وجوبی ہے جو خبر کے نائب ہو جیسے "ضربی زیدًا قائمًا ای اذا کان قائمًا" (قد سبق تفصیله فی المبتدأ والخبر فی المجلد الاول)

حذف وجوبی کی مثالوں میں "اشتریته بدرهم فصاعدًا، تصدقت بدینار فسافلًا" (صاعدًا" اور "سافلًا" نیچے متصدق به یعنی صدقہ کی ہوئی چیز)

مصنف کے قول "وبعض ما یحذف ذکره حظل" سے یہی مراد ہے۔

التمييز

اسْمٌ بِمَعْنَى "مِنْ" مُبِينٌ نَكِرَه
يُنْصَبُ تَمْيِيزًا بِمَا قَدْ فَسَّرَه
كَشِبْرٍ أَرْضًا وَقَفِيزٍ بُرًّا
وَمَنَوَيْنِ عَسَلًا وَتَمْرًا

ترجمہ:...... تمیز وہ اسم ہے جو مِن کے معنی میں ہو اور ماقبل کے اجمال کے بیان کیلئے ہو
اور نکرہ ہو اس کو تمیز کے طور پر نصب دیا جائے اس عامل کے ساتھ جس کی تفسیر متعین ہوتی
کی ہے یعنی شبر، قفیز، وغیرہ کے ساتھ) جیسے شبر ارضا الخ:

ش) تقدم من الفضلات: المفعول به، والمفعول المطلق، والمفعول له، والمفعول فيه، والمفعول معه، والمستثنى، والحال، وبقي التمييز — وهو المذكور في هذا الباب — ويسمى مفسرًا، وتفسيرًا، ومبينًا، وتبيينًا، ومميزًا، وتمييزًا.

وهو: كل اسم، نكرة، متضمن معنى "من"، لبيان ما قبله من إجمال، نحو: "طاب زيد نفسًا، وعندي شبر أرضًا"

واحترز بقوله: "متضمن معنى من" من الحال؛ فإنها متضمنة معنى "في"

قوله: "لبيان ما قبله" احتراز مما تضمن معنى "من" وليس فيه بيان لما قبله، كاسم "لا" التي لنفي الجنس، نحو: "لا رجل قائم" فإن التقدير: "لا من رجل قائم".

وقوله: "لبيان ما قبله من إجمال" يشمل نوعي التمييز، وهما: المبين إجمال ذات، والمبين إجمال نسبة.

فالمبين إجمال الذات هو: الواقع بعد المقادير — وهي الممسوحات، نحو: "له شبر أرضا" والمكيلات، نحو: "له قفيز برا" والموزونات، نحو: "له منوان عسلا وتمرا" — والأعداد، نحو: "عندي عشرون درهما"

وهو منصوب بما فسّره، وهو: شبر، وقفيز، ومنوان، وعشرون.

والمبين إجمال النسبة هو: المسوق لبيان ماتعلق به العامل: من فاعل، أومفعول، نحو: "طاب زيد نفسًا"، ومثله: ﴿واشتعل الرأس شيبًا﴾، و"غرست الأرض شجرًا"، ومثله: ﴿وفجرنا الأرض عيونا﴾

ف"نفسًا" تمييز منقول من الفاعل، والأصل: "طابت نفس زيد"، و"شجرًا" منقول من المفعول، والأصل: "غرست شجر الأرض" فبين "نفسًا" الفاعل الذى تعلق به الفعل، وبين "شجرًا" المفعول الذى تعلّق به الفعل.

والنّاصب له فى هذا النوع هو العامل الذى قبله.

ترجمہ وتشریح:

تمییز کی تعریف اور اس کی قسمیں:

اس سے پہلے فضلات میں مفعول بہ، مفعول مطلق، مفعول لہ، مفعول فیہ، مفعول معہ، مستثنٰی، حال، کا ذکر ہوا ابھی تمییز کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

تمییز کو مفسّر، تفسیر، مُبیّن، تبیین، ممیّز بھی کہتے ہیں۔

تمییز ہر وہ اسم ہے جو نکرہ ہو "من" کے معنیٰ کو متضمن ہو اور ماقبل کے اجمال کو بیان کرے جیسے طاب زید نفسًا (زید از روئے نفس کے خوش ہوا) عندی شبر ارضًا (میرے پاس ایک بالشت بھر زمین ہے)۔

متضمّن معنی من کہہ کر حال سے احتراز کیا اس لئے کہ وہ "فی" کے معنیٰ کو متضمن ہوتا ہے "لبیان ماقبلہ" کہہ کر اس سے احتراز کیا جو "من" کے معنیٰ کو متضمن ہو لیکن اس میں ماقبل کے اجمال کا بیان نہ ہو جیسے لانفی جنس کا اسم، جیسے "لَارجلَ قائمٌ" فانّ التقدير "لَامِنْ رَجُلٍ قائم"

"لبيان ماقبله من اجمال" تمییز کی دونوں قسموں کو شامل ہے قسم اوّل وہ جو ذات کے اجمال کو بیان کرے اور قسم ثانی وہ جو نسبت کے اجمال کو بیان کرے۔

فالمبيّن إجمال الذات الخ:

ذات کے اجمال کو بیان کرنے والی تمیز وہ کہلاتی ہے جو مقادیر کے بعد واقع ہو یعنی ان اشیاء کے بعد جن کی مقدار ہوتی ہے مقادیر تین چیزوں سے عبارت ہے ممسوحات سے (یعنی جن کو ناپا جاتا ہے) جیسے "لَهٗ شِبْرٌ ارضًا" مکیلات سے (یعنی جن کا کیل ہوتا ہے) جیسے لَهٗ قفيزٌ بُرًّا (اس کے پاس ایک قفیز ہے از روئے گیہوں کے، قفیز ایک قسم کا پیمانہ ہے قفیز کیل ہے اس میں ابہام تھا جب برًّا اس کی تمیز آ گئی تو اس نے اس ابہام کو دور کیا)

موزونات سے (یعنی جن کا وزن کیا جاتا ہے) جیسے "لَهٗ مَنَوَانِ عَسَلًا وتمرًا (من ایک سیر) (والاعداد) یہ مجرور ہے عطف ہے "المقادير" پر یعنی المبيّن اجمال الذات وہ بھی ہے جو اعداد کے بعد واقع ہو جیسے "عندی عشرون درهمًا"

والمبيّن اجمال النسبة الخ:

تمیز کی دوسری قسم جو نسبت کے اجمال کو بیان کرے اور یہ وہ ہے جس کو اس چیز کے بیان کیلئے چلایا گیا ہو جس کے ساتھ عامل متعلق ہو، بعض مرتبہ وہ فاعل سے منقول ہو کر آتی ہے جیسے "طَابَ زيدٌ نفسًا، اشْتَعَلَ الرّأسُ شيبًا، اصل میں "طابَتْ نفسُ زيدٍ، اشْتَعَلَ شَيْبُ الرأس" تھے مضاف الیہ کو فاعل اور مضاف کو تمیز بنایا۔

اور بعض مرتبہ تمیز مفعول سے منقول ہو کر آتی ہے جیسے غرستُ الارضَ شجرًا اور "فجّرنا الارضَ عيونًا" اصل میں غرستُ شجرَ الارض، اور فجّرنا عيونَ الارض، تھے اس میں بھی مضاف الیہ کو مفعول اور مضاف کو تمیز بنایا گیا۔

ان مثالوں میں (مثلاً) نفسًا نے فاعل کو اور "شجرًا" نے اس مفعول کو بیان کیا جس سے فعل متعلق ہے۔
اور عامل ان کیلئے وہی ہے جو ان سے پہلے ذکر ہے۔

وَبَعْدَ ذِي وَشِبْهِهَا اجْرُرْهُ اِذَا
أضَفْتَهَا كَـ "مُدُّ حِنْطَةٍ غِذَا"
والنَّصْبُ بَعْدَ مَا أُضِيفَ وَجَبَا
إِنْ كَانَ مِثْلَ "مِلْءُ الارضِ ذَهَبًا"

ترجمہ:......ان مقدرات اوران کے مشابہ کے بعد ان کو مضاف کرنے کی صورت میں
آپ تمییز کو جر دیں جیسے "مُدُّ حنطةٍ هذا" اور اضافت کے بعد نصب واجب ہے اگر
ملء الارض ذهبًا، کی طرح ترکیب ہو (تفصیل آگے شرح میں ہے)

(ش) أشار بـ"ذى" إلى ما تقدم ذكره فى البيت من المقدرات — وهو مادل على مساحة، أو كيل، أو وزن — فيجوز جر التمييز بعد هذه بالإضافة إن لم يضف إلى غيره، نحو: "عندى شبر أرض، وقفيز بر، ومنوا عسل وتمر"

فإن أضيف الدال على مقدار إلى غير التمييز وجب نصب التمييز، نحو: "مافى السماء قدر راحة سحابا"، ومنه قوله تعالى: ﴿فلن يقبل من أحدهم ملء الأرض ذهبا﴾

وأما تمييز العدد فسيأتى حكمه فى باب العدد.

ترجمہ وتشریح:

بعض جگہ تمییز کو مجرور پڑھنا جائز ہے:

متن میں ماتن نے "ذی" کہکر ان مقدرات کی طرف اشارہ کیا جن کا پہلے ذکر ہو چکا، اگر یہ مقدرات تمییز کی طرف مضاف ہوں تو تمییز کو مجرور پڑھنا جائز ہے جیسے "عندی شبر ارضٍ، قفیز برٍ، منوا عسلٍ وتمرٍ، لیکن اگر تمییز کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں تو تمییز کا نصب واجب ہے جیسے " مافی السماءِ قدرُ راحةٍ سحابًا" اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے "فلن یقبل مِنْ احدِهِمْ مِلْءُ الارض ذهبًا"

عدد کی تمییز کا حکم عدد کے باب میں آئے گا انشاء اللہ (طریقہ عصریہ میں بھی پوری تفصیل موجود ہے)

وَالْفَاعِلَ الْمَعْنَى انْصِبَنْ بِأَفْعَلا
مُفَضِّلاً كَأَنْتَ أَعْلَى مَنْزِلاً

ترجمہ:......جو تمییز معنی کے اعتبار سے فاعل ہو اس کو افعل تفضیل کے ساتھ نصب
دیدیں جیسے أنت أعلىٰ منزلاً (آپ مرتبہ کے اعتبار سے بلند ہیں)

(ش) التمييز الواقع بعد أفعل التفضيل إن كان فاعلاً في المعنى وجب نصبه، وإن لم يكن كذلك وجب جره بالإضافة.

وعلامة ما هو فاعل في المعنى: أن يصلح جعله فاعلاً بعد جعل أفعل التفضيل فعلا، نحو: "أنت أعلى منزلا، وأكثر مالا" ف"منزلا، ومالا" يجب نصبهما؛ إذ يصح جعلهما فاعلين بعد جعل أفعل التفضيل فعلا؛ فتقول: أنت علا منزلك، وكثر مالك.

ومثال ما ليس بفاعل في المعنى: "زيد أفضل رجل، وهند أفضل امرأة" [فيجب جره بالإضافة، إلا إذا أضيف "أفعل" إلى غيره؛ فإنه ينصب حينئذ، نحو: "أنت أفضل الناس رجلا"].

ترجمہ وتشریح:

جو تمییز اسم تفضیل کے بعد واقع ہو اگر معنی کے اعتبار سے وہ فاعل ہے تو اس کا نصب ورنہ جر بالاضافۃ واجب ہے۔

معنی کے اعتبار سے فاعل کی علامت یہ ہے کہ اسم تفضیل کو فعل بنانے کے بعد اس کا فاعل ہونا صحیح ہو جیسے "انتَ أعلیٰ منزلاً" اکثرُ مالاً، یہاں "منزلاً" "مالاً" دونوں تمییز ہیں اسم تفضیل (أعلیٰ ، اکثر) کے بعد واقع ہیں نصب ان کا واجب ہے اس لئے کہ اسم تفضیل کو فعل بنانے کے بعد ان تمییزوں کا فاعل بننا صحیح ہے چنانچہ "انتَ علا منزلکَ" کثُرَ مالکَ" پڑھنا صحیح ہے۔ معنی کے اعتبار سے تمییز فاعل نہ ہو اس کی مثال "زیدٌ افضلُ رجلٍ هندُ افضلُ امرأ ۃٍ" یہاں تمییز کو مجرور بالاضافۃ پڑھنا ضروری ہے البتہ اگر اسم تفضیل کی اضافت تمییز کے علاوہ غیر کی طرف ہو تو اس وقت اس کا نصب واجب ہے۔ "جیسے "انتَ افضلُ النّاسِ رَجُلاً"

وَبَعْدَ كُلِّ مَا اقْتَضَى تَعَجُّبَا
مَيِّزْ كَـ"أَكْرِمْ بِأَبِي بَكْرٍ أَبَا"

ترجمہ:...... ان سب کے بعد جو تعجب کا تقاضہ کرے تمییز بنائیں جیسے اکرم الخ

(ابوبکر کتنا ہی اچھا ہے باپ ہونے کے اعتبار سے)

(ش) یقع التمییز بعد کل مادل علی تعجب نحو: "ما احسن زیدا رجلا، واکرم بابی بکر ابا، وللہ درک عالمًا، وحسبک بزید رجلا، وکفی بہ عالمًا"

۱۹۳- "یَا جَارَتَا مَا أَنْتِ جَارَہ"

ترجمہ وتشریح:

جو تعجب پر دلالت کرے ان کے بعد تمییز واقع ہوتی ہے جیسے "مَا اَحْسَنَ زَیْدًا رجلاً الخ"

اسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

"یَا جَارَتَا مَا أَنْتِ جَارَہ"

(اس سے پہلے والا شعر یہ ہے "بَانَتْ لِتَحْزُنَنَا عفارۃ)

ترجمہ:..... عفارہ نامی محبوبہ الگ ہوگی" تاکہ ہمیں پریشان کردے، اے میری پڑوسن تم کتنی خوب ہو پڑوسن ہونے کے اعتبار سے (یعنی تو دیگر پڑوسیوں کی طرح نہیں بلکہ ان سے زیادہ قریب ہے اس لئے مجھے آپ کی ہمسائیگی پر تعجب ہے)

تشریح المفردات:

(بانت) ضرب سے، بعد وعن غائب "الگ ہونے" کے معنی میں ہے، (بائنہ) بھی اس عورت کو کہا جاتا ہے جو اپنے شوہر سے علیحدہ ہو چکی ہو۔ (عفارۃ) شاعر کی محبوبہ کا نام ہے، ترکیب میں "بانت" کیلئے فاعل ہے۔

(یا جارتا) اصل میں "یا جارتِیَ" (بکسر التاء وفتح الیاء) تھا کسرہ کو فتحہ سے تبدیل کیا، یاء متحرک ما قبل مفتوح ہونے کی وجہ سے یاء کو الف سے تبدیل کیا۔

محل استشہاد:

(جارۃ) محل استشہاد ہے "ما انت" کے بعد (جو تعجب پر دلالت کرتا ہے) تمییز واقع ہے۔ واضح رہے کہ تعجب پر دلالت کرنے والی کسی بھی چیز کے بعد تمییز واقع ہوتی ہے اگرچہ تعجب کے دونوں صیغوں (ما افعلہ، افعِل بہ) کے علاوہ ہو یا ان ہی دو صیغوں میں سے ہو۔

وَاجْرُرْ بِمِنْ إنْ شِئْتَ غيرَ ذِی العَدَد
وَالْفَاعِلِ المعنی کَ"طِبْ نفسًا تُفَدْ"

ترجمہ:......آپ مِنْ کے کے ذریعہ جر دیں (اگر آپ چاہیں) اس تمیز کو جو عدد والا نہ ہو اور جو معنی کے اعتبار سے فاعل نہ ہو جیسے "طِبْ نفسًا تُفَدْ" (آپ خوش ہوں از روئے نفس آپ فائدہ پائیں گے) "طِبْ نفسًا" میں تمییز معنی کے اعتبار سے فاعل ہے ای طابَتْ نفسُکَ" لہٰذا نفسًا میں جر جائز نہیں)

(ش) يجوز جر التمييز بمن إن لم يكن فاعلا في المعنى، ولا مميزًا لعدد؛ فتقول: "عندی شبر من أرض، وقفيز من بر، ومنوان من عسل وتمر، وغرست الأرض من شجر" ولا تقول: "طاب زيد من نفس" ولا "عندی عشرون من درهم"

ترجمہ وتشریح:

اس سے پہلے معنی کے اعتبار سے فاعل تمییز کا ذکر ہو چکا اور عدد کی تمییز کا ذکر آگے آ رہا ہے۔
ابھی یہ بتا رہے ہیں کہ جو تمییز معنی کے اعتبار سے فاعل بھی نہ ہو اور عدد کیلئے بھی نہ ہو تو اس صورت میں تمییز کو مجرور پڑھنا جائز ہے جیسے "عندی شبرٌ من أرضٍ" الخ طابَ زیدٌ من نفسٍ، عندی عشرونَ مِنْ دِرهمٍ" خلاف قاعدہ ہونے کی وجہ صحیح نہیں۔

وَعَامِلَ التَّمييزِ قَدِّمْ مُطْلَقَا
والفعلُ ذُو التَّصريفِ نزرًا سُبِقَا

ترجمہ:......تمییز کے فاعل کو آپ مطلقاً مقدم کریں، اور فعل متصرف (عامل) کو کبھی پہلے کیا جاتا ہے (یعنی فعل متصرف عامل کبھی تمیز سے پہلے بھی آتا ہے)

(ش)مذهب سيبويه-رحمه الله-أنه لايجوز تقديم التمييز على عامله،سواء كان متصرفًا أوغير متصرف؛فلا تقول:" نفسًاطاب زيدٌ"ولا"عندي درهمًاعشرون"

وأجاز الكسائي،والمازني،والمبرد،تقديمه على عامله المتصرف؛فتقول:" نفسًاطاب زيدٌ، وشيبًا اشتعل رأسي"،ومنه قوله:

١٩٤-أتَهْجُرُ لَيلى بالفِراقِ حبيبَها
وَمَا كانَ نفسًا بالفِراقِ تَطِيبُ

وقوله:

١٩٥-ضَيَّعْتُ حَزمي في إبعادي الأمَلا
وَمَا ارْعَوَيْتُ وَشَيبًا رأسي اشتَعَلا

ووافقهم المصنف في غيرهذاالكتاب على ذلك، وجعله في هذا الكتاب قليلا.

فإن كان العامل غير متصرف؛فقد منعوا التقديم:سواء كان فعلا،نحو:"ماأحسن زيدًا رجلا"أوغيره،نحو:"عندي عشرون درهمًا"

وقديكون العامل متصرفًا،ويمتنع تقديم التمييز عليه عندالجميع،وذلك نحو:"كفى بزيد رجلا"فلايجوزتقديم"رجلا"على"كفى"وإن كان فعلامتصرفًا؛لأنه بمعنى فعل غيرمتصرف، وهو فعل التعجب؛فمعنى قولك"كفى بزيدرجلا":ما أكفاه رجلا!

ترجمہ وتشریح:

تمییز کواس کے عامل پر مقدم کرنا:

سیبویہ رحمہ اللہ اور دیگر اکثر حضرات کے ہاں تمییز کو اس کے عامل پر مقدم کرنا صحیح نہیں چاہے عامل فعل متصرف ہو یا غیر متصرف (متصرف وغیرہ کی بحث گزر چکی ہے) چنانچہ "نفسًاطاب زيدٌ "عندى درهمًا عشرون (بتقديم الحال) نہیں کہا جائے گا۔

اوراسی سے شاعر کا یہ قول ہے۔

۱۹۴ - أَتَهْجُرُ لَيْلَىٰ بِالْفِرَاقِ حَبِيبَهَا
وَمَا كَانَ نَفْسًا بِالْفِرَاقِ تَطِيبُ

ترجمہ:...... کیا جدائی کی وجہ سے لیلیٰ اپنے محبوب کو چھوڑے گی؟ حالانکہ لیلیٰ اس پر ازروئے نفس خوش نہیں۔

تشریح المفردات:

(ا) ہمزہ استفہام انکاری کیلئے ہے (تهجر) واحد مؤنث غائب مضارع کا صیغہ ہے لیلی اس کیلئے فاعل ہے، بمعنی چھوڑنا، قطع تعلق کرنا، (ما) نافیہ ہے (کان) زائدہ ہے (تطیب) میں (ھی) ضمیر "لیلی" کی طرف راجع ہے بعض روایات میں "لیلیٰ" کی جگہ "سلمیٰ" کا ذکر ہے۔

محل استشہاد:

(نفسا) محل استشہاد ہے تمییز واقع ہے اور فعل متصرف "تطیب" اس پر مقدم ہے، کوفیین، کسائی، مازنی، مبرد رحمہم اللہ کے ہاں یہ جائز ہے جبکہ سیبویہ اور جمہور اس کو ضرورت شعری پر محمول کرتے ہیں ۔ لہٰذا اس پر قیاس صحیح نہیں۔

ابواسحاق الزجاج رحمہ اللہ کے ہاں۔

"وَمَا كَانَ نَفْسِي بِالْفِرَاقِ تَطِيبُ"

اور ابوالحسین رحمہ اللہ کی نقل کے مطابق

"أَتُؤْذِنُ سَلْمَىٰ بِالْفِرَاقِ حَبِيبَهَا
وَلَمْ تَكُ نَفْسِي بِالْفِرَاقِ تَطِيبُ

آیا ہے اس صورت میں امام کسائی وغیرہ کیلئے کوئی محل استشہاد نہیں۔

اوراسی طرح شاعر کا یہ قول بھی ہے۔

۱۹۵ ضَیَّعْتُ حَزْمِی فِی إِبْعَادِی الأَمَلاَ
وَمَا ارْعَوَیْتُ وَشَیْبًا رَأْسِی اشْتَعَلا

ترجمہ:...... میں نے اپنی حسن تدبیر اوراحتیاط ضائع کردی دورامیدوں کے رکھنے میں،
اور باز نہیں آیا حالانکہ میرے سر کے بال سفید ہوگئے۔

تشریح المفردات:

(ضَیَّعْتُ) باب تفعیل سے واحد متکلم کا صیغہ ہے، بمعنی ضائع کرنا، (ابعادی) میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے، (الاملا) ابعاد کیلئے مفعول ہے (ارعویت) بمعنی رجوع کرنا، باز آنا، (شیبًا) تمیز مقدم ہے، اشتعل فعل متصرف پر، (اشتعل) بمعنی انتشر۔

محل استشہاد:

(شیبا) محل استشہاد ہے تمیز واقع ہے اور مقدم ہے "اشتعل"، فعل متصرف پر، جو امام مبرد، کسائی، مازنی رحمہ اللہ (مصنفؒ نے بھی الفیہ کے علاوہ کتابوں میں اس کی تائید کی ہے) کے ہاں جائز ہے جبکہ سیبویہ رحمہ اللہ اور اکثر حضرات کے ہاں یہ صحیح نہیں البتہ اس قسم کے اشعار ضرورت پر محمول ہیں۔

فان کان العامل غیر متصرّف الخ:

شارح فرماتے ہیں کہ اگر عامل غیر متصرف ہو تو پھر سب کے ہاں تمیز کی تقدیم اس پر صحیح نہیں چاہے فعل ہو یا اس کے علاوہ۔

وقدیکون العامل الخ:

کبھی اس طرح بھی ہوا کرتا ہے کہ عامل متصرف ہوتا ہے پھر بھی سب کے ہاں اس پر تمییز کی تقدیم صحیح نہیں ہوتی (یہ کبھی کبھار ہوتا ہے ورنہ تو فعل متصرف کی تقدیم میں اختلاف کی تفصیل ابھی گزر گئی) جیسے "کفیٰ بزیدٍ رَجُلاً" یہاں رجلاً تمییز کو "کفیٰ" پر مقدم نہیں کر سکتے اگرچہ "کفیٰ" فعل متصرف ہے، لیکن چونکہ "کفیٰ" فعل غیر متصرف (یعنی فعل تعجب) کے معنیٰ میں ہے اس وجہ سے (غیر متصرف کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس کی تقدیم بھی صحیح نہیں۔ اس لئے کہ "کفیٰ بزیدٍ رجُلاً" کے معنیٰ ہیں "مَا اَکفاہُ رَجُلاً"

....

اَلاِختتام

تمّ المجلّد الثانی من " اوضح التسہیل لشرح ابن عقیل" بفضلہ تعالیٰ ومنہ وکرمہ فالحمد للہ اوّلاً وآخراً وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمّد وآلہ وصحبہ اجمعین، آمین یاربّ العالمین۔

کتبہ

العبد الضعیف علی الرّحمن فاروقی

یوم الجمعۃ مساءً ۲۰/۱۰/۱۴۲۵ھ

قرآن وحدیث سے اجتہاد کی مشروعیت اور حنفی مذہب کے متعلق مفید معلومات پر
مشتمل مختصر اور جامع کتاب بنام

''اجتہاد اور مذہب حنفی کی حقیقت''

تالیف

علی الرحمن فاروقی

پسند فرمودہ

مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزیؒ شہید رحمہ اللہ

تحفۂ نحو

شرح

جس میں نحو کے اول تا آخر تمام مباحث مختص پیرائے میں اور نحو کی مشہور کتاب نحو میر کی بہترین شرح ہے
نیز مقدمہ اور خاتمہ میں نحو کی تاریخی اور علما نحو سمیت مختلف فوائد کا تذکرہ ہے

از افادات

حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع شہید رحمہ اللہ

مؤلف

مولانا حبیب اللہ اچکزئی

فاضل درسِ نظامی پاکستان

فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

الناشر

مکتبۃ العلوم ۔ دوکان نمبر ۹ اسلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

الخیر الکثیر

شرح

نحو میر

جس میں نحو میر کی متن کا اردو میں سلیس ترجمہ اور ذیل میں ہر سبق کی تشریح کے عنوان سے مختصر شرح کی گئی ہے

مولف

مولانا حبیب اللہ چکزئی

مدرس جامعۃ الفرقان کراچی

ناشر

مکتبۃ العلوم۔ دوکان نمبر ۹ سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی